133175 f 22-12-0

Title – DARIYA-E-LUTAAFAT

Creator – Meer Insha Allah Khan Insha; Murattib Maulvi Abdul Haq; Mutarjuma Brij Mohan Datatariya Kaifi.

Publisher – Anjuman Taraqqi Urdu (Delhi).

Date – 1935.

Pages – 394

Subjects – Urdu Zuban; Urdu Lisaniyaat.

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۸۳

دریائے لطافت

مصنفۂ

میر انشا اللہ خاں انشا

مرتبۂ

مولوی عبدالحق صاحب معتمد اعزازی
انجمن ترقیٔ اردو اورنگ آباد (دکن)

مترجمہ

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

سنہ ۱۹۳۵ع

فہرستِ مضامین

مقدمہ

سید انشاءاللہ خاں کے نام سے کون واقف نہیں- ان کی خداداد ذہانت، طباعی، شوخی و ظرافت اور جدت کا ایک زمانہ قائل ہے- اُن کی خاندانی شرافت، اور خاندانی اخلاق و آداب دلی اور لکھنؤ کے شرفا سب مانتے تھے- ان کے بزرگ دلی میں آکر بس گئے اور وہیں کے ہوگئے اور رفتہ رفتہ شاہی دربار میں رسائی ہوئی اور سلسلۂ اُمرا میں داخل ہوے- سید انشااللہ خاں بھی شاہ عالم بادشاہ کے درباریوں میں تھے، لیکن شاہ عالم کی بادشاہت نام کی رہ گئی تھی - اگرچہ بادشاہ نیک دل تھے، اور اپنے خانہ زادوں اور خاندانی متوسلین کی ہر طرح خاطر کرتے تھے لیکن وہ خود مجبور تھے- کمپنی بہادر کے پنشن خوار اور نام کے بادشاہ - وہ قدردانیاں اور قدرافزائیاں کہاں کرسکتے تھے جن کی وجہ سے ان کے بزرگوں کے نام اب تک دنیا میں روشن ہیں - دلی اب وہ دلی

نہ رہی تھی۔ ظاہری آداب باقی رہ گئے تھے مگر سلطنت کی جڑ کبھی کی کھوکھلی ہوچکی تھی' اور اس کے ساتھہ ہی دولت و ثروت اور علم و فضل بھی رخصت ہو رہے تھے وہ اہل کمال جن کا دار و مدار بادشاہوں کی قدردانی پر ہے' ان کا ٹھکانا اب یہاں نہ رہا تھا۔ دلی کے زوال پر سلطنت کا ٹھاٹ لکھنؤ میں جما - آصف الدولہ کی سخاوت اور فیاضی نے حاتم کے نام کو بھلا دیا تھا۔ اہل کمال جو قدر دانی کے بھوکے تھے ایک ایک کرکے وہاں پہنچے - یہاں تک کہ 'میر تقی' جیسے شخص نے بھی جن کی غیرت اور استغنا کی قسم کھانی چاہئے اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہی - غرض سید انشاالله کو بھی یہی کشش لکھنؤ لے گئی - تھوڑے ہی عرصے بعد دربار تک رسائی ہوئی - اور وہاں پہنچتے ہی اپنی لطیفہ گوئی' طباعی اور شاعری کی بدولت وہ عروج ہوا کہ نواب سعادت علی کی ناک کے بال ہوگئے - نواب سعادت علی خاں اگرچہ بہت بیدار مغز اور منتظم شخص تھے' مگر آخر فرصت کے وقت انہیں بھی دل لگی اور تفنن طبع کے لئے کچھہ ہونا چاہئے تھا - اس کے لئے سید انشاالله سے بڑھ کر اور کون مل سکتا تھا - انھوں نے نواب کو ایسا رجھایا کہ ان کے بغیر ایک دم چین نہ آتا تھا۔

اُمرا کی مصاحبت آدمی کو کہیں کا نہیں رکھتی اور باوجود غیر معمولی قابلیت اور ذہانت کے سید صاحب کا بھی یہی حشر ہوا -

مولوی محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب 'آب حیات' میں 'میاں بے تاب' کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا" - اس قول کے پہلے حصے سے تو مجھے بالکل اتفاق نہیں ' البتہ دوسرا حصہ بالکل صحیح ہے - شاعری خود ایک بڑا کمال ہے ' اور ایسا بڑا کمال ہے کہ اگر کسی شخص میں صحیح طور سے موجود ہو تو اس کے سامنے دوسرے کسب کمال ہیچ ہیں - البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ سید انشا کی طبعی ظرافت اور شوخی کو درباری مصاحبت اور مذاق نے خراب کیا اور اس نے ان کی شاعری کو بھی بگاڑے بغیر نہ چھوڑا - شوخی و ظرافت بڑی پر لطف چیز ہے اور کلام کا رتبہ اس سے بعض اوقات بہت بلند ہوجاتا ہے اور دلوں کے شگفتہ کرنے اور بعض خیالات کے ادا کرنے میں یہ ایک سحر کا کام کرتی ہے ' بشرطیکہ ایک حد تک اور مناسبت سے ہو اور کوئی لطافت بھی پائی جاتی ہو (جیسے مرزا غالب کے کلام میں)- لیکن افسوس

ہے کہ سید انشا اللہ کے کلام میں بعض اوقات یہ شوخی و ظرافت تمسخر اور پھکڑ کی درجہ تک اور پھکڑ سے فحش اور شہدپن تک پہنچ گئی ہے جو کانوں کو ناگوار اور ذوق سلیم پر بہت گراں گزرتی ہے -

سید انشا کا کلام ان کا کلیات جو طبع ہوگیا ہے، اس میں کلام ذیل شامل ہے : —

(۱) اُردو کا دیوان (۲) دیوان ریختی (۳) قصائد (جس میں ایک قصیدۂ منقبت بے نقط و اشعار ترکی وغیرہ بھی شریک ہیں) (۴) دیوان فارسی (۵) مثنوی شیر و برنج فارسی (۶) مثنوی بے نقط (لوح سرخی بھی بے نقط و موزوں) (۷) مثنوی شکار نامہ (۸) مثنویات در ہجو زنبور، کھٹمل، پشہ، مگس (۹) مثنوی شکایت زمانہ - (۱۰) مثنوی فیل (۱۱) مثنوی در ہجو گیان چند سا ہوکار (۱۲) اشعار متفرقہ و رباعیات و قطعات و تاریخ ہائے متفرقہ (۱۳) چیستانیں اور پہیلیاں مخمس وغیرہ (۱۴) دیوان اُردو بے نقط مع رباعیات ونثر بے نقط (۱۵) شرح مائۃ عامل نظم فارسی (۱۶) مثنوی مرغ نامہ -

اِس کے علاوہ ایک داستان اُردو نثر کی لکھی ہے جس میں یہ اہتمام کیا ہے کہ کوئی لفظ عربی فارسی

کا نہ آنے پاے - اور باوجود اس کے کلام اُردو کے پایہ سے گرنے نہیں پایا - یہ درحقیقت بڑے کمال کی بات ھے - آج اگر کوئی چاھے ایسا صفحہ بھی اس رعایت کے ساتھہ لکھہ لے تو ممکن نہیں ۔

لیکن سید انشا کی سب سے بڑی یادگار اور قابل قدر تصنیف ' دریاے لطافت' ھے - اس میں اُردو صرف و نحو، منطق ' عروض و قافیہ ' معانی و بیان وغیرہ کا ذکر ھے - پہلا حصہ یعنی اُردو صرف و نحو تو سید انشااللہ کی تصنیف ھے اور دوسرا حصہ یعنی منطق ' عروض و قافیہ و معانی و بیان مرزا محمد حسن قتیل کا تالیف کیا ہوا ھے - کتاب کی جان پہلا ھی حصہ ھے - اگرچہ اس سے قبل بعض اھل یورپ نے متعدد کتابیں اُردو قواعد پر لکھی تھیں * لیکن یہ پہلی کتاب ھے جو ایک ھندی اھل زبان نے اُردو صرف و نحو پر لکھی ھے اور حق یہ ھے کہ عجیب جامع اور بے مثل کتاب ھے - اردو زبان کے قواعد، محاورات اور روزمرہ کے متعلق اس سے پہلے کوئی ایسی مستند اور محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی اور عجیب بات یہ ھے کہ اس کے بعد بھی کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں

* ملاحظہ ھو راقم کا مقدمۂ قواعد اُردو ' جس میں اس کے متعلق بالتفصیل بحث کی گئی ھے --

لکھی گئی جو لوگ اردو زبان کا محققانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہیں یا اس کی صرف و نحو یا لغت پر کوئی محققانہ تالیف کرنا چاہتے ہیں ، ان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے —

سید انشا پہلے شخص ہیں کہ جنھوں نے عربی فارسی زبان کا تتبع چھوڑ کر اُردو زبان کی ہیئت و اصلیت پر غور کیا اور اُس کے قواعد وضع کیے اور جہاں کہیں تتبع کیا بھی ہے تو وہاں بھی زبان کی حیثیت کو نہیں بھولے - علاوہ اس کے الفاظ و محاورات کی تحقیق ، بیگمات کی زبان اور اُن کے محاورات ، مختلف الفاظ کے تلفظ ، مختلف فرقوں کے میل جول سے زبان پر جو اثر پڑا ، ان سب کو بڑے لطف سے ادا کیا ہے اور بعض نکات ایسے بیان کئے ہیں جن کی قدر وہی کر سکتے ہیں جنھیں زبان کا ذوق ہے - صرف و نحو کے قواعد بھی بڑی سلاست اور جامعیت سے بیان کیے گئے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ اس بارے میں جن جن باتوں کا اُنھوں نے خیال کیا ہے متاخرین کو بھی وہ نہیں سوجھیں - حالانکہ ایسا عمدہ نمونہ موجود تھا - اس سے سید انشاء اللہ خاں کے دماغ اور ذوق زبان کا صحیح اندازہ ہوتا ہے -الفاظ کی فصاحت و غیر فصاحت اور صحت و غیر صحت کے متعلق کتنی سچی

راے دی ھے - وہ کہتے ھیں کہ " ہر لفظ جو اُردو میں مشہور ہو گیا ' عربی ہو یا فارسی ' ترکی ہو یا سریانی ' پنجابی ہو یا پوربی ' ازروے اصل غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اُردو کا لفظ ھے - اگر اصل کے موافق مستعمل ھے تو بھی صحیح ھے - اور اگر خلاف اصل مستعمل ھے تو بھی صحیح ھے - اُس کی صحت و غلطی اُردو کے استعمال پر موقوف ھے - کیونکہ جو کچھہ خلاف اُردو ھے غلط ھے ' گو اصل میں وہ صحیح ہو اور جو کچھہ موافق اردو ھے صحیح ھے ' گو اصل میں صحت نہ رکھتا ہو " - اس اصول کو قائم کرنے کے بعد وہ بہت سے عربی الفاظ کو جو اُردو میں کچھہ کے کچھہ ہو گئے ھیں صحیح بتاتے ھیں - مثلاً سید انشا کی راے میں ' برقا ' صحیح اُردو کا لفظ ھے ' گو وہ خلاف اصل ھے - یا وہ قدر کو بفتح دال اردو کا صحیح لفظ خیال کرتے ھیں اگرچہ اصل میں بسکون دال ھے - یہ سن کر بعض اصحاب جنھیں صحت لغت کا اسی قدر خیال رہتا ھے جیسے ایک مومن متقی کو اداے ارکان صلوٰۃ کا اور خصوصاً ثقات لکھنؤ بہت جز بز ہوں گے - لیکن جو لوگ اصول لسان سے واقف ھیں وہ ' سید انشا ' کی وسعت نظر اور اصابت راے کی داد دیں گے - فرق یہ ھے کہ ' سید انشا ' اردو کو ایک جدا زبان

خیال کرتے ہیں اور غیر زبان کے جن الفاظ نے منجھہ منجھا کر یا گھس پس کر یا اختلاف لہجہ یا دوسرے اسباب سے ایک خاص صورت اختیار کرلی ہے وہ اب اُردو کے لفظ ہوگئے ہیں ' انہیں اصل زبان سے کچھہ تعلق نہیں رہا - اور جو کچھہ صورت اُن کی پیدا ہوگئی ہے اور جس طرح وہ زبان زد خاص و عام ہوگئے ہیں ' وہی اُن کی صحیح صورت ہے ' اصل زبان سے خواہ وہ کیسے ہی متبائن اور مختلف کیوں نہ ہوں - مگر جو حضرات ابھی تک اُن عربی فارسی الفاظ کو جو اُردو میں مستعمل ہیں اصلی صورت میں لکھنا اور بولنا صحیح اور فصیح سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف غلط اور غیر فصیح' تو گویا وہ ابھی اُردو زبان کو زبان ہی نہیں سمجھتے - اسی اصول کو اگر مد نظر رکھا جائے اور ہر اُردو لفظ اس کی اصلی صورت میں (یعنی جس زبان سے وہ آیا ہے) لکھنا اور بولنا شروع کریں تو اُردو زبان کوئی زبان ہی نہ رہے گی - اور موجودہ تحریر و تقریر کے سارے الفاظ باستثنائے چند کے غلط ٹھہریں گے - کیونکہ اس میں جس قدر الفاظ ہیں وہ یا تو سنسکرت اور ہندی زبانوں کے ہیں یا عربی فارسی ترکی یا بعض یورپی السنہ کے - اُردو زبان مستقل زبان اُسی وقت ہوگی جب وہ ان زبانوں کے

لفظ لے کر اُنھیں اپنا کرلے اور جہاں وہ اپنے ہوے اُن کی شکل و صورت ، وضع قطع ، رنگ ڈھنگ میں ضرور فرق آئے گا - مگر ہم میں سے بعض نازک دماغ دقیق نظر حضرات کو ان غیر ملکیوں کی یہ بے تکلفی ہرگز نہیں بھاتی وہ انھیں ' اپنا ' بنانا نہیں چاہتے بلکہ انھیں ڈھکیل ڈھکیل کر اپنے حدود سے باہر نکالنا چاہتے ہیں - اگر سید انشا کے اصول پر عمل رہا ہوتا تو اب تک اُردو میں بہت کچھ وسعت ، لطف اور شیرینی پیدا ہوجاتی -

اس کتاب کے پہلے ہی باب میں سب سے اول اُنھوں نے اُردو کے حروف ابجد سے بحث کی ہے - اور اُن کی تعداد کے تعین میں بڑی بڑی جدت طرازیاں کی ہیں - سید انشا کے بعد سے اُردو صرف و نحو اور لغت وغیرہ پر بیسیوں ہی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن جس جس پہلو سے اُنھوں نے ان حروف تہجی کو دیکھا ہے اور اُن کے اقسام قائم کیے ہیں بہت کم لوگوں کی نظر وہاں تک پہنچی ہے ، حالانکہ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے - علاوہ معمولی تقسیم حروف کے جو ہر معمولی کتاب میں پائی جاتی ہے مثلاً عربی کے اتنے فارسی کے اتنے اور ہندی کے اتنے ، سید صاحب ایک قدم اور آگے بڑھے ہیں - اس تقسیم کے بعد انھوں نے اُن حروف کو لیا ہے جو کسی خاص حرف

سے مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں - مثلاً سترہ حروف ایسے ہیں جو 'ہ' کے ساتھ مل کر ایک آواز دیتے ہیں جیسے بھاگنا ' پھٹنا وغیرہ وغیرہ - ہمارے ہاں اب کہیں اُردو قاعدوں میں یہ حروف بڑھائے گئے ہیں - حالانکہ سید انشا مدتوں پہلے لکھہ چکے ہیں —

یا 'سترہ' حروف ایسے ہیں 'جو نون' کے ساتھہ مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں - مثلاً پنڈول ' رنگیلا ' ہنسنا وغیرہ - اُردو قاعدوں میں اب تک ان حروف کا ذکر نہیں —

اسی طرح بعض حروف ایسے ہیں جو 'ی' کے ساتھہ مل کر ایک ہوجاتے ہیں - مثلاً کیا (حرف استفہام) دھیان پیارا وغیرہ - غرض اس طرح سید انشا نے اُردو حروف تہجی کی کل تعداد پچاسی بتائی ہے —

دوسرے باب میں دہلی کے محلّوں کی تمیز کے متعلق بڑی دلچسپ بحث کی ہے - اور بہ تفصیل بتایا ہے کہ کس کس محلّے کی زبان فصیح ہے اور کہاں کہاں کی غیر فصیح - مغلوں (اہل مغل پورہ) سادات بارہ' پنجابیوں' پڑبیوں کی زبان کیسی ہے اور ان کی وجہ سے الفاظ کے تلفظ اور لہجہ اور زبان میں کیا فرق پیدا ہوا ہے - اور یہ سب امور تفصیل اور مثالوں کے ساتھہ بیان کیے گیے ہیں '، اور ایسے لطف کے ساتھہ کہ جی خوش ہوجائے -

اسی میں سید انشا اور حضرت میرزا مظہر جان جاناں رح ' کا مشہور مکالمہ ہے- ہیں تو گنتی کے دو تین ہی جملے مگر آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے —

' تیسرے باب ' میں بعض فصحا وغیرہ کا ذکر ہے ' اور بعض ایسے الفاظ کا بیان کیا گیا ہے جو اُردو نہیں یا متروک ہیں اور میر تقی یا مرزا سودا نے اُن کا استعمال کیا ہے- اسی باب میں ' نواب عماد الملک' 'بھارا مل' ' مرزا صدرالدین صفاھانی ' اور ' مُلّا عبدالفرقان ' کی دلچسپ تقریریں ہیں - خاص کر ' بی نورن ' اور ' میر غفر غینی' کی تقریریں نہایت پر لطف ہیں ' ' بی نورن ' اور ' میر غفر غینی ' کی تقریریں ایسی پاک صاف شستہ ہیں کہ آج کل کی بول چال بھی اس سے زیادہ فصیح نہیں ہوسکتی - اس سے سید انشا کی زبان دانی اور فصاحتِ کلام کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے اور زبان کے منجھنے اور ترقی پانے کے جو کچھہ وہ لکھہ گئے ہیں اس میں کہیں حرف گیری کا موقع نہیں- بلکہ ویسی فصیح اور پاک صاف اُردو اب بھی ہر شخص نہیں لکھہ سکتا - اور اس میں شعراے عصر کے کلام و حال پر جو تنقید کی ہے وہ بہت ہی ظریفانہ ہے - یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی نہیں چھوڑا —

اسی باب کے آخر میں 'دھلی و لکھنؤ' کی فصاحت وفوقیت کا پر لطف موازنہ ھے - اور دونوں طرف کے دلائل کو بیان کیا ھے - اس میں یہ بات دیکھنے کی ھے کہ چونکہ سید انشا نواب سعادت علی خاں' کے ملازم اور مصاحب تھے اس لیے کس کس طرح پہلو بچا بچا کے اس بحث کو نبھایا ھے —

باب چہارم میں مصطلحات دھلی اور باب پنجم میں گفتگو و مصطلحاتِ زنانِ دھلی کا ذکر ھے - یہ دونوں باب محققین زبان و مولفین لغت کے لیے نہایت مفید اور کار آمد ھیں —

اس کے بعد اردو صرف و نحو ھے - نہ صرف اردو صرف و نحو کی یہ پہلی کتاب ھے بلکہ اس لحاظ سے بھی اسے تقدّم اور فضیلت ھے کہ یہ اول کتاب ھے جس میں اردو کی صرف و نحو بلحاظِ زبان بیان کی گئی ھے اور عربی فارسی کی اندھوں کی طرح تقلید نہیں کی گئی- اگر مابعد کے مولفین اس اصول کو پیش نظر رکھتے تو اس وقت تک اردو صرف و نحو مکمل ھو جاتی —

اس میں مطلق شبہ نہیں کہ سید انشاء اللہ خاں کا اردو زبان پر بہت بڑا احسان ھے اور خصوصاً یہ کتاب انھوں نے ایسی لکھی ھے کہ جب تک اردو زبان زندہ

ہے اس کے مطالعہ اور اس سے استفادہ اور سند لینے کی ضرورت باقی رہے گی -

اس کتاب کا دوسرا حصہ منطق و عروض و قوافی اور معانی و بیان میں ہے - یہ حصہ 'مرزا قتیل' کا ہے اور زیادہ قابل لحاظ نہیں - بلحاظ فن کے بھی زیادہ مستند خیال نہیں کیا جاتا - البتہ منطق و عروض میں ایک جدّت انھوں نے ضرور کی ہے - یعنی اصطلاحات فن کا ترجمہ اردو میں ہے - مثلاً :—

تصور	دھیان	بدیہی	پرگھٹ
تصدیق	جون کاتوں	نظری	گپت
موضوع	بول	تسلسل	اُلجھا سُوت
محمول	بھرپور	دَور	هیر پھیر
رابط	جوڑ	مطابقت	ٹھیک ٹھیک
نسبت	ملاپ	التزامی	اوپری لگاؤ
قضیہ	بات	مثلث	تِکڑا

مربع ... ... چوکڑا وغیرہ

یہ امر قابل غور ہے کہ اصطلاحات علمی اس طور پر تراشی جاتیں یا ترجمہ کی جاتیں تو اس سے علوم کے ترجمہ کرنے یا عام طور پر علوم کے مقبول کرنے میں کہاں تک آسانی ہوتی یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے مگر

اس میں شک نہیں کہ ہمیں اصطلاحات کے وضع کرتے وقت جہاں تک ممکن ہو (بشرطیکہ رکاکت پیدا نہ ہو) ہندی سے ضرور مدد لینی چاہئے مثلاً اگر نصفیۃ الاجنحہ کی بجائے ادھ پَرا یا آدھ پنکھہ ' یا عدیمۃ الاجنحہ کی بجائے بے پرا ' یا بے پنکھہ ' یا عدیمۃ الذنب کی جگہہ بے دُما وغیرہ کہا جائے تو کیا حرج ہے بلکہ اس سے سراسر فائدہ ہے - بعض الفاظ جو بوجہ سختی اور کرختی ہونے کے ہماری زبان پر نہیں چڑھتے ان کا ترک کرنا اولیٰ اور ان کی بجائے ہندی یا فارسی اصطلاحات کا استعمال کرنا مناسب ہے ---

' مرزا قتیل ' نے بھی اس حصہ میں سید انشاءاللہ کی پیروی کی ہے اور مزاح و تمسخر میں کوئی کمی نہیں کی - مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوّا ہنس کی چال چل رہا ہے - مرزا صاحب کا مزاح اکثر بے نمک ہے - انھوں نے عروض میں بجائے مروّجہ الفاظِ اوزان کے نئے الفاظ تراشے ہیں - مثلاً بجائے مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے بی جان پری خانم بی جان پری خانم اور بجائے فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن کے چھت لگن پری خانم چھت لگن پری خانم وغیرہ فرماتے ہیں - میں نے منطق اور عروض و قوافی کا بیان کتاب سے ترک کر دیا ہے کہ

وہ کچھہ مفید نہ تھا - البتہ بیان و معانی کا بیان بطور نمونہ کے رھنے دیا ھے وہ کسی قدر ٹھیک ھے —

اس کتاب کے طبع میں بڑی دقت تھی - اول تو یہ کہ جا بجا فحش کلمات بے تکلف استعمال کیے گئے ھیں - اس لیے ان کے خارج کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی کیونکہ بعض اوقات مطلب خبط ھو جاتا تھا - دوسرے سید انشا کی طبیعت میں اُپچ تو تھی ھی' انھوں نے حروف کے نام بھی نئے ایجاد کیے ھیں - غالباً اس میں انھوں نے اپنے ولی نعمت 'نواب سعادت علی خاں' کے اوصاف کی رعایت رکھی ھے - مثلاً 'الف' کو اقبال 'ب' کو بخشش 'پ' کو پاکی طینت 'ت' کو ترحم 'خ' کو خدا ترسی 'ژ' کو ژرف نگاھی 'ک' کو کم دماغی 'ہ' کو ھمت بلند لکھا ھے - اور اسی طرح دوسرے تمام حروف کو الگ الگ نام دیے ھیں - اس سے پڑھنے والے کو بڑی الجھن ھوتی ھے - مثلاً 'کھَن' ایک چھوٹا سا لفظ ھے - اس کا تلفظ وہ اس طرح سے بتاتے ھیں " با کم دماغیِ مفتوح با ھمت بلندیکی گشتہ و نفاست ساکن بمعنی گا ھے " - اور چونکہ کتاب میں مختلف تقریریں اور مختلف بولیاں درج ھیں وہ ایک لفظ کا تلفظ اس طریقہ سے بتاتے ھیں تو پڑھنے والے کو سخت پریشانی

ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے اس طریقہ کو بھی ترک کر دیا ہے اور مروجہ اور معمولی طریقہ کو اختیار کیا ہے تاکہ ناظرین کو سہولت ہو۔

اس کتاب کی تصنیف میں چونکہ سید انشا اور 'مرزا قتیل' دونوں شریک تھے اس لیے نام بھی دونوں نے دو دو تجویز کیے ہیں۔ سید انشا نے اپنے آقاے ولی نعمت 'نواب ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر' کے نام کی رعایت سے 'ارشاد ناظمی' اور 'بحر سعادت' تجویز کیے اور 'مرزا قتیل' نے 'دریاے لطافت اور حقیقت اُردو' - مگر ان میں 'دریاے لطافت' ہی مقبول ہوا اور وہی آج تک مشہور ہے - یہ کتاب سنہ ۱۲۲۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۰۲ ع میں تصنیف ہوئی - اس کے چھیالیس برس بعد 'مولوی مسیح الدین خاں بہادر' کاکوروی نے اپنے مطبع آفتاب عالمتاب مرشدآباد میں بہ تصحیح و اهتمام مولوی 'احمد علی گوپاموی' طبع کرایا - 'مولوی مسیح الدین خاں' مرحوم میر منشی گورنر جنرل و سفیر شاہ اودھ تھے اور بعد ازاں 'واجد علی شاہ' مرحوم کی والدہ کے ساتھ انگلستان تشریف لے گئے وہاں سے واپس آنے کے بعد انھوں نے مرشدآباد میں ایک فارسی نستعلیق ٹائپ کا مطبع قائم کیا اور اس میں اچھی

اچھی کتابیں طبع کرائیں - مولوی صاحب کی خوش مذاقی کے بدولت یہ کتاب دست برد زمانہ سے بچ گئی - مگر اب یہ نسخہ بھی کمیاب ھے - اسی نسخہ سے انجمن نے اس کتاب کو ترتیب دیا ھے - امید ھے کہ یہ کتاب اهل ملک کے لیے مفید ثابت هوگي —

اورنگ آباد

۲۸ مئی سنہ ۱۹۱۶ ع

عبد الحق

آنریری سکرٹری انجمن ترقی اردو

مترجم کا دیباچہ

پبلک کے سامنے یہ ترجمہ پیش کرتے ہوے مجھے بہت تھوڑا کہنا ہے۔ مفصل تقریب میرے فاضل دوست مولوی عبدالحق انجمن ترقئی اردو کے فارسی اڈیشن پر لکھہ چکے ہیں اور اب بھی لکھیں گے۔

دریاے لطافت کئی وجوہ سے خاص امتیاز اور فضیلت رکھتی ہے - یہ پہلی کتاب ہے جو اردو کے علم لسان ' گریمر ' انشا اور محاورے اور روز مرہ پر کسی هندی نے تصنیف کی۔ اس کے مصنف سید انشا اردو کے نامی اور نادر کلام شاعر ہونے کے علاوہ عربی ' فارسی اور هندی میں فضیلت کا درجہ رکھتے تھے اور هندوستان کی کئی زبانیں جانتے تھے۔ دهلی کی فصاحت اور روز مرہ کے علمبردار ہونے کے باوجود لکھنؤ کی شبابیات اور جدت آفرینیاں بھی ان کے زیر نظر تھیں - یہ سب امور دریاے لطافت کے لئے آج تک کی هم موضوع تصانیف اور تالیفوں سے مابہ الامتیاز کا حکم رکھتے ہیں- آج ادب اور زبان سے متعلق جو کوئی بھی جو کچھہ لکھتا ہے اس کے سامنے یورپ کا لٹریچر اور اس کے ادیبوں کے نظریے ہوتے ہیں - ' دریاے لطافت ' کا سنہ تصنیف انیسویں صدی عیسوی کا آٹھواں برس ہے - اُس زمانے میں اور یورپ کی زبانوں اور علم و ادب سے ناواقف محض ہونے کے باوجود 'سید انشا ' کا یہ کتاب تصنیف

کرنا، اس کی یہ پرداز رکھنا، ان کی دقت نظر اور سائنٹفک تنقید اِس روشنی کے زمانے میں محیرالعقول ہے —

اس میں شک نہیں کہ اگر سید مغفور آج زندہ ہوتے تو اپنی اس تصنیف میں کئی جگہہ نظرثانی کی ضیا پاشی فرماتے کیونکہ زاویۂ نگاہ کے ساتھہ زبان بھی بہت کچھہ تغیر پزیر ہوگئی ہے - اس تغیر کی وجہ سے راقم کو کئی جگہہ حاشیے دینے کی ضرورت پڑی - ورنہ ان کی فارسی اور انداز بیان کسی حاشیہ یا شرح کا محتاج نہ تھا —

میں نے ترجمے میں یہ کیا ہے کہ کتاب کے مطالب کی تقسیم کو تو جوں کا توں رهنے دیا لیکن اصل فارسی کتاب میں دریا کی رعایت سے عنوانوں کے نام جو جزیرہ اور شہر وغیرہ کی شکل میں تھے ان کی جگہہ صرف باب اور فصل استعمال کئے ہیں - اور کسی قسم کا تصرف نہیں کیا گیا - حواشی کے سوا متن میں ضرورت پرخطوط وحدانی مستقیم کے اندر جو درج ہے وہ میرا ہے - قوسین کے اندر کے الفاظ متن سے ماخوذ ہیں- پڑھنے والوں کی آسانی کی غرض سے میں نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک فصل میں جہاں مضمون بدلا ہے یا موضوع کی اہم تفصیل وغیرہ وارد ہوئی ہے وہاں دو خطوں سے الگ کرکے سرخی دے دی ہے-

ماڈل ٹاؤن - لاهور — برجموهن دتاتریہ کیفی

۱۴ فروری سنہ ۱۹۳۵ ع

دیباچۂ مرتب (بر طبع ثانی)

سید انشا کی دریائے لطافت ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ ع) میں تصنیف ہوئی اور تخمیناً ۴۳ برس بعد سنہ ۱۲۶۶ھ (سنہ ۱۸۴۹ع) میں مولوی مسیح الدین خاں بہادر نے اپنے نستعلیق ٹائپ کے مطبع آفتاب عالمتاب واقع مرشد آباد میں طبع کی۔ مولوی صاحب مرحوم کے ذوق صحیح کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے اُس زمانے میں مختلف قلمی نسخے فراہم کر کے کتاب کی تصحیح کی اور صرف کثیر سے اس کی طبع کا اہتمام کیا۔ لیکن باوجود طبع کے کتاب زیادہ مشہور نہ ہوئی اور لوگوں نے اس کی قدر نہ جانی۔ اُس زمانے میں یوں عام طور پر اور خاص طور پر اس قسم کی کتابیں تعداد میں بہت کم طبع ہوتی تھیں، کیوں کہ ایسی چیزوں کے قدر کرنے والے اور پڑھنے والے بھی کم تھے۔ اب یہ مطبوعہ نسخہ شاذ و نادر کہیں نظر آتا ہے۔

تقریباً ستر سال تک یہ کتاب گم نامی میں پڑی رہی۔ سنہ ۱۹۱۶ع میں انجمن ترقیٔ اُردو نے اسے دوبارہ طبع کرایا۔

البتہ اس میں اتنا تصرف کیا کہ ایک تو منطق اور عروض کے مباحث خارج کر دیے جو بیکار ہیں اور دوسری بات یہ کی کہ سید انشا نے جو حروف تہجی کے نام اپنے آقاے ولی نعمت کے اوصاف پر رکھے تھے ' اور کتاب میں اُن کا استعمال صحت تلفظ کی خاطر کثرت سے ہوا تھا ' وہ بدل دیے کیوں کہ اس سے طبیعت کو اُلجھن ہوتی تھی اور مطلب سمجھنے میں دقت پڑتی تھی - شاید یہ بھی ایک وجہ اس کتاب کی نا مقبولیت کی ہو - انجمن نے اس کے ایک ہزار نسخے طبع کرائے تھے جن کے بکنے میں اٹھارہ اُنیس سال لگے - میں نے ابھی پہلے زمانے کی نا قدری کا ذکر کیا تھا لیکن اب پچاسی چھیاسی برس بعد کی قدر دانی کو کیا کہوں ! —

پہلی بار میں نے زبان وہی رکھی تھی جو انشا کی تھی- طبع ثانی میں اس خیال سے کہ شاید یہ فہم مطالب میں حارج ہوتی ہو ' فارسی سے اُردو کر دی - ترجمہ میرے مخدوم اور عنایت فرما حضرت کیفی دہلوی نے فرمایا ہے - ترجمہ بہت صاف ' سلیس اور با محاورہ ہے- میں حضرت کیفی کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے انجمن ترقیِ اُردو کے لیے اس زحمت کو گوارا فرمایا - جناب مترجم نے بعض مقامات پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں جو بصیرت افروز ہیں —

یہ بڑے پایے کی کتاب ہے - اس سے پہلے کسی نے اُردو صرف و نحو اور تحقیق زبان پر اس اصول و ترتیب کے ساتھہ کوئی کتاب نہیں لکھی تھی- زمانۂ حال میں بھی جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ انشا کی تحقیق کو نہیں پہنچتیں اور بعض چیزیں تو وہ ایسی لکھہ گئے ہیں کہ اگر وہ نہ لکھتے تو ہمیں ان کا کبھی علم نہ ہوتا - اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انشا کو اُردو زبان پر کس قدر عبور حاصل تھا اور ان کی نظر کیسی دقیق اور گہری تھی - زبان کی تحقیق میں ایسے ایسے نکتے بیان کر گئے ہیں جنھیں پڑھ کر سید اِنشا کی ذہانت، باریک نظری، زباں دانی اور زباں فہمی کا قائل ہونا پڑتا ہے —

سید انشا نے دوسرے صرفیوں اور نحویوں کی طرح (حالانکہ وہ بعد میں ہوے ہیں) آنکھوں پر پٹی باندھ کر عربی فارسی کی تقلید نہیں کی بلکہ انھوں نے زبان کی فطرت اور ساخت کو سمجھہ کر اس کے اُصول قایم کئے ہیں- ان کی حیثیت مقلد کی نہیں بلکہ مجتہد کی ہے - انشا کی یہ آزادیٔ نظر سب سے زیادہ قابل تعریف ہے —

دلی جو اُردو کا جنم بھوم ہے، اُس زمانے میں فصاحت کا گھر تھی - میر انشاء اللہ دلی کی گلی گلی سے واقف تھے اور ہر محلے کی زبان اور اُن کی زبان کے فرق اور اہل

محلہ کی حقیقت اور اُن کے لب و لہجہ اور اُن کے خاص خاص الفاظ اور محاوروں سے پورے طور پر با خبر تھے - ہر طبقے اور پیشہ ور کی زبان کو بعینہ اُسی لب و لہجہ اور اسی کے رنگ میں ادا کیا ہے - یہ چیزیں یادگار ہیں اور لسانیات کے طالب کو بعض اوقات ان سے عجیب نکات ہاتھ لگ جاتے ہیں - کہیں کہیں اُس زمانے کی معاشرت کی جھلک بھی نظر آ جاتی ہے - غرض یہ عجیب کتاب ہے اور غور سے پڑھنے کے قابل ہے —

حضرت کیفی نے اپنے دیباچے میں بجا فرمایا ہے کہ " اگر سید مغفور آج زندہ ہوتے تو اپنی اس تصنیف میں کئی جگہ نظر ثانی کی ضیا پاشی فرماتے " - بہت جی چاہتا تھا کہ کتاب کے آخر میں اُن مقامات پر جن میں گفتگو، بحث اور تشریح کی گنجائش ہے کچھ لکھوں لیکن ہجوم کار سے اتنی فرصت نہ ملی اور یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی - اگر طبع ثالث کی باری آئی اور زندگی باقی رہی تو شاید یہ ارمان نکل جائے —

عبدالحق

۳ اپریل سنہ ۱۹۳۵ ع

دریاے لطافت

باب اول، مقدمہ

—****—

پہلی فصل

اردو زبان کی کیفیت

—****—

اردو کا مولد و منشا اور مرکز ہر ملک میں قاعدہ ہے کہ اس کے صاحب کمال اور فصحا ایک ایسے شہر میں اکٹھے ہوتے ہیں جہاں حکومت کے ارکان دولت رہتے ہوں اور ہر طرف کے لوگ حصول معاش کے لئے آتے رہتے ہوں، اس وجہ سے اس شہر کے رہنے والوں کی تحریر اور تقریر اُس ملک کے اور شہروں کے باشندوں سے بہتر ہوتی ہے – ایران میں اصفہان مدتوں سلاطین صفویہ کا دارالسلطنت رہا، اس شہر کے رہنے والوں کی زبان اور بیان اور جگہ کے مقابلے میں سند مانی جاتی

تھی اور اب بھی ہے - یا جیسا استنبول جو سلطان روم کا دارالخلافہ ہے - شاہ جہان آباد چونکہ اکثر سلاطین مغلیہ کا دارالخلافہ اور بجائے قیام رہا ہے اور چونکہ فریقین کے فصیح و بلیغ اور جید عالم اور فنون لطیفہ و علوم شریفہ کے ماہر اس خوبصورت شہر میں رہنے لگے اس لئے اس شہر کو امتیاز حاصل ہے ' اگرچہ لاہور ' ملتان ' اکبر آباد اور الہ آباد بھی ذی شوکت بادشاہوں کا مسکن رہے ہیں لیکن ان کو دھلی کے برابر نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں اور مقاموں کے مقابلے میں بادشاہوں کا قیام زیادہ رہا ہے - یہاں کے خوش بیانوں نے متفق ہو کر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے لفظ نکالے اور بعضی عبارتوں اور الفاظ میں تصرف کرکے اور زبانوں سے الگ ایک نئی زبان پیدا کی ' جس کا نام 'اردو' رکھا - ظاہر ہے کہ جس دن سے شاہ جہاں بادشاہ نے اس شہر کو آباد کیا اور اسے شاہ جہان آباد کے نام سے موسوم کیا اُس دن سے آج کے دن تک یہ شہر ہندستان کے بادشاہوں کی راجدھانی ہے - زمانۂ سابق میں ہر شہر کے آدمی اس شہر میں آتے اور تہذیب و شایستگی حاصل کرتے - وہاں کے باشندے دوسرے شہر میں نہیں جاتے تھے اور اگر کسی ضرورت سے کہیں

باهر جاتے تو اُس مقام کے شرفا ان کی زیارت کے لیئے آتے اور اُن کی صحبت سے نشست و برخاست اور گفتگو کے طور طریق اور آداب مجلس کی اور باتیں سیکھتے -

دهلی والوں کا اثر بیرو نجات پر

اب کہ چند برسوں سے شاہ جہان آباد میں خرابی پھیلی * اور وهاں کے باشندے جگہ جگہ جا نکلے اور جہاں آرام کی جگہ دیکھی وهیں تھہر گئے ' تو ان کی صحبت کے فیض سے دِهات والوں نے کھانے پینے ' پہنے اوڑهنے کے طریقے ' بیان کی فصاحت اور زبان کی چستی سیکھ لی ' جس سے دیکھنے والوں کو دهوکا هونے لگا [کہ یہ بھی دلی والے هیں] ' لیکن ابھی تک اصل اور نقل میں بڑا فرق هے - جن لوگوں کے ماں باپ شاہ جہان آباد سے هجرت کر کے اور شہروں میں چلے گئے تھے ان کی اولاد جو وهیں پیدا هوئی اس کا روز مرہ بعینہ دارالخلافہ کا روز مرہ هے - مگر

* مغلیہ سلطنت کے زوال کے آثار تو پہلے سے نمایاں هونے لگے تھے لیکن انتزاع سلطنت کی ابتدا سنہ ۱۷۳۹ ع میں نادر شاہ کے حملے کے بعد سے هوئی - دلی والوں کی بڑی تعداد جس میں سراج الدین علیخان آرزو اور رائے ٹیک چند بہار تھے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ فیض آباد پہنچ گئے تھے ' ان کے فرزند و جانشین آصف الدولہ کے زمانے میں اُدهر لکھنئو اودہ کا صدر مقام بنا اور ادهر دهلی میں رهیلہ گردی اور مرهٹہ گردی مچی تو بیشمار اهل کمال دهلی سے هجرت کر کے لکھنئو چلے گئے جن میں خود سید انشا بھی تھے - (مترجم) -

بعضے ایسے بھی ہیں کہ بیرونجات کے لوگوں کی صحبت اور زیادہ میل جول سے چند لفظ ایسے بھی استعمال کرنے لگے جو اردو کے خلاف ہیں - اس اجمال کی تفصیل یہ ہے --

دہلی اور بیرونجات کی زبان کے فرق

پورب والوں کی یہ خصوصیت رہی اور ہے کہ وہ دہلی والوں کے خلاف ایسے جملے میں جیسے "کل ہم تمہارے یہاں گئے تھے" "تمہارے" کے بعد 'کے' بڑھا دیتے ہیں - کہتے ہیں "کل ہم تمہارے کے یہاں گئے تھے" - میرے، تیرے، اُس کے وغیرہ کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہیں، بعض 'یہاں' بروزن 'جہاں' کو 'ناں' کے وزن پر بولتے ہیں اور 'ہ' کو الف کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں [یہاں ' وہاں' یا' یاں' واں] - بعضے تانیث میں ایک 'ن' بڑھا دیتے ہیں اور حلال خوری کی جگہہ حلال خورنی بولتے ہیں - لفظ حلال خور اگرچہ اصل میں غلط ہے لیکن چونکہ ہندوستان میں کثیر الاستعمال ہے اس لئے اردو میں صحیح ہے - اور یہ کرتے ہیں کہ سبزی فروش کے لیے 'کبڑیا' اور اس کی تانیث 'کبڑنی' استعمال کرتے ہیں، یہ لفظ اہل اردو نے نہیں سنے سوائے ان کے جو پورب کا سفر کر آئے ہوں، شاہ جہاں آباد میں ان کے بدلے 'کنجڑا' اور 'کنجڑن' کہتے ہیں - طرفہ یہ کہ

بعضے پورب والے جو کبڑیا اور کبڑنی نہیں بولتے وہ بھی بہ تقاضائے اصل 'کنجڑن' کو 'کنجڑنی' بولتے ہیں - وہاں بڑ کے درخت کو برگد کہتے ہیں' آک کے پودے کو مدار کہتے ہیں اور 'لو' [لینا کا امر جمع] کو 'لے' بولتے ہیں جو امر واحد ہے - 'لو' اصل میں حسن کلام کی طور پر مستعمل ہے اور اول کلام میں جو یہ آتا ہے تو اس کے اصلی معنی مقصود نہیں ہوتے - شاہ جہان آباد میں کہینگے :- "لویار چاندنی چوک تک ہوآئیں"- پورب میں کہینگے :- "لے یار چلو چاندنی چوک کی سیر کریں" - چھت کی 'کڑی' کو وہ لوگ 'دھنی' کہتے ہیں ' نَرَسل' کو 'نرکُل' 'دَھنا' (دست راست) کو 'داہنا' یا 'داہنا' 'رسولی' کو 'بتوری' بولتے ہیں' 'ددھیال' اور 'ننھیال' میں حرف اول کے بعد ایک الف بڑھا دیتے ہیں - ایسے ہی اور لفظ ان کی زبان پر جاری ہیں جو دلی والوں نے کبھی نہیں سنے - اور مقاموں کے لوگوں نے بڑی کوششوں سے اپنے روز مرہ کو اہل دہلی کی صحبت میں صحیح کیا لیکن لب و لہجہ سے مجبور ہیں' زبان کھولی اور پہچانے گئے - یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ [گو] اہل شاجہان آباد گفتگو کرتے وقت پورب کی زبان کے ایک دو لفظ[بول جائیں اور گو] پوربی

جو پوری گفتگو اردو کے روز مرہ کے موافق کرے اور اپنے ملک کا ایک لفظ بھی اس میں داخل نہ کرے تاہم لب و لہجہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ شاہ جہان آبادی ہے اور یہ پوربی —

اُردو کے اجزائے ترکیبی | 'اُردو' زبان کئی زبانوں سے مل کر بنی ہے' جیسے 'عربی' 'فارسی' 'ترکی' 'پنجابی' 'پوربی' اور 'برجی' وغیرہ۔ اس کی مدلل مثال یہ عبارت ہے:—

'' واللہ باللہ تمام شب باجی جان یہی
کہتی تھیں کہ مجھے چھوٹے بھائی پر بہت
تیہا آتا ہے کہ ناحق ناحق تگّاجی کو ساتھ لےکر
پایندہ بیگ کھتّے کے گھر دوڑ دوڑ کے جاتا
ہے' ایسا نہ ہو کہ اس جھلّے کی دوستی
میں اپنا سر کٹوادے' میں نے کہا آپ
کاہے کو کُڑھتی ہیں اُس لڑکے کا اللہ بیلی
ہے' پایندہ بیگ کیا ہے ''۔

اور اِس کہاوت میں '' بگلا مارے پنکھہ ہاتھ '' [بے سود کام کی نسبت کہتے ہیں] ۔

اوپر کی عبارت میں 'واللہ باللہ' عربی ہے' 'تمام شب' فارسی ہے' 'باجی' جو بہن کے لیے آتا ہے ترکی ہے۔ 'کھتّا' بمعنی چھپ' بایاں' ہے تو 'پنجابی' لیکن اردو میں

یہ لفظ اکیلا ہی استعمال ہوتا ہے جب کہ آدمی محذوف ہے 'اُردو' میں یہ لفظ موصوف کے ساتھہ صفت ہوکر نہیں آتا - اسی طرح 'جھلّا' کم عقل اور زبان دراز کو کہتے ہیں جو احمق ہوکر اپنے کو عقلمند سمجھے مگر اس کی طینت میں بدی نہو - بیلی بمعنی نگہبان بھی پنجابی ہے - 'تکّا' دایہ کے شوہر کو کہتے ہیں یہ ترکی لفظ 'اتکہ' سے بگڑا ہوا ہے - 'کاھے کو' جس کے معنی ہیں کیوں' کس واسطے' یہ برج کی بولی ہے' اُردو میں 'کو' کی ایزادی سے تصرف کیا گیا ' اب اُردو ہو گیا ' برج والے کہتے ہیں " کاھے رے بھیا " - 'کاھے کو' کی جگہ کس واسطے' کس لئے' یا کیوں؟ بھی مستعمل ہیں- جو اس سے زیادہ فصیح ہیں - اوپر کی کہاوت میں 'پنکھہ' بمعنی 'پر' اُردو نہیں' پوربی ہے -

لہجے اور تلفظ کا امتیازی اختلاف

کبھی تلفظ یعنی حروف کے حرکات دہلوی اور بیرونی ہونے پر دلالت کرتے ہیں- مثلاً اہل دہلی شاہ جہاں پور بولتے ہوئے 'پور' کو خور (آفتاب) کے وزن پر ادا کریگا ' پورب والا اسے 'نُور' کے وزن پر بولیگا - اسی طرح 'مُہان' جو لکھنؤ کے قریب ایک قصبے کا نام ہے 'گُماں' کے وزن پر ادا کریگا نہ کہ 'طوفان' کے وزن پر - زدولی جو شیخ عبدالحق صاحب

کا مدفن ہے دہلی والوں کی زبان پر بہ کثرت را ہے - یہاں دہلی والوں یا دہلویوں سے مراد ہے وہ لوگ جن کے ماں باپ کا وطن دہلی تھا مگر وہ پورب میں پیدا ہوے' کیونکہ دہلی والوں نے تو ان مقاموں کے نام بھی نہ سنے تھے جب تک کہ وہ لکھنؤ نہ آے - 'طفولیت' کا ترجمہ اہل پورب 'لڑکئی' کرتے ہیں دہلی کے فصحا لڑکپن کہتے ہیں مگر طالب علم لڑکائی اور اہل مغلپورہ لڑکا پن کہتے سنے گئے ---

--- * ---

دوسری فصل

اُردو کے حروف تہجی

--- * ---

تعداد حروف

چونکہ اُردو کئی زبانوں کا عطر ہے اس لئے اس کے حروف تہجی کی تعداد زیادہ ہے فصحا اور محققوں کے نزدیک یہ تعداد پچاسی (۸۵) ہے' عوام اور تحقیق سے بےواسطہ لوگ پچانوے (۹۵) قرار دیتے ہیں* چار حرف مشکوک ہیں یعنی 'دال' اور 'خ' جو 'نون' کے ساتھہ مل کر آواز دے اور 'سین' جو 'ی' کے ساتھہ مل کر بولا جاے اور 'جیم' جو 'ہ' کے ساتھہ مل کر آواز دے' اسی طرح 'چ' جو 'ہ' یا 'نون' کے ساتھہ مل کر بولی

جائے- چھ حرف اور بحث طلب ھیں اور وہ یہ ھیں' 'ز' اور 'شین' جب 'نون' کے ساتھہ مخلوط ہو جائیں' 'پ' اور 'الف' جب 'واو' سے متحد ھوں' 'کاف' جب 'واو' اور 'نون' میں مخلوط ھو جاے' اور 'میم' 'ی' اور 'نون' کے ساتھہ مل جائے --

عربی' فارسی' ترکی کے حروف تہجی

بخلاف اس کے 'عربی' میں کُل اتھائیس اور 'فارسي' میں چوبیس حرف ھیں- اس کی تفصیل یہ ھے کہ جب اتھائیس حروف تہجی میں سے یہ آتھہ حرف جو فارسی میں نہیں آتے نکال دئے گئے یعنی 'ث' 'ح' 'ص' 'ط' 'ظ' 'ع' 'ق' تو بیس باقی رھے' ان میں وہ چار حرف ایزاد کئے جو عربی میں نہیں آتے یعنی 'پ' 'چ' 'ژ' 'گ' - تو یہ تعداد چوبیس ھوجاتی ھے- اسی طرح اُردو کے حروف تہجی کی تعداد 'ترکی' زبان سے بھی اختلاف رکھتی ھے' اس زبان میں تئیس حروف پاے جاتے ھیں- یعنی فارسی کے حروف تہجی میں سے 'ذ' 'ژ' نکال دئے اور 'قاف' بڑھا دیا -

اردو حروف تہجی کی تفصیل

حاصل کلام یہ کہ اُردو حروف تہجی کی تفصیل اس نہج پر ھے کہ اتھائیس حروف 'عربی' کے اور چار وہ جو فارسی سے مخصوص ھیں' اور هندی کے 'ٹ' 'ڈ' 'ڑ' - ان کے

علاوہ سترہ حرف وہ ہیں جو 'نون' کے ساتھ مل کر ایک آواز دیتے اور ایک حرف ہوجاتے ہیں - اور وہ حروف یہ ہیں 'الف'، 'ب'، 'پ'، 'ت'، 'ٹ'، 'ج'، 'چ'، 'خ'، 'د' (یہ دونوں حرف مشکوک ہیں)، 'ڈ'، 'ر'، 'س'، 'ک'، 'گ'، 'ل'، 'م'، 'ن'، 'ہ' - اب وہ حرف ہیں جو ہاے ہوز کے ساتھ مخلوط ہو کر آواز دیتے ہیں اور وہ یہ ہیں :- 'ب'، 'پ'، 'ت'، 'ٹ'، 'ر'، 'ڑ'، 'د'، 'ڈ'، 'ک'، 'گ'، 'ل'، 'م'، 'ن'، 'و'، 'ی'، 'ج'، 'چ' - گیارہ حرف اور ہیں جو 'ی' کے ساتھ مخلوط ہوکر بولے جاتے ہیں - یعنی 'ب'، 'پ'، 'ک'، 'گ'، 'دھ'، 'ڈھ'، 'ج'، 'چ'، 'س'، 'ش'، 'ن' - آٹھ حرف وہ ہیں جو 'ہ'، 'ن' کے ساتھ مل کر آواز دیتے ہیں - یعنی 'ک'، 'گ'، 'ب'، 'پ'، 'ج'، 'چ'، 'د'، 'ڈ'، اور دو حروف وہ ہیں جو 'واؤ' کے ساتھ مخلوط ہوتے ہیں یعنی 'الف' اور 'ب'- لیکن یہ دونوں بحث طلب ہیں جس کا ذکر مناسب موقع پر کیا جاے گا - اور حروف بھی اسی قبیل سے ہیں کہ بعض لفظوں کی کتابت میں آجاتے ہیں - لیکن اصل میں ان کو حروف تہجی کی حیثیت حاصل نہیں، جیسے 'س'، 'ی' کے ساتھ مخلوط ہو کر، یہ بعض بازاریوں کی زبان میں آتا ہے ایسے اور بھی حروف ہیں جیسے 'ادوا' جو ایک بازاری عورت

کا نام ہے اور بخشی علی ہذا القیاس - 'ننو' 'پسیا' وغیرہ جو سازندوں کے نام ہیں' اور 'جھبیا' 'حسینی' 'خانمی' 'چاندنی' 'دامڑی' ذاکر علی (سارنگیا) اور 'راحت' 'زاہد علی (راحت کا بیٹا)' 'سندری' 'شکرو' 'صاحب بخش' 'ضابط علی (سازندہ)' 'طاہر علی (ضابط کا بھائی)' 'ظہورن' 'عزت' 'غریبنی' 'فرخندہ' 'قطبو' 'کریمن' 'گندا' 'لاڈو' 'مہتاب' 'نورن' 'وزیرن' 'ہینگو' 'یارو (کنچن کا نام) - یہ کسبی مردوں اور عورتوں کے نام اردو سمجھنے چاہئیں - حروف مذکورہ ان ناموں کے سوا اور لفظوں میں بھی بہت آتے ہیں - مختصر یہ کہ ان ناموں میں عربی اور فارسی کے تمام حروف تہجی سوا ے 'ژ' کے آگئے ہیں - یہاں تک عربی اور فارسی کی مجموعی تعداد بتیس بنتی ہے - حرف 'ڈ' کی مثال میں ڈولی کو لیجئے جو ایک زنانی سواری ہے - 'ٹ' کی مثال 'ٹاٹنتھی (موٹی تازی عورت) - 'ڑ' کی مثال 'پیڑ' یعنی درخت اور 'کڑوا' یعنی تلخ —

نون سے مخلوط حروف | جیسا کہ بتایا گیا یہ سترہ ہیں' مثال :- 'انگرکھا' (لباس کی چیز) ! 'بندوڑ' بمعنی کنیز' کم قدر' 'پنڈول' (ایک قسم کی مٹی)'

'تندور' (عوام تندور کی جگہہ بولتے ہیں) 'تنگڑی' بمعنی ساق '
'چنگلا' (ایک راگنی کا نام) 'چلگر' مشہور خنجر جیسے نون
مخفی کے ساتھہ مرثیہ گو اکثر استعمال کرتے ہیں، حتی
کہ 'مرزا رفیع سودا' نے بھی ایک مرثیہ میں خنجر کو
چنبر کے وزن پر باندھا ہے' اس مرثیے کے چوتھے کے بند
کے پہلے دو مصرعے یہ ہیں۔

نہیں ہلال فلک پر مہ محرم کا
چڑھا ہے چرخ پہ تیغا مصیبت و غم کا *

اگرچہ فصیحوں کا یہ لہجہ نہیں اور عوام بھی اس طرح
استعمال نہیں کرتے لیکن مرزا رفیع کی سند سے 'خ' کی
مثال یونہی دیدی گئی اسے اردو نہ سمجھا جائے۔
'دنتیاں' ہاتھی کے چھوٹے دانتوں سے مراد ہے یہ لفظ اردو

---

* سید انشا نے صرف پتا دیدیا اصل شعر نہیں دیا وہ یہ ہے' یہ
مرثیہ مربع ہے جس کا اس زمانہ میں رواج تھا۔ وہ بند یہ ہے:-

'خنجر' سن اس کو گلے شہ کے لگ لہو رویا
غبار تن پہ جو تھا اپنے اشک سے دھویا
شہ اس سے مل کے فراغت سے اس طرح سویا
کہ تا ابد نہ کھلے پردہ چشم پرنم کا

یہاں 'خنجر' کے نون کی وہ آواز ہے جو جھنجھیرا میں ہے۔
ایک دیسی ریاست کا نام ہے جو اساطہ بمبئی میں ہے۔ اصل میں
املا یہ چاہیے تھا۔ (مترجم)۔

میں نہیں آیا نہ سنا گیا۔ اسے اردو میں داخل نہ سمجھا جائے۔ 'تنڑ' (نون مخففی کے ساتھہ) بمعنی ورزش، اس کو بعض فصحا 'تنک' بھی بولتے ہیں۔ 'رنگیلا' (حسن پرست، خوش اختلاط)، 'سنگار' (آرایش)، 'کندلا' (چاندی پر سونا چڑھانا)، 'گندوڑا' (شکر کی موٹی روٹی)، لنڈورا (دم کٹا پرند)، 'منگیتر' (کنواری لڑکی جس کی منگنی کسی کے ساتھہ ہوچکی ہو)، ننگیا لینا (زبردستی کسی کے کپڑے اتروا لینا)، 'ہنڈولا' (یعنی پالنا، گہوارہ)۔

'ہ' سے مخلوط حروف ان کی مثالیں یہ ہیں، بھاگنا، پھٹنا، تھوڑا، ٹھنڈا، ٹھرھا، پڑھا، جھوٹا، چھوٹا، چھل، دھوم، ڈھال، کھال، گھوڑا، ملھو (تین بھٹوں میں بیچ کا بیٹا)، تمھارا گھر۔ یہاں تک مثالیں 'ب'، 'پ'، 'ت'، 'ٹ'، 'ر'، 'ڑ'، 'ج'، 'چ'، 'د'، 'ڈ'، 'ک'، گ'، 'ل'، اور 'م'، 'کے'، 'ہ'، کے ساتھہ مختلط ہونے کی آئیں۔ نون کی مثال 'ننھا' (چھوٹا)، 'واؤ' اور 'ی' کے اختلاط کی مثال ہے 'یہاں' اور 'وھاں' *۔

اور آٹھہ حرف جو 'ہ' اور 'ن' سے مخلوط ہوتے ہیں جیسے کھنڈانا (بکھیرنا)، گھنگرو، بھنڈلانا (دھوکا دینا)، پھندنا،

* یہاں اور وھاں کا جلد ھی یاں اور واں بروزن جاں بن گیا تھا۔ یہاں اور وھاں کے یہ مخفف اب متروک سمجھے جاتے ہیں۔ (مترجم)

جھنڈولا (جس بچے کے سر پر بہت کے بال ہوں)؛ ڈھنگانا (براتیوں سے دلہن کے جانبداروں کی تکرار روپیہ کی نسبت دروازہ کھولنے کے وقت)؛ ڈھنڈورا، چھنگلیا (ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی)، یہ لفظ پورب کے قدیم باشندوں کی زبان سے بھی سننے میں آتا ہے، اس میں کچھ جائے تامل ہے -

'ی' کے ساتھ مخلوط ہونے والے حروف | یہ گیارہ حروف ہیں جیسے بیونتانا (جسم کے مطابق کپڑا قطع کرانا)، پیوسی (گاے وغیرہ جانوروں کا دودھ بچہ دینے کے عین بعد)، کیا (حرف استفہام)، گیارہ، دھیان، جیوڑا (جان)، چیونٹی، ڈیوڑھی، نیولا (بعض 'ی' کا اعلان کرتے ہیں)؛ شیوداس (عوام س مہملہ سے بول دیتے ہیں) یہ لفظ چونکہ شاہجہان آباد میں مسلمان اہل حرفہ مثل سبزی فروش، نیچہ بند وغیرہ کی زبان پر بھی رواں ہے اس لئے اردو میں داخل کیا گیا، اس کا حال 'خنجر' کا سا ہے جیسے فصحا 'لشکر' کے وزن پر ادا کرتے ہیں۔ اور جو شخص ان دو لفظوں سے پرہیز کرے وہ اردو دانوں کے محکمے میں ماخوذ نہیں ہوگا - پچاسی حرف اردو کے تہجی کے کیا تھوڑے ہیں -

— * —

باب دوم

—*—

دہلی کے مختلف فرقوں اور محلوں کی زبان

پہلی فصل

مختلف فرقوں کی زبان

—*—

بعضے ہندو فرقے اور ان کی زبان

تمیز داروں سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ بول چال اور کھانے پہننے کا سلیقہ ہندؤں نے مسلمانوں سے سیکھا ہے، ان کا قول و فعل کسی مقام پر معتبر نہیں ہوسکتا - یہ لوگ جو شاہ جہان آباد میں رہتے ہیں دو گروہوں پر منقسم ہیں یعنی بعضوں کو

مسلمانوں کی صحبت ملی اور بعضوں کو نہیں - یہ لوگ الفاظ 'دیا' اور 'کرپا' بمعنی مہربانی اور رِچّھا (بالکسر) بمعنی نگہبانی اور 'گراس' نوالہ کی جگہہ بولتے ہیں لیکن یہ اُن لوگوں سے مخصوص ہے جن کی اصل پنجاب سے ہے- اور 'چاچا' (باپ کا چھوٹا بھائی) 'تایا' (باپ کا بڑا بھائی)' 'ماما' (ماں کا بھائی)' 'مامی' (ماں کے بھائی کی بیوی)' 'ماسی' (ماں کی بہن)' 'پھوّا' (باپ کی بہن)' 'جیجا' (بہنوئی)' دھا (دایہ)' دھادرا (دایہ کا شوہر) بولتے ہیں - اور پکے ہوے گوشت کی تمام اقسام کو 'قلیہ' کہتے ہیں - کھانا نکالنے کو 'پروسنا' اور گاؤ مادہ کو 'گئو' بولتے ہیں - اور مسکین آدمی کو بے 'زبان' 'آزار کو 'ھتھیا' و زاہد کو 'بھگت' زرگر کو 'سنارا' 'نکلا' کی جگہہ 'نکسا' بولتے ہیں' علی ہذالقیاس - دوسرا فرقہ بازار کو 'بزار' اور 'بجار' یا دزن [بادکش] کو پنکھا کہتے ہیں - باپ کو لالا کہتے ہیں - اُن کا معمول یہ نہیں کہ بیٹا صبح باپ کو سلام کرے یا گفتگو کے وقت اس کی تعظیم کا لحاظ رکھے بلکہ مکالمے کے وقت ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جس سے وہ بات کر رہا ہے وہ کوئی ذلیل نوکر ہے - یہ لوگ دیوار کو

کپڑھ بولتے ھیں - یہ الفاظ اُن لوگوں کی زبان کے ھیں جن کی اصل پنجاب سے ھے یعنی لاھور، امن آباد [ایمن آباد] ، کلانور، پٹیالہ، سودھرا، پر سرور [پسرور] ، راھوں، نکودر، کادی، با جھیان، بھلوال اور کپور تھلہ سے آے ھیں - خاص کر کپڑے کے دلال اپنے ھی نام کو بلا تشدید بولتے ھیں اور دستار کو 'پگ' کہتے ھیں - اور جب یہ آپس میں لڑتے ھیں تو اپنی پگڑی اُتار کر بغل میں مار لیتے ھیں اور دھائی دینے لگتے ھیں ، اور اپنے زعم میں مقابل کو ڈراتے ھیں - اور شاہ جہاں آباد کے شریفوں پر ظاھر کرتے ھیں کہ مغل بچوں کی مائیں ھر صبح اپنے لڑکوں کو یہ نصیحت کرتی ھیں کہ بیٹا تم جس سے چاھو لڑو لیکن دلال بچوں کے ساتھہ ٹھیک رھنا کہ وہ بد بلا ھیں - اس فرقے کا روز مرہ ھندی میں ایسا ھے جیسا خراسان والوں کا فارسی میں —

چُنیا مل دلال کی زبان

چُنیا مل ایک دلال تھا وہ شاہ جہاں آباد سے فیض آباد گیا - وھاں پہنچنے کے دوسرے دن وہ خوشحال راے جوھری سے ملنے گیا - اِس نے اُس کو دلال کا لڑکا جان کر حلوے اور لُچئی پوری سے تواضع کی اور چلتے وقت اُسے چار پیسے بازار کی سیر کے لئے دیے - چُنیا مل

جب شاہ جہان آباد واپس آیا تو اُسے یاروں نے گھیر لیا اور خوشحال راے کا حال دریافت کرنے لگے - چُنیامل اپنی گردن یکایک اوپر کو تان کر اس طرح گرم سخن ہوا :-

" ڈُھسالی چوھری کی پھپھجی باد (فیض آباد) میں ایسی بنی کہ ایسی کسی کی نہ بنی ہو ؛ ڈوڈھی پر خپریل وچ خپریل دے ستارے دی ھت ڈھری کے اندر بھی کدوا ؛ کدوے کے منھہ اوپر و ڈا لکڑا ؛ ھور شٹی (سٹی) بھی ایسا کہ ایسا کوئی بھی نہ ھوگا - مجھے دیکھتے ھی باگ باگ (باغ باغ) ھوگیا ؛ ھور دُسی گھڑی چھ پیسے آدمی کو دیے کہ چُنیامل کے واسطے پوریاں ھور موھن بھوگ تو جاکے لاو ؛ اور اُس کے آوتے آوتے تاکر دھیلے کی گاجراں ھور دھیلے کا چتّا گُڑ لے کے دیا کہ جب تک وہ آوتا رھے اس کے آوتے توڑی منھہ تو جھٹالو رب چلگا چوکری تاں اُس نے بھی تو غرما غرم لوچیاں ھور کچوریاں ھور موھن بھوگ ڈھیر سا لاو کے میرے آگے رکھہ دیا ؛

میں نے گھا کے کرولی کرکے کہا کہ میں
هلّز [اب] جاتا هوں ' سن کے بچارے نے
چار پیسے کھیسے میں سے کڈھ کے دئیے کہ اسدا
کچھہ بجارسے لے کے منھہ وچ ڈال دے جانا - "

اس عبارت کی شرح یہ ھے کہ قایل نے ترخیم کے قاعدے سے خوش حال راے کو خوش حالی کہا لیکن بوجہ بیعلمی کے صحت تلفظ پر قادر نہ تھا ' کُھسالی ' کہہ گیا ' فیض آباد کو بگاڑ کر پھیج آباد [بلکہ پھیجی باد] کہہ گیا ' یہ زبان شہر کے عوام اور اکثر جاهلوں کی ھے لیکن دلال لوگ الف کو یائے مجہول سے امالہ کے قاعدے کی طرح بدل دیتے هیں - ڈوڈهی یعنی ڈیوڑهی - کھپریل کے بدلے خپریل کہا گیا جیسا کہ پورب اور دوسرے جنوبی قصبوں میں رواج ھے ' وچ (واؤ مکسور اور جیم فارسی مشدد) کے معنی درمیان - کنوان (همزہ یعنی واؤ کی تشدید کے ساتھہ) - اوپّر (پ کی تشدید کے ساتھہ) ' وڈّا (ڈ مشدد) ' بڑا ' کے معنی میں ' لکڑا (کاف مشدد) بڑی لکڑی ' هور (واؤ مجہول) معنی اور ' دوسرا ' شندی بجائے سنتی ' چھے (یائے مجہول) چھہ ' تاکر * (تک) ' گاجراں یعنی گاجریں ' چتّا

* پنجابی میں ڈیکر بولتے هیں (یائے معروف کے ساتھہ) - (مترجم)

بمعنی سفید ' ' لگ ' بمعنی تک - ' توڑی مرادف لگ ' (وقت اور مکان کی انتہا) - ' جھٹالو ' یعنی ناشتہ کرلو - ' چنگا ' بمعنی اچھا † ' خوب - ' تاں ' بمعنی تو ' نہ تو - ' غرما غرم ' بمعنی گرما گرم - ڈھیر سا ' بمعنی مانند انبار [بہت] - ' آگے ' [سامنے] - ' رکھہ دیا ' چن دیا - ' کُروای ' [کُلی] ' منہہ صاف کرنے کے لئے پانی منہہ میں لے کر پھرانا اور پھر پھینک دینا - ' ھن ' اصل میں ھنوز تھا ' معنی اب - ' کڈہ کے ' معنی نکال کر - دا ' کا کے بدلے کہا گیا - دی بجائے کی ' جیسے فلانے کا بیٹا ' اور فلانے کی بیٹی ' کی جگہ پنجابی کہتے ھیں فلانے دا بیٹا اور فلانے دی بیٹی - ' ڈال دے جانا ' بجائے ڈالتے جانا —

دلالوں کے لہجے میں جانا کا جانڑا بن جاتا ھے - یہ لوگ زنگارکو ' زنگال ' اور ' جنگال ' اور ' زنگار ' بھی بولتے ھیں ' تینوں صورتوں میں حرف اول نون کے ساتھہ ایک ھوکر لفظ کو چہار کا وزن دیتا ہے - ' شنگرف ' کو بھی جس کا یہی وزن ھے شنگرف (رائے مفتوح) مسطر کے وزن پر بولتے ھیں - پس اس فرقے کے تلفظ کے مطابق ھندی

† اردو میں چنگا اور چٹا بطور توابع مستعمل ھیں ' جیسے گورا چٹا آدمی ' اب وہ بولا چنگا ھے - پنجابی کی طرح الگ نہیں بولے جاتے - (مترجم)

زبان کے حروف اٹھا سی ہوے ' اگرچہ یہ لوگ پنجابی الاصل ہیں اور ان کی زبان غیر معتبر ہے لیکن چونکہ شہر کے بعضے ان پڑہ لوگ بھی یہ الفاظ ان کی زبان سے سنتے ہیں اور وہی حروف اور حرکات استعمال کرتے ہیں اور ان کی زبان اور پہلو سے درست ہے اس واسطے ان کو اردو میں داخل کرسکتے ہیں بخلاف ان لفظوں کے جو چنیامل کے قول میں مذکور ہوے - جو شخص ان دونوں الفاظ یعنی 'زنگار' بروزن چہار اور 'شنگرف' بروزن مسطر سے منکر ہے اس نے اپنی اردو کی درستی کے باوجود شاہ جہان آباد نہیں دیکھا ہے وہاں پیدا ہونے کا تو ذکر ہی کیا - کیونکہ دوسرے شہر میں اپنے والدین اور دوسرے ہم شہروں کے لہجے سے اردو سیکھہ لینی آسان ہے —

کھیلوں کے نام اور فقرے

لیکن بعضے الفاظ اور کھیل ایسے ہیں جو ایک شخص کے شہر شاہ جہان آباد میں پیدا ہونے کے ساتھہ خصوصیت رکھتے ہیں جیسے :- ' چندول گدا گر بول ' (ایک کھیل کا نام) '' کاتھہ کٹوّل بانسلی بھنبیری میرا نانوٗ ' — ' کالی پیلی تلو ' (واؤ مجہول) ' تلو اس سیدھے خط کو کہتے ہیں جو قلم یا انگلی وغیرہ سے دیوار پر کھینچتے ہیں

'چنڈر چھپوّل' یہ کھیل ھندوستان میں ولایت سے * آیا ھے' فارسی میں اس کا اور نام ھے - گھور گھنڈے چوڑھے للڈے (ھر سہ یاے مجہول)- مونگ چنا ڈگڈ وڈی ڈو' (جوان آدمی چھوٹے بچوں سے یہ کھیل کھیلتےھیں)- چھلاّ چھپوّل' یہ کھیل بھی ولایت سے آیا جیسے فارسی میں " انگشتری بازی " کہتے ھیں - اس کا رواج اور شہروں میں بھی ھے' لیکن وھاں یہ کھیل شاہ جہاں آباد ھی سے پہنچا ھے' اس لئے کہ خوش باش لوگوں کے بزرگ شاہ جہان آباد یا ولایت یا حضرت کشمیر سے آے ھیں - ان تینوں صورتوں میں اردو کی صحت ثابت ھے لیکن بعضی چیزوں کی انھیں خبر نہیں' جو لوگ شاہ جہان آباد میں پیدا ھوے ان کی نسبت تامّل کا موقع نہیں -

مغلوں کی اولاد ایک مغل یا تو ایک ھندوستانی عورت کرے گا یا کسی لونڈی کو گھر ڈال لے گا' اور وہ اپنے ھم کفوؤں میں رھے گا - اس صورت میں جب لڑکا پیدا ھوگا تو دایہ بھی مغلانی یا سیدانی ھوگی' پس جس وقت بچہ بولنے لگے گا تو دایہ کو 'انّا' اور ماں کو 'امّا جان' اور بہن کو 'باجی صاحب' یا 'باجی جان' یا 'آپا جان'

* مصنف کے زمانے میں ولایت سے مراد ایران تھی' اب ولایت کا مفہوم انگلستان یا یورپ ھے - (مترجم)

کہے گا - اور یونہی رفتہ رفتہ اچھی طرح زبان سیکھے گا - خواجہ محمد لیث کشمیری بھی مجبور ہے کہ اس کا نکاح میر محمد مقیم کی بیٹی سے ہوا جو دہلی کی رہنے والی ہے اور جو لڑکا اس سے ہوگا اس کی وجاہت شبہ سے مبرا ہے [اردو کی صحت کے اعتبار سے] -

کشمیریوں اور پوربیوں کی اردو	اور اسی طرح کشمیر کے گورے پن اور ہندوستان کے سانولے پن نے

مل جل کر ایک عجیب رنگ پیدا کیا ہے کہ خدا کی پناہ! کونسے فتنے تھے جو اس 'زانگلو' حسن نے نہیں اٹھائے - 'زانگلو' اس لڑکے یا لڑکی کو کہتے ہیں جس کا باپ کشمیر کی اور ماں دہلی کی پیدائش ہو - ان باتوں کو پورب کے آدمی نہیں جانتے اور یہ پورب میں پیدا ہونے کے باوجود پوربی نہیں ہے - باوجود یکہ 'آنکھ مچول' کا رواج لکھنؤ میں بہت ہے لیکن ابھی تک پوربیئے 'آنکھ مچوقا' ہی بولتے ہیں اور 'آنکھ میچنا' کیونکہ شاہ جہان آباد اور لکھنؤ دونوں شہروں میں آنکھ بند کرنا معنی رکھتا ہے 'آنکھ موچنا' کہتے ہیں - حاصل کلام یہ کہ شاہ جہان آباد کے دلال ان تمام خرابیوں کے باوجود اور شہروں کے ہندوؤں بلکہ مسلمانوں سے بھی زیادہ فصیح ہیں - ان کے لہجے سے شاہ جہان آباد کی بود و باش ٹپکتی ہے -

مسلمانوں کی زبان

اس طول کلام کا مطلب یہ ہے کہ محاورۂ اردو سے اہل اسلام کی زبان مراد ہے - لیکن اس صفت میں بھی بہت اختلاف ہے - سارے شہر کی زبان کو فصیح نہیں کہہ سکتے - لیکن یہ ضرور ہے کہ وہاں کے بازاری بھی بول چال میں مقابلتاً اور شہروں کے شریفوں اور ثقات سے بہتر ہیں —

مغلپورہ والوں کی زبان

اور جس شخص نے شاہ جہان آباد میں فصاحت کا مذاق حاصل کیا ہے اس پر چھپا ہوا نہیں ہے کہ مغل پورہ جو شاہ جہان آباد کے بڑے محلوں میں سے ہے وہاں رہنے والوں کی زبان اردو کے روز مرہ اور پنجاب کے روز مرہ سے گڈ مڈ ہے - چنانچہ لفظ 'پنجاب' ہی کو دیکھئے اس لفظ کے بولنے میں نون کو 'پ' میں غایب کردیتے ہیں [یعنی 'نقاب' کے وزن پر بول جاتے ہیں بجائے اس کے کہ 'هنگام' کے وزن پر بولتے جو صحیح تلفظ ہے]- یہ لوگ 'لاهور' کو 'لہور' بولتے ہیں اور 'قطعہ' اگرچہ لغت میں بالکسر ہے لیکن اردو کے خلاف وہ لوگ قطعہ نہیں قِطعہ ہی بولتے ہیں - 'قبل' کو قِبل بکسر قاف ادا کرتے ہیں - اور بعضے پنجاب کے ہندوؤں کی طرح ہر لفظ کو جس میں 'قاف' ہو 'کاف' سے بولتے ہیں جیسے 'قبلہ' کو 'کبلہ' اور 'قطعہ' کو 'کطعہ'۔

اور طے کرنا [یا گزرنا] کی جگھہ ' للگھنا ' 'ویسا ' کے بدلے آوسا ' بولتے ھیں ' اور 'جوگا ' کافی کے معنی میں بولتے ھیں جیسے " میرے جوگا " یعنی میرے لایق- 'گیارہ' کو 'یارھاں' اور 'بیالیس' کو 'ب' کے زیر کےساتھہ بولتے ھیں [بیالیس کو 'بتالیس' بھی بولتے ھیں] ڈونا جو بالفتحہ ھے ڈونا (واؤ مجہول) کہتے ھیں - اور سبزی فروش یعنی کُنجڑے کو 'ارائیں' کہتے ھیں - چھپ جانا میں 'چ' پر پیش لگاتےھیں اور مطلَق کو مطلُق (لام پر ضمہ) کہتے ھیں زبر کی جگہ پیش ان کے ھاں بہت مستعمل ھے - جانور کو کہ اکثر اصحاب بغیر الف کے جنور بولتے ھیں یا 'جناور' بول جاتے ھیں - 'سب نے' کے بدلے "سبھوں نے" 'تلواریں' کی جگہ 'تلواراں' 'لگائیں' کی جگہ 'لگائیاں' "تھیں' کی جگہ 'تھیاں" جیسے اس جملہ میں :- "عورتیں بیٹھی تھیں" کو وہ کہیں گے "عورتاں بیٹھی تھیاں " اور میرے تئیں' تیرے تئیں ' ھمارے تئیں ' تمھارے تئیں ' اُس کے تئیں' اِس کے تئیں' اِن کے تئیں ' اُن کے تئیں' آپ کے تئیں' کے بدلے کہ اردو ھے اور فصحا ان کی بجائے مجھے' تجھے' ھمیں ' تمھیں ' اسے' اُسے' اُنھیں ' اِنھیں ' آپ کو بولتے ھیں مغل پورہ والے بولتے ھیں مجھہ تئیں' تجھہ تئیں' ھم تئیں ' تم تئیں ' اِس تئیں اُس تئیں ' اِن تئیں ' اُن تئیں ' آپ تئیں ' اور بجائے

میری طرف، تیری طرف، تمہاری طرف، اِن کی طرف، اُن کی طرف، اِس کی طرف، اُس کی طرف، آپ کی طرف کے مجھہ طرف، تجھہ طرف، ہم طرف، تم طرف، اُن طرف اِس طرف، اُس طرف، آپ طرف بولتے ہیں - اس کے علاوہ کی جو حرف اضافت ہے اسے حذف کر جاتے ہیں جیسے پورب کی طرف کی جگہ پورب طرف، اور دلی کی طرف کی جگہ دلی طرف - اور ہندوؤں کی طرح باپ کے چھوٹے بھائی کو 'چاچا' کہتے ہیں - 'ھرگز' کو 'ھرگس' اور 'تک' کی جگہ 'تلک' بولتے ہیں - 'بندھا ھوا' میں نون کا اعلان کرتے ہیں [اسی طرح 'ہنسنا' میں] —

پرانی دلی کی خصوصیات اور شہر قدیم کے رہنے والے جس کا نام پرانا شہر ہے [پرانی دلی] 'اِدھر' کو 'ایدھر' 'اُدھر' کو 'اودھر' 'کدھر' کو 'کیدھر' کہتے ہیں - اور 'دھیرا' بروزن میدا بمعنی متوقف بولتے ہیں - اور 'پراتھا' کو 'پروتھا' کہتے ہیں - 'اور' (واؤ مجہول) بمعنی طرف اور 'بھچک' کی جگہ 'بھیبچک' بمعنی حیران اور 'میڈھہ' بروزن شیر بجائے 'مینڈھ' کے بولتے ہیں - اور تئیں کی جگہ 'تکوں' 'جانے والا' کی جگہ 'جانے ھارا' بولتے ہیں، یہ لفظ اُن کی صحبت سے نئے شہر والے بھی بولتے ہیں* - اور فرماتا ہے، جاتا ہے، کہتا ہے

* نئے شہر والوں نے اس لفظ میں کچھہ تصرف بھی کیا ہے - یعنی وہ جانے ھارا کی جگہ جانہار بولتے ہیں - جیسے ھونہار وغیرہ - (مترجم) —

کی جگہ فرمایتا ھے، جایتا ھے ' کہتا ھے کہتے ھیں بلکہ مضارع اور حال کے ہر صیغے پر بھی آفت توڑتے ھیں —

سید انشا کی ملاقات مرزا جان جاناں مظہر سے

جس زمانے میں کہ راقم اپنے والد مرحوم کے ساتھہ دارالخلافہ [دھلی] میں تھا جناب فیض مآب مرزا صاحب علیہ الرحمتہ مرزا جان جاناں مظہر تخلص کی فصاحت اور بلاغت کی شہرت بے حد سننے میں آتی تھی - دل اور آنکھہ میں کشمکش ھونے لگی کہ کیوں میرزا صاحب کے دیدار سے محروم رھوں اور ان بزرگ کے کلام معجز نظام میں جو لایزال لذت اور روحانی مٹھاس ھے اُس سے کیوں باز رکھا جاے - آخر کار میں نے اصلاح بنوائی ' ڈھاکہ کی ململ کا جامہ * پہنا ' سرخ رنگ کا چیرہ سر پر باندھا ' اور کپڑے بھی اسی قبیل سے تھے ' ایک کٹار پٹکے میں اُڑسا - اس ھئیت سے ھاتھی پر سوار ھوکر اُن کی خدمت میں حاضر ھوا - موصوف جامع مسجد کے متصل ایک بالاخانہ پر رھتے تھے جو اُن کے لئے کیول رام بانیہ نے بنوایا تھا - جب میں اوپر پہنچا تو دیکھا کہ جناب ممدوح پیرھن اور سفید ٹوپی پہنے اور کندھوں پر ناسپالی

---

* ایک پوشاک کا نام ھے جو پہلے دربار‌ی لباس میں شامل تھی - اب اھل ھنود میں (سرخ رنگ کا) اکثر نوشہ کو پہناتے ھیں ' انگرکھا جامہ کی مانند اور اصلاح شدہ شکل ھے (مترجم) —

رنگ کے دوپٹے کا سموسہ بنا کر ڈالے ہوے بیٹھے ہیں - میں نے نہایت ادب سے سلام عرض کیا' بڑی شفقت اور خوش اخلاقی سے جیسا کہ بزرگوں کا دستور ہے سلام کا جواب دیتے ہوے کھڑے ہوگئے اور مجھہ نالایق کے سر کو بغل میں لے کر اپنے پہلو میں بٹھالیا - میں نے عرض کیا :-

" ابتداے سن صبا [لڑکپن] تا اوایل ریعان [نوجوانی] اور اوایل ریعان سے الی الآن [اب تک] اشتیاق مالا یطاق تقبیل عتبۂ عالیہ نہ بہ حدے تھا کہ سلک تحریر و تقریر میں منتظم ہوسکے لہذا بے واسطہ ووسیلہ حاضر ہوا ہوں " —

آپ نے ارشاد کیا کہ :-

" اپنے تکوں بھی بدو طفلی سے تمہیں سے اشخاص کے ساتھہ موانست ومجالست رہا کی ہے " -

عام کشمیریوں کی زبان

ایک اور محلے میں جہاں زیادہ تر کشمیریوں کی اولاد رہتی ہے اور جن کو شاہ جہان آباد کے فصیح لوگوں کی صحبت نصیب نہیں ہوئی ہے وہاں کے لوگوں میں نون غنہ کے اعلان کا بہت رواج ہے اور وہ مضاف مضاف الیہ میں

'کو' بڑھا دیتے ھیں - یہ ایزادی اردو میں جا و بیجا کرتے ھیں - ضمیر متکلم و حاضر کو مضاف الیہ بنانے کے سوا 'کا' یا 'کی' جیسی کہ جنس کی حالت ھو ملانے کا قاعدہ ھے جیسے 'میرا بیٹا' 'تیرا بیٹا' اور غایب کے لئے 'کا' اور 'کی' جیسے 'زید کا بیٹا' 'عمر کی بیٹی' - مگر یہ لوگ یعنی فرزندان کشمیر 'کا' اور 'کی' کے بدلے 'کو' استعمال کرتے ھیں (واؤ مجہول سے) - بہر حال ایسے مقام میں تو مضاف الیہ کے درمیان ایک رابطہ کی ضرورت ھے لیکن یہ اصحاب جہاں رابطہ کی ضرورت نہ ھو وھاں بھی یہی لفظ [کو] استعمال کر جاتے ھیں - اس کی شہادت میں کاظم جیو سوداگر کے بیٹے میرزا لطف علی کا کلام ھے وہ ایک روز کہتے تھے کہ :-

" کسی کے گھر میں ایک بیٹی ھوتی ھے تو اس کو مارے فکر کے نیند نہیں آتی - مجھہ کو تو تین تین بیٹی ھیں ' کیا کروں ' چار پہر رات مارے اندیشہ کے شیخ سعدی کی گلستان پڑھا کرتا ھوں - بھلا صاحبو جس کو تین بیٹیاں ھوں وہ گلستان پڑہ کے جی نہ بہلاے تو کیا کرے " -

ان کی زبان سے گلستان نون کے اعلان کے ساتھہ

نکلتا تھا اور 'فریاد کرنا' کو 'فریاد کھانا' بولتے تھے یعنی :- "فلانے نے نواب صاحب کے پاس میری فریاد کھائی" - اور لفظ 'فلانے' کو اهل اردو کے خلاف یائے معروف سے بولتے تھے - اس کی وجہ یہ کہ یہ لوگ مذکر کی جگہ یائے مجہول اور مونث کی جگہ یائے معروف بولتے هیں- مثلاً "فلا نے آدمی نے همیں بہت عاجز کیا ہے" - اور "فلانی رنڈی نے بڑا اودهم مچایا ہے" - اور 'کروں گا' کی جگہ جو کہ 'خواهم کرد' کا ترجمہ ہے "چاهتا هوں کرنا" ، اور چاهوں گا کرنا' ان لوگوں کی زبان پر ہے - 'نہ' جو کلمۂ نفی ہے اس کی جگہ ان کی زبان پر 'مت' بہت چڑھا هوا ہے ' جیسے اس عبارت میں :- "اس کام کو مت کرنا چاهئے" - اور 'میوائی' کی جگہ 'میوایتی' 'ی' کی زیادتی کے ساتھ بولتے هیں اور 'پہنچا' کو 'پونچھا' کہتے هیں- قصہ مختصر اس محلے میں فعل ماضی کی جگہ مصدر استعمال کرنے کی بھی ان کی عادت ہے ' "ان سے پانچ روپیہ لیا چاهئے" کے بدلے کہیں گے "ان سے پانچ روپیہ لینا چاهئے" - اور فارسی میں شنیدن کی جگہ فہمیدن اور هندی میں 'سننا' کے بدلے 'سمجھنا' اس جماعت کی زبان ہے - یعنی ' "اگر مرزا رفیع کی غزل کوئی 'سمجھو' تو میں پڑھوں" -

سادات بارھہ کے محلے کی زبان جس محلے میں سادات بارھہ رہتے ہیں اور بیاھے گئے ہیں اور دستار فضیلت حاصل کی ہے وہاں بیچاری اردو کے سر پر ہمیشہ بلا نازل ہوتی رہتی ہے۔ 'کو' جو علامت مفعول ہے اس کے واو کو مجہول سے معروف بدلا دیتے ہیں۔ یہ لفظ 'کو' واؤ معروف کے ساتھہ 'میرسوز' کی ایک غزل میں ردیف بن کر بیٹھا ہے' لیکن وہ اس میں مجبور تھے کیوں کہ یہی 'کو' فارسی لباس میں 'کہاں' کے معنی بھی دیتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ واؤ معروف کے ساتھہ اس شہر قدیم کے لوگوں کی زبان ہوگا' لیکن اب چونکہ بیشتر اہل شہر اس لفظ کو واؤ مجہول سے اور باہر والے (بیرونی) واؤ معروف سے بولتے ہیں اس لیے واؤ معروف کے ساتھہ اردو میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی شاہ جہان آباد کی سر زمین کا فیض ہے کہ کلمہ کے آخر سے نون غنہ کا دم چھلّا اڑ گیا ورنہ ان کے [سادات بارھہ کے] پُراتم بزرگ جو اپنے وطن ہی میں رہے 'کو' کو 'کوں' بولتے ہیں۔ یہ عبارت ملاحظہ ہو :—

"اُس چھورے کوں میں نے کتراں (کتنا)
کہا کہ مجھہ سوں (سے) نہ بولا کر دونو
ٹانگاں ماں (میں) سر کر دوں گا' اپ توں

(تک) آپڑے [اپنے] اوپر بدنامی نہیں آئی
کہیں بار ہے ما [میں] ہمیں بدنام نہ کرنا" -

یہ لوگ 'یہ' (اشارۂ قریب) کی جگہ 'یو' (واؤ مجہول) بولتے ہیں —

افغانوں کی زبان

اسی طرح بعضے محلوں میں جہاں دارالخلافہ کے قریب کے قصبوں کے لوگ آکر بس گئے ہیں ان کی اولاد عجیب و غریب الفاظ بولتی ہے - چنانچہ افغانوں کے محلہ میں 'پیارا' کو جس میں 'پ' اور 'ی' کی آوازیں ایک ہوگئی ہیں 'ی' کے اعلان کے ساتھ [اِجارہ کے وزن پر] بولتے ہیں' لفظ 'بیش' جس کے معنی فارسی میں 'زیادہ' ہیں 'اچھے' کے معنی میں استعمال کرتے ہیں* - 'جروا' بمعنی رنڈی 'مَرا' بجاے موا' 'کھٹیا' بجاے چارپائی 'آگی بجاے آگ اور بھنگی بجاے حلال خور بولتے ہیں —

اور باہر کے آے ہوے لوگ

اسی طرح اور محلوں کے رہنے والے جلھوں نے اپنے والدین سے زبان سیکھی ہے اور بعضوں کی زبان فرید آباد اُٹک' سونی پت اور میرٹھہ کی ہے یہ لوگ اپنی زبان اور اُردو کو گڈمڈ کردیتے ہیں - ولٰلہ کہ ان کی گفتگو بعینہ

* بنگالی بھی اسی معنی میں اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں - (مترجم)

اس جانور کی شبیہہ ہوتی ہے جس کا چہرہ تو انسان کا ہو اور باقی جسم گدھے کا، یا آدھا ہرن اور آدھا کتا ہو۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات معاش کی تلاش میں جب اور شہروں میں جاتے ہیں تو اپنے کو شاہ جہان آبادی اعلان کرتے ہیں اور اُن قصبوں کے رہنے والے اِن کے الفاظ کو اپنی اردو دانی کا سرمایہ جان کر اپنے ہمسایوں کو جو اِن حضرات کی صحبت سے مستفید نہیں ہوے گنوار خیال کرتے ہیں، اور جو لفظ ان کے یاد کرلیتے ہیں وہ ہندوستانیوں کی صحبت میں استعمال کرتے ہیں، یا شعروں کے قافیہ میں صرف کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی بے تکلفی سے کہہ اٹھے کہ یہ لفظ تو اُردو نہیں ہے تو وہیں چہرہ بھبکا کر اور آنکھہ دکھا کر فرماتے ہیں کہ اہل زبان سے یہی سننے میں آیا ہے۔ فلاں میر صاحب یا فلاں شیخ صاحب جو شاہ جہان آباد کے رہنے والے افصح الفصحا ہیں اسی طرح بولتے ہیں۔ یہی بیچارے شاہ جہان آبادی ہونے کے مدعی نہیں اور لوگ بھی اس مالیخولیا میں گرفتار ہیں۔

پنجابی آیند و روند بعضے پنجابی جو تجارتی مال لے کر لاہور یا سیالکوٹ وغیرہ شہروں سے کبھی کبھی شاہ جہان آباد میں آتے ہیں اور تین چار

یا نہایت چھہ مہینے سے زیادہ یہاں نہیں تھیرتے جب اپنے وطن کو واپس جاتے ہیں تو اپنے شہر والوں کو پنجابی اور اپنے آپ کو شاہ جہاں آبادی جان کر اُن کی زبان پر حرفگیری کرتے ہیں جیسا کہ کہا ہے : ع - خرس در کوہ بو علی سینا است - اپنے مجمعوں میں بیٹھہ کر کہتے ہیں کہ شاہ جہان آباد میں کوئی بھی یہ لباس نہیں پہنتا نہ یہ لفظ بولتا ہے -

پور بیے | یہی حال پوربیوں کا ہے - ان میں سے بعضے اصحاب جو نجف علی خاں مرحوم کے زمانے میں شاہ جہان آباد آے کبھی ایک مہینا، کبھی دو مہینے اور کبھی چھہ مہینے تو شہر میں تھیرے اور زیادہ تر اطراف میں یعنی متھرا، ڈیگ [علاقہ بھرت پور] اور برج و میوات کے دوسرے قصبوں میں گھومتے رہے اور مدت العمر رہے لکھنؤ یا الہ آباد، سندیلہ اور مانک پور وغیرہ پورب کے قصبوں میں لیکن لکھنؤ میں مل جاتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ اس ملک میں ہم لوگوں کو کوئی نہیں جانتا، یہاں کے باشندے بخلاف شاہ جہان آباد والوں کے سخت بے رحم اور بے مروت ہیں، قسم ہے امیر المومنین کی کہ جو با مروت ہم نے اپنے شہر میں دیکھے ویسے اور جگہہ نہیں ملے، نہ معلوم اللہ نے کیوں ہمارے

شہر سے ہم کو بدر کردیا اور یہاں پورب میں لا پھینکا، نہ یہاں کسی کی زبان درست ہے، نہ کسی کی بول چال وہاں والوں کی سی [یعنی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دھلی کے ہیں] - جس وقت کہ یہ پنجابی اور پوربیے ان چند مہینوں کے قیام کے بعد شاہ جہاں آبادی بن کر اور اپنا مال باندھ بوندھ کر اپنے رستے لگتے ہیں تو فرقۂ اول جس کی پیدایش اتفاق سے دھلی میں ہوئی اس نے کیا گناہ کیا ہے کہ شاہ جہان آبادی ہونے کا فخر نہ کرے اور اپنے تئیں اُردو داں نہ مشہور کرے - یہ لوگ 'کو' (واؤ معروف) اور 'یہ' کی جگہہ یا تو 'یَہ' (ی مفتوح) بولیں گے یا 'یو' (واؤ مجہول) - بہر حال یہ لوگ پورب والوں سے بہتر ہیں —

فصاحت کس کا حصہ ہے

خلاصہ یہ کہ صاحب کمال جانتے ہیں کہ الفاظ مذکور یعنی 'کو' اور 'یو' اور 'یَہ' بعضے مضافات دھلی کی زبان ہے - چونکہ وہاں کے لوگوں کی اولاد نے ماں باپ کی زبان سے یہ لفظ سنے ہیں اس لیے شاہ جہان آباد میں پیدا ہونے کے باوجود وہ اپنے والدین کی زبان اور شاہ جہان آباد کی زبان میں تمیز نہیں کر سکتے - چونکہ دارالخلافہ کا قرب ان مقامات کے باشندوں کی اردو کی صحت پر دلالت نہیں کرتا

اس لیے شاہ جہان آبادیوں کے لیکھے وہ بمنزلہ دھاتیوں کے ہیں —

لہذا ثابت ہوا کہ دھلی میں بھی فصاحت اور بلاغت ہر کسی کا حصہ نہیں ' بلکہ معدود اشخاص پر منحصر ہے ' راقم کی تحقیق یہ ہے کہ ہر محلے میں ایک نہ ایک فصیح موجود ہے ' بعضی جگہہ دو اور بعضی جگہہ تین اور بعضی جگہہ چار اور اسی طرح سے فصیح رہتے ہیں ' شاید کوئی محلہ اہل فصاحت سے خالی ہو ' لیکن اکثر ایسا ہی ہے - پس قرار داد اکثر پر قایم کی کی جاتی ہے اقل پر نہیں -

فصیحوں کے مجمعے

لیکن وہ مقامات جہاں فصیحوں کا مجمع ہے یہ ہیں:- قلعۂ مبارک بادشاہی ' اور دو محلے اور ایک بنگلہ سید فیروز یعنی مرزا اکم مرثیہ خواں متوفی کے گھر سے اسمعیل خاں صفدر جنگی کی حویلی تک اور وھاں سے ملکۂ آفاق حضرت ملکۂ زمانیہ بنت فرخ سیر بادشاہ کی حویلی تک جیسے ایک ضلع سمجھنا چاھیے بلکہ بعضوں کے نزدیک کابلی دروازہ اور اس کے باھر شاہ خدا یار کے تکیے تک ' اور اسی حصے میں نواب شبیر جنگ مرحوم اور چوک نواب سعادت خاں بہادر برھان الملک مغفور سے لے کر پھاتک حبش

خاں تک داخل ہے - لیکن اس میں ذرا تامل ہے - جس میں شک کی گنجایش نہیں وہ یہ مقام ہیں یعنی ملکہ آفاق کی حویلی تک فصاحت در و دیوار سے برستی ہے اور چتلی قبر سے ترکمان دروازہ تک ایک طرف اور دہلی دروازے تک (جسے دلی دروازہ کہتے ہیں) دوسری طرف - اور پھر چوک سعد اللہ خاں تک اور نواب امیر خاں مرحوم کا بازار اور حویلی اور سہ راہ بیرم خاں جو تراہہ کے نام سے مشہور ہے اور محلہ فولاد خاں اور کوچہ چیلاں جو دلی دروازہ کا ایک حصہ ہے' [یہ مقامات فصحا کا مجمع ہونے کا امتیاز رکھتے ہیں] -

— * —

تیسری فصل

فصاحت کے ارکان

فصاحت کی تعریف

اس بیان سے وقوف داروں اور داناؤں پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اردو کی فصاحت شاہ جہان آباد میں پیدا ہونے پر منحصر نہیں - کیونکہ فصاحت کی تعریف ہے ان تین چیزوں سے پاک ہونا [یعنی کلمۂ فصیح وہ ہے جس میں تین عیوب نہ ہوں] :-

(۱) 'تنافر حروف' جیسے 'اُلینڈنا' یعنی بڑے برتن سے چھوٹے برتن میں پانی ڈالنا [یا 'کانا' کو 'کانڑا' کہنا]-

(۲) 'غرابت لفظی' یعنی نامانوس اور غیر متعارف
الفاظ کا استعمال ؛ یعنی دکھنی ' بنگالی اور پہاڑی
الفاظ کو اُردو میں استعمال کرنا —

(۳) 'مخالفت قیاس لغوی' یعنی ایک لغت کا استعمال
خلاف قیاس کے کرنا ۔

تشریح تنافر و غرابت | خدا بخشے میرزا علی نقی 'محشر' مقتول نے کہا " پانی الینڈلو " ' اُردو ہے - " پانی نائے لو " پورب کی زبان ہے - میرزا قتیل نے جواب دیا کہ " پانی اُلینڈ لو " وہ لفظ ہے کہ شاہ جہان آباد کے شرفا اور عوام کے کان اُس سے آشنا نہیں اور " پانی نائے لو " پورب والوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا یا آپ سمجھتے ہیں - پس جو لفظ اهل اُردو کے سننے میں نہیں آیا اس کو اُردو کی عبارت میں لانا غرابت کا نقص عاید کرنا ہے اور فصاحت کے راستے سے بھٹک جانا ہے - اور ' کنکوّے ' کو ' تلنگہ ' کہنا بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ دہلی والوں کو اس اصطلاح کی خبر نہیں اور جناب [میرزا علی نقی] کی زبان پر جو یہ لفظ چڑھ گیا ہے وہ پورب والوں کی صحبت کا اثر ہے - [میرزا قتیل کا قول ختم - اب سید انشاء فرماتے ہیں] ' اُلینڈ لو ' میں اگرچہ دال ہندی (ڈ)

نے تنافر حروف پیدا کر دیا ہے لیکن یہ لفظ کثرت استعمال سے فصیح ہو گیا اور بعضے فصحا "اُلدیل او" بھی بولتے ہیں - مرزاے مرحوم (قتیلؔ) کے دل کو یہ بات نہ لگی اور وہ چپ رہے -

تشریح مخالفت

اس ضمن میں بنگالی زبان جو اُردو سے مخالفت رکھتی ہے نوٹ کے قابل ہے، وہ جب پانچ ہاتھیوں کو ایک جگہ دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں "پانچ ہاتھی کھڑی ہیں"، اور اگر وہ ہتنیاں ہوں تو کہینگے "پانچ ہتنی کھڑا ہے" - حالانکہ قیاس لغت کے موافق یہ کہنا ہے کہ پانچ ہاتھی کھڑے ہیں، اور پانچ ہتنیاں کھڑی ہیں - یہاں مخالفت قیاس دو وجوہ سے عاید ہوتی ہے ایک یہ کہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ فیل نر کے لئے مذکر اور فیل مادہ کے لئے مونث کا صیغہ لانا چاہئے، یہاں اس کے برعکس ہے- دوسرے یہ کہ کھڑا اور کھڑی دونوں مفرد ہیں اور "پانچ ہاتھی" صیغہ جمع چاہتا ہے - پس یہ کہنا موافق قیاس ہوگا کہ "پانچ ہاتھی کھڑے ہیں" - اور اردو میں یہی فصیح ہے، اگرچہ بنگالہ کی زبان میں اس کے خلاف بھی فصیح ہوگا، لیکن ہمارا روے سخن تو دارالخلافہ کی زبان کی طرف ہے -

یہاں تک جو مذکور ہوا اس کا تعلق کلمہ سے ہے اور کلمہ کہتے ایک با معنی مفرد لفظ کو۔ جیسے چاند سورج۔ اب فصاحت کلام کا ذکر آتا ہے۔

فصاحت کلام | جو کلام ان دو چیزوں سے پاک ہو وہ فصیح ہے یعنی :—

(۱) تنافر کلمات۔
(۲) تعقید۔

تنافر کلمات | اس سے یہ مطلب ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لانا کہ متکلم اس کے بیان میں خطا کرے یا دوسرے کلام کی طرح جلدی سے تمام نہ کر سکے؛ اس کی نظیر یہ دو عبارتیں ہیں :۔

" اونٹ کی پیٹھ کچھ اونٹ کی اونچائی
سے اونچی نہیں ہے' اونٹ کی پیٹھ کچھ
اونٹ کے ڈھانچ کی طرح قدرتی اونچی ہے "۔

" تم تو تو تو میں میں بے جا کرتے ہو'
میں تو تمہاری بات تین دن میں بھی
نہیں سمجھتا ' مجھے عبث ششدر میں
ڈال رکھا ہے "—

تعقید | تعقید دو قسم کی ہے ' لفظی اور معنوی ' تعقید لفظی' اسے کہتے ہیں کہ جو لفظ بعد

میں لانا چاہئے تھا اسے اول لے آنا اور اس کے برعکس۔
اس کی مثال :—

" آج لڑکے فیض آباد کو چنیامل ہیرانند
کے سالے کے لوگ کہتے ہیں کہ گئے " —

اگر اس طرح کہا جاتا تو فصیح ہوتا —

" لوگ کہتے ہیں کہ چنیامل ہیرانند کے
سالے کے لڑکے آج فیض آباد کو گئے " —

جب عبارت تخیل یا غیر مشہور قصے یا دوسری اشکالات پر مشتمل ہو تو کلام میں تعقید معنوی کا نقص آجاتا ھے جیسے:-

(الف) " کل گُنّا سبز دوپٹا اوڑھے بیٹھی تھی
مجھے دیکھہ کہنے لگی کہ میری طرف
دیکھا تو اندھا ہو جائے گا۔ میں نے کہا
میں کالا ناگ ہوں مجھہ سے
ڈرو۔ ھنسکر کہا دوپٹے کا رنگ تو
دیکھہ کہ کس طرح اندھا نہ ہو جائیگا "۔

(ب) " بلّو کی باتیں میلے کی تلوار سے
ھاتھی کے زینے پر کچھہ کم نہیں ھیں "۔

(ج) " کل دامڑی سے میں نے چاھا کہ
کچھہ کہوں اور بات بھول گیا '
صدقے جائیے بھول چوک کے " —

عبارت (الف) کے معنی یہ ہیں کہ سانپ زمرد کو دیکھ کر اندھا ہو جاتا ہے، محبوبہ [گنا نام ایک طوائف] کی طرف ثانی کو [اس کے قول کے مطابق] سانپ اور اپنے سبز دوپٹے کو زمرد ٹھیراتی ہے۔ (ب) کی تشریح یہ ہے کہ راجپوتانہ [مغربی] میں ایک قوم رہتی ہے جسے مینا کہتے ہیں ان کا پیشہ عموماً چوری اور ڈکیتی ہے۔ ایک فرد پر بھی اس نام کا اطلاق صحیح ہے اور ہاتھی کی سیڑھی پر مینے کا تلوار مارنا سے جواہر سنگھ خلف سورج مل جاٹ کے قتل کی طرف اشارہ ہے جو ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کے بعد اپنے ہاتھی پر معمولی سیڑھی پر سے سوار ہو رہا تھا کہ ایک مینے نے تلوار سے اس کو قتل کر دیا۔ عبارت (ج) کی تشریح یہ ہے کہ محبوبہ (داسری) میری بات سننے کے انتظار میں کھڑی تھی، مجھے وہ بات بھول گئی مگر وہ وہاں سے سرکی نہیں، میں اپنی بھول پر کیوں نہ قربان ہوں جس نے معشوقہ کو اتنی دیر میرے سامنے رکھا ٭ —

تصرف کی شان حاصل کلام یہ ہے کہ جس کا کلام ان عیبوں سے پاک ہو جو مانع فصاحت

٭ مطلب یہ کہ غیر مشہور قصوں اور تلمیحوں اور مبہم و دور از کار کنایوں سے کلام کی فصاحت کا خون ہوتا ہے، کلام کا جوہر یہ ہے کہ تم کہو اور سننے والا سمجھ جائے — (مترجم)

ہیں وہ شخص فصیح ہے، خواہ اس کی پیدائش شاہ جہاں آباد کی نہ بھی ہو- لیکن الفاظ میں شخص مذکور کا تصرف مقبول نہیں ہوگا کیونکہ اس شان کے حاصل کرنے کے لئے متکلم کے شاہ جہان آباد میں پیدا ہونے اور وہاں کے فصیحوں میں اعتبار حاصل کرنے کی شرط لازم ہے- پس اگر یہ بلند مرتبہ حاصل کرنے کے بعد کوئی محاورہ ایجاد کرے یا کسی لفظ میں معقول تصرف کرے تو غالب ہے کہ اسے قبول کیا جائے یا یہ کہ بعضے پسند کریں اور بعضے نہیں - ہر حالت میں ایسا شخص دہلی کے عوام سے زیادہ فصیح ہے -

—— * ——

تیسری فصل
خواص کے ذکر میں

لفظ اور لہجہ

اب ہم خواص کا ذکر کرتے ہیں، چونکہ اُن کی ترجیح اس شہر میں ولادت کے بغیر ثبوت کو نہیں پہنچتی اس لیے اگر کسی لفظ میں اس کا تصرف قبول کر لیا جائے تو تعجب نہیں- اور یاد رہے کہ اُردو سے صرف الفاظ اُردو ہی مراد نہیں اس میں لب و لہجہ بھی شریک ہے کہ یہ اُردو کی اصالت ہے- اس صورت میں جس کا اُردو کا لہجہ اور

لفظ دونوں درست ہوں وہ استاد کامل ہے۔ شاہ جہان آباد کے بعض باشندوں کا لہجہ صحیح ہے لیکن ان کے الفاظ صحیح نہیں، اور بعضے باہر والوں کے الفاظ تو دہلویوں کی صحبت میں درست ہو گئے لیکن لہجہ ندارد ہے۔ اور لہجے سے مراد ہے بولنے کے وقت متکلم کی آواز اور زبان کی گردش - اگر شاہ جہان آبادی عبارت میں پوربی اور پنجابی لفظ داخل نہ کرے تو محال ہے کہ اپنے شہر کا لہجہ کھو بیٹھے، اور دوسرے شہر کا رہنے والا اگر اُردو کی صحبت میں اپنی عمر گزار دے تو بھی ممکن نہیں کہ اپنے اصلی لہجے سے بچ سکے۔ دہلی کے باشندے کے کلام کی مثال :—

"مجھہ تئیں اس بات کی کیا خبر یہاں
کون کون رہتا ہے اور جانے میری بلا کہ کس
آیسی تیسی کا دوپٹہ اور دو روپے جاتے رہے
اور کون کافر بے پیر لے گیا، جس پر چوری
ثبوت ہو اس کی شوق سے ٹُپو اتارلو اور
مشکاں باندھ کر چابک لگاؤ "—

اس عبارت میں 'مجھہ تئیں' بجائے 'مجھے' 'ثبوت' بجائے 'ثابت' 'مُشکاں' بجائے 'مُشکیں' اور 'چابک' بجائے 'کوڑا' پنجابی ہے - چونکہ متکلم

کا لہجہ درست ہے اس لیے انہیں پنجابی نہیں کہہ سکتے۔ اس سے کیا ہوتا ہے کہ صحبت کی وجہ سے یہ الفاظ اس کے زبان آشنا ہوگئے اور وہ بے تامل بول گیا۔

پنجابی کا لہجہ | پنجابی وہ شخص ہے جو اُردو کے لفظوں کو اپنے لہجے سے پنجابی بنا لیتا ہے'

یعنی مجبور ہے کہ خبر [مفتوح الاوسط] کو خَبْر یعنی 'ب' ساکن سے ادا کرے یا 'ب' پر پیش لگا کر خُبُر بنا دے' یا 'خ' کے زبر کو اتنا لمبا کردے کہ وہ الف جیسا سنائی دے۔ اور لفظ 'رهتا ہے' میں 'ت' اُن کی زبان سے مشدد ہوکر نکلتی ہے یا نہ صرف مخفف اور مشدد بلکہ مشدد اور مخفف کے درمیان' اور اسی طرح 'ترحم' کی 'ح' کو بغیر تشدید کے بولتے ہیں اور 'لے گیا' میں کاف کے فتحہ کو کسرہ سے بدل دیتے ہیں اور 'ہو' کو [اوپر دی ہوئی عبارت میں 'ثبوت' کے بعد آیا ہے] 'ہووے' کہتے ہیں۔ ہووے اگرچہ اُردو میں بھی صحیح ہے لیکن پنجابی ہمیشہ ہی 'ہووے' بولے گا —

پنجابی اُردو داں کے کلام کی مثال | ایک پنجابی جو اُردو داں ہے اس کا قول یہ ہوگا: —

"مجھے اس بات کی کیا خبر کہ یہاں

کون کون رهتا هے ۔ جانے میری بلا که کس
ایسی تیسی کا دوپٹه اور دو روپے جاتے رهے
هیں اور کون کافر بے پھر لے گیا هے ' جس پر
چوری ثابت هووے اس کی شوق سے لہو اتار لو
اور مشکیں باندھ کر کوڑے لگاؤ " —

پنجابی لہجه کی اور خصوصیات

اهل پنجاب کے لہجے کی ایک اور خصوصیت یه هے که هر فتحه (زبر) اُن کی زبان سے ضمه (پیش) هوکر نکلتا هے ' دفتر کو دفتُر (ت پر پیش) کہیں گے - ان صاحبوں کا لہجه اس عبارت میں دیکھیے که اس میں ایک لفظ بھی مخالف اُردو نہیں لیکن لہجے کی وجه سے ساری کی ساری عبارت پنجابی معلوم هوتی هے :—

" آپ کا کرم ازبس که میرے حال اُوپر
هے ' جی چاهتا هے که هر کوچۀ و بازار کے
اندر دفتُر دفتُر آپ کی صفت اور ثنا بیان
کروں' ایسے مقبول کی خدمت اپنی نجات
کا سبب هے "—

اور کبھی متحرک لفظ کو ثلاثی مجرد ساکن میں
بھی بولتے هیں جیسے یه عبارت هے :—

" حسن اور حسین کی ایسی ذات هے که

جن کے پیغمبر خدا شتر بنے تھے اور باغ ارم
اُن کے غلاموں کا گھر ہے- قضا و قدر جو چاہے
سو ہووے نانا جنھوں کا محمد اور پدر
علی مرتضیٰ اور مادر فاطمہ کس کے پسر
کا منھہ ہے جو اُن سے برابر ہووے"۔—

پوربیوں کا لہجہ

پوربیوں کے لہجہ میں چند علامتیں ایسی ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں ایک یہ کہ اس الف کو گرا دیتے ہیں جس کے ماقبل کوئی حرف ہو اور فتحہ کو ہی کافی سمجھتے ہیں- اور اسی طرح یائے معروف کی جگھہ صرف کسرہ کو کافی جانتے ہیں- اور یاے مجہول کے بعد حرف 'ہ' کی ایزادی ان کے لیے ناگزیر ہے- اور اکثر موقعوں پر الف کے بعد 'ي' ساکن بھی ان کی زبان سے نکلتی ہے- اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہندی لفظوں کے بدلے فارسی لفظ بے محل استعمال کرتے ہیں' اور بعض ایک حرف کے فتحہ کے بعد تلفظ میں الف کا اظہار کرتے ہیں اور فتحہ یا سکون [زبر یا ساکن کی جگہ] کسرہ اور مخفف [بلا تشدید] کی جگہ مشدد استعمال کرتے ہیں' شاہ جہان آباد کے باشندے کی زبان کی مثال جس میں پورب کے بھی چند لفظ داخل ہیں :—

"پھٹّے منھ تیرا چڑیا کے، کل یاروں سے
چوری چوری نندا بنیے کی بیٹی سے باتیں
کر رہا تھا، حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کی
قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، دل
میں آیا تھا کہ پیچھے سے آکر ایک دھپ
لگاؤں لیکن میں نے کہا کہ یار ہے کیا ستاؤں،
اصل تو یہ ہے کہ بچا جی تم بڑے بے باک ہو
تمھاری پیٹھ ٹھوکا چاہیے اور آٹھ آنے کی
کی مٹھائی رکھ کر شاگرد ہوا چاہیے، کوئی
پتریا* بھی مکر میں تیرے برابر نہیں،
اس دن بھی برگد† کے پیڑ تلے کنجڑن کو رکھنا
تیرا ہی کام تھا، کیا مدار کا دودھ پانی
میں ملا کے کمال دکھایا ہے"۔

اب پوربی اردو داں کی مثال کو دیکھیے جس کے کلام میں پورب کا ایک لفظ بھی ہرگز نہیں اور اسی عبارت کو جس میں شاہ جہان آباد والے نے پورب کے لفظ بھی داخل کردیے تھے اور پھر بھی وہ اردو رہی تھی یہ اس طرح ادا کرے گا:—

* پورب میں رنڈی یا کنچنی کو پتریا کہتے ہیں۔ † برگد، اور مدار، بڑ اور آک کی ہی جگہ بولتے ہیں۔ [مترجم]۔

" پھٹے منہ تیرا چڑیا کے، کل یاروں سے چوری چوری نندا بنیے کی دختر کے ساتھہ باتیں کر رہا تھا، حضرت شاہ مرتضیٰ علی کی قسم میں نے اپنی چشموں سے دیکھا، دل میں آیا تھا کہ پیچھے سے آپ کے ایک دھاپ لگاؤں لیکن میں نے کہا کہ یار ہے کیا ستاؤں، اصل تو یہ ہے کہ بچا جی تم بڑے بے باک ہو تمہاری پشت ٹھونکنا چاہئے۔ کوئی کنچانی بھی تیری برابر مکر میں نہیں، اُس دن بھی بڑ کے پیڑ تلے کنجڑن کو رکھنا تیرا ہی کام تھا، کیا آک کا شیر پانی میں ملا کے کمال دکھایا ہے"۔

دوآبہ گنجم* کا لہجہ | جو ملک گنگا اور جمنا کے مابین واقع ہے یعنی فیروز آباد، شکوہ آباد اور اٹاوہ غیرہ، وہاں کے بعض باشندوں نے زبان دانوں سے اردو سیکھی ہے لیکن ان کا لہجہ خاص ہے - وہ 'میں' [ضمیر واحد متکلم] اس طرح کہتے ہیں کہ بعینہ بکرے

* جو ملک گنگا اور جمنا کے مابین ہے وہ جغرافی اصطلاح میں دوآبہ ہے - اس کے لئے کوئی نام جیسے پنجاب کے دوآبوں کے نام ہیں وضع نہیں کیا گیا تھا میں نے اس کا نام گنجم گھڑا ہے - جس میں دونوں دریاؤں کے شروع کے دو دو حرف لئے گئے ہیں - (مترجم)

کی آواز معلوم ہوتی ہے، یعنی میم مکسور اور یاے مجہول اور نون غنہ بولتے ہیں اور میں جو حرف ظرف ہے اسے 'میں' (ضمیر متکلم) کی مانند ادا کرتے ہیں - اور الفاظ بہ، مہ، کہہ، چہل، زہے، خہیے، وہ، میں زیر کی جگہ زبر بولتے ہیں - اور 'اتّاوا' کو 'اتّایا' بولتے ہیں - اور 'آیں' (الف مفتوح، ی ساکن اور نون غنہ) جو اردو میں حرف استفہام ہے الف کے زیر سے بولتے ہیں، بلکہ ساکن 'ی' کے ماقبل ہر مفتوح حرف کو مکسور اور مکسور کو مفتوح بنا دیتے ہیں- ان لوگوں میں ایک عزیز (شخص) ستائیس برس شاہ جہان آباد میں رہا، مدت مذکور کے بعد جب اپنے وطن میں واپس آیا تو اپنے برادری والوں کی نگاہ میں اپنے کو ہندوستاں زاد [شاہ جہان آبادی] ظاہر کر کے جس مجلس میں جاتا کسی کو بولنے نہ دیتا- جلسہ کے تمام ہونے تک آپ ہی شاہ جہان آباد کی باتوں اور تذکروں سے صحبت کو گرم رکھتا - احباب بھی اُس کو ایک عالی رتبہ ہندوستاں زاد اور خود کو کم رتبہ قصباتی خیال کر کے اس کے سامنے چپ رہتے اور ہمہ تن گوش رہتے - ایک دن اس نے یہ تقریر کی: —

" کہ ایک دن چار گھڑی دن رہے میں گھر میں بیٹھا تھا کہ ایک آشنا تشریف لاے اور

کہا کہ چلو چاندنی چوک کی سیر کریں ' میں
نے کہا کہ بہت بہتر ' القصے میں اُن کے ساتھہ
خراماں خراماں ہواں تک گیا - دیکھتا کیا
ہوں کہ ایک پری پیکر ایک بانکے کے ساتھہ
کھڑی اختلاط کررہی ہے ' میں نے دل میں
کہا کہ خدا خیر کرے ' کہ اس عرصے میں
بھائی جان کی قسم ہے کہ اُن نے بھی میری
طرف دیکھا - امیرالمومنین کی قسم کہ جس
وقت نگاہ اس جادو نگاہ کی ساتھہ نگاہ
میری کے ہم نگاہ ہوئی اُس وقت مجھکو
اپنی نگاہ کا نگاہ رکھنا مشکل ہوا ' میں نے
کہا ارے دل اس میں بہبود تیرا نہ ہوگا '
بہتر یہی ہے کہ یہاں سے بھاگا چاہیے وِالّا
کہتر و مہتر کی آنکھوں میں حقیر ہوجاے گا '
رہنا اس شہر کا دوبھر ہوگا "-

'ی' کے ماقبل کے کسرہ کو فتحہ اور فتحہ کو کسرہ بنا دینے کے علاوہ اور جگہ بھی کسرہ اور فتحہ کا ادل بدل کر دیتے ہیں اور ضمہ کو فتحہ بولتے ہیں - ان بزرگوں کا یہ لہجہ ہے -

اس بحث سے نتیجہ

اس بحث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ یہ بیانات اس امر کے مانع

ہیں کہ جو شخص دوسری جگہہ پیدا ہوا ہو ممکن ہے کہ لہجہ اور زبان اردو جیسا کہ چاہیے سیکھہ جائے ' اور اس کا تصرف لوگوں میں مقبول ہو اور اس کے کلام کو مستند سمجھا جائے کیونکہ ذکی آدمی کا ہونا ہر جگہ ممکن ہے اور ہر فن شریف کا حاصل ہونا یقینی امر ہے - ہاں شرط یہ کہ اس میں پوری طور پر دل لگایا جائے - یہ بدیہی بات ہے کہ ایران سے اتنی دور رہ کر کتابوں اور اہل زبانوں سے سیکھنے سے بڑے پایہ کے فارسی میں کہنے والے شاعر ہندوستان میں ہوچکے ہیں - اور معقول ہو خواہ منقول عربی کے بھی جید عالم یہاں ہوچکے ہیں - جب کہ اہل ہند ان جیسے علوم و فنون کو محنت اور کوشش سے حاصل کرلیتے ہیں تو پھر ان کے لہجہ اور زبان کی درستی کا اقرار مثل دہلویوں کی زبان کے کیوں نہ کیا جائے خواہ وہ دوسری جگہ پیدا ہوئے ہوں مگر چار چیزوں کا ہونا شرط ہے -

زباندانی کے لئے چار شرطیں

وہ چار شرطیں یا ارکان زباندانی یہ ہیں - (۱) اس کا ثبوت کہ اُس شخص کے والدین دارالخلافہ کی خاک پاک سے ہیں - (۲) اردو دانوں کی محبت انتہائی ہے - (۳) اردو کی تحصیل اور تحقیق میں اس کا شغف یعنی غرق ہو جانا - (۴) تیز ذہن اور طبع وقاد رکھتا ہو - ان چار شرطوں میں

سے اگر اول شرط پوری نہ ہو تو بھی طالب صادق کے لئے حصول مرتبہ ممکن ہے لیکن یقینی نہیں، باقی تین شرطیں واجبات سے ہیں —

باہر والوں کے خاص لہجہ کی وجہ

اور جگہ کے باشندے باوجود اس کے کہ اردو زبان کی پوری واقفیت رکھتے ہیں پھر بھی ان کا لہجہ اپنے ہی ملک کا رہتا ہے یہ ذکر جو آیا ہے سو کثرت پر نظر رکھ کر آیا ہے [یعنی ان لوگوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے] - اُن کا اس عیب سے پاک ہونا کم اور شاذ پایا جاتا ہے، بلکہ ممتنع الوجود ہے - راقم سطور کے دیکھنے میں ایسا کوئی شخص نہیں آیا کہ اس کا مولد و منشا دوسرا شہر ہو اور اس کا اردو کا لہجہ درست ہو، لیکن اُن لوگوں میں جن کے والدین شاہ جہان آباد کے ہوں اور وہاں سے دوسرے ملک میں چلے آئے ہیں یا ولایت کشمیر سے آئے ہیں اور لہجہ اور لغت کو دل لگا کر فصحائے اردو سے درست کیا ہے —

دہلی والوں کی قوت لسانی

یہ امر بھی طالبوں کے ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ ایجاد اور تقلید میں دہلی والوں کی قوت طبع اور لوگوں سے زیادہ ہے - وہ اگر چاہیں تو مغل بن جائیں، وہ فارسی کو اس

لہجے سے ادا کرتے ہیں کہ اہل ولایت کو اُن کی زبان اور لہجے کی صحت سے دھوکا ہو [کہ وہ ولایتی ہیں] ' اور اسی طرح اُن کی عربی میں عرب والوں کو دھوکا ہوتا ہے - جہاں عربی اور فارسی کی یہ حقیقت ہو وہاں پوربی ' پنجابی ' بنگالی ' دکھنی ' بندیل کھنڈی ' مارواڑی اور برجی کا ذکر ہی کیا - اس پر قیاس کرو کہ ان کی اختراع اور ایجاد کی قوت اس درجہ ہے کہ انہوں نے کئی سُہانی زبانیں اختراع کی ہیں جن میں وہ باہم گفتگو کرتے ہیں جنھیں سن کر اور لوگ جو نہیں جانتے تعجب میں رہتے ہیں - اور یہ ایجاد کی قوت بڑے بوڑھوں تک ہی محدود نہیں ' کھلنڈرے لڑکے بھی کئی زبانیں اور نئے کھیل نکالتے رہتے ہیں - یہ سلسلہ اُس شہر میں اب تک جاری ہے جس کا بند ہونا ' خدا نخواستہ انسان کے وجود کے معدوم ہونے تک اس سرزمین میں جو زینت میں بہشت کی شان رکھتی ہے قیامت تک بند ہونے والا نہیں —

زرگری وغیرہ مصنوعی بولیاں | مختصر یہ کہ ان نئی زبانوں میں سے ایک زرگری ہے جو کسی شہر کی زبان نہیں ' یہ اس طرح بنی کہ ہر دو حرفی لفظ کے بیچ میں 'ز' بڑھا دیتے ہیں ' اور بعضے یہ کرتے ہیں کہ اس کو اصل

اور دوسرے حروف تہجی کو 'ز' کی جگہ فرع مان کر لفظ میں داخل کرتے ہیں - اور دو حرفی لفظ پر بھی منحصر نہیں ہے بلکہ اس قید سے صاحب کمالوں کو آگاہ کر دینا مقصود ہے کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر دو حرفوں کے درمیان خواہ وہ کوئی ہوں 'ز' بڑھا دیتے ہیں اس کی مثال یہ عبارت ہے :—

"ازاج مزیرزا جزی یزوں چزا ہتزا ہزے
کہ بزی گزن نزا کزے گھزر جزا کزے تزک دزل
بزہ لزا وزوں "

[حرفوں کی جلگ زرگری سے عہدہ برآ ہو کر یہ عبارت یوں ہوگی :- آج میرا جی یوں چاہتا ہے کہ بی گنا کے گھر جا کے تک دل بہلاؤں] -

فروع کا قیاس اسی پر کرنا چاہئے -

ایک اور بولی ہے جو الفاظ کی تقلیب سے بنائی جاتی ہے جیسے ریتی بس تابیں تھوجھہ کھیلدی -

یعنی " تیری سب باتیں جھوٹھہ دیکھیں " -

ایک اور بولی ہے جسے ' بکنی ' کہتے ہیں ' اس میں ہر دو حرف کے درمیان ' بگن ' ڈالدیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے :—

کبکنا لبپبکنی کبکنی مبکنصر بکنی بہبکنت خبکنوب ہبکنو

تبکلی ھبکنے سے

یعنی :- کالپی کی مصری خوب ہوتی ہے —

یہ زبان حضرت ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ خلداللہ ملکہ کی ایجاد ہے —

—*—

چوتھی فصل

بعض فصیحوں پر تنقید

میر اور سودا بعضوں کی یہ راے ہے کہ ہر شہر میں 'شاعروں' کا کلام اور لوگوں سے زیادہ فصیح ہوتا ہے' اور بعضے محققوں کی یہ راے ہے کہ شعر میں وزن کی پابندی اور قافیہ [اور ردیف] کی رعایت اکثر فصاحت کی مانع ہوتی ہے' چنانچہ میر محمد تقی سلمہ القدیر جو دوسرے طبقہ کے ریختہ گویوں میں سب سے ممتاز ہیں 'مینہ' کو 'میش' کے وزن پر ایک شعر میں باندھتے ہیں' اس کا یہ تلفظ ان کے شعر کے اول مصرع میں وزن بحر کو قایم رکھنے کی غرض سے ہوا' اسی طرح 'بھیچک' بجاے 'بھچک' بمعنی حیران ان کے ہاں آیا ہے - مرزا محمد رفیع متخلص بہ 'سودا' لپک' جھپک والے قصیدے میں 'کتک' بمعنی لشکر محض قافیہ کی ضرورت سے استعمال کر گئے ہیں -

کٹک ہرگز اردو کا لفظ نہیں - اس لفظ کے بارے میں پہل سعداللہ سکندر مرثیہ گوے ہر زبان میں مرثیے کہے ہیں، چنانچہ ایک مرثیہ مارواڑی بولی میں کہا جس کے اول بند کا اول مصرع یہ ہے :-

کائیں کہوں اب مہاکو شاباں گھلی کٹک چڑہ دوہائی چھے

'کٹک' بہ فتحتین مارواڑ کی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں فوج یا لشکر - اس لفظ کے مارواڑی ہونے کی دوسری سند بخت سنگھہ مارواڑی کی نثر میں ملتی ہے جو ایک دن فیض آباد میں ایک امیرزادہ سے اپنا احوال یوں عرض کر رہا تھا کہ :-

"مہنے تو ایتھاں نہیں ٹھروں چھے نہیں مہنے
کی شاد کی جانرے کو مہیں کٹک ماں رہتی
والو نہیں راھڑی کے پاس سونری والو" ــــ

لفظ 'تھوڑا' اور 'تھوڑی' راے ہندی کے ساتھہ ہی درست ہیں لیکن مرزا مذکور [سودا] نے تھوڑی کی 'ڑ' کو راے مہملہ بنا کر گوری کے ساتھہ قافیہ کیا ہے، شعر ـــ

ساق سیمیں کو تری دیکھہ کے گوری گوری
شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

اور اسی لفظ کو واؤ مجہول کے ساتھہ بغیر 'ہ'

کے قافیہ شعر کے لئے استعمال کرنا بھی ان صاحبوں کے تصرف کی ذیل سے ہے ورنہ اصل میں تو 'تھوڑا' اور 'تھوڑی' ہے' اور یہ اصحاب 'ہاتھ' اور 'ساتھ' کا تقفیہ 'بات' اور ہیہات کے ساتھ کرتے ہیں یعنی جمہور کے تلفظ کے خلاف ہاے مخلوط کا لحاظ نہیں رکھتے اور اکثر لوگ اردو کو کہ راے مہملہ سے ہے 'اڑدو' (راے ثقیلہ سے) بولتے ہیں —

شعرا کی سند

اہل تحقیق کا قول یہ ہے کہ جو لوگ لفظ کی فصاحت کی سند شعرا کے کلام سے لیتے ہیں غلطی پر ہیں' اور یہ جواب بھی غلط ہے کہ شعرا تمام آدمیوں میں زیادہ فصیح ہیں' وہ بعضے ایسے الفاظ ضرورت شعر سے مجبور ہوکر عمداً شعر میں باندہ جاتے ہیں جو ان کے شہر کی زبان کے خلاف ہیں' جواب کے ضعف پر یہ دلیل ہے کہ شعر بے شک اپنے شہر کی زبان خوب جانتے ہیں اور لاعلمی سے نا آشنا لفظ کلام میں نہیں استعمال کرتے [یعنی محض ضرورت شعری سے استعمال کرتے ہیں]' لیکن ان کے شاگرد اور مقلد جو دوسری جگہ رہتے ہیں کیا جان سکتے ہیں کہ اردو داں دہلوی شاعر نے جو یہ لفظ اپنے شعر میں استعمال کیا ہے اردو زبان کا ہے یا اور کہیں کی زبان کا' اور یہ

کہ اسے ضرورت سے عمداً اپنے کلام میں جایز رکھا ہے یا بے ضرورت اجتہاد کیا ہے۔ بلکہ ہوگا یہ کہ وہ بیچارہ استاد کے شعر میں جو کچھہ دیکھے گا اس سب کو اچھا سمجھے گا اور اپنے ہمسروں سے کج بحثی کرے گا اور آخر کار اسے خجالت اتھانی پڑے گی' اسی طرح جس طرح کہ ہم لوگ جو کچھہ مغل کے کلام میں دیکھتے ہیں اس کو فارسی سمجھہ بیٹھتے ہیں اگرچہ اس میں کئی لفظ سریانی وغیرہ کے ملے ہوے ہوں۔ اس بحث سے میرا مدعا یہ نہیں ہے کہ اردو کے فصیح تر شعرا یعنی مرزا رفیع دہلوی مرحوم اور میر صاحب عالی قدر میر محمد تقی صاحب کی شان کو گھتایا جاے اگرچہ موخرالذکر آگرہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے وہاں کا لہجہ اور 'برج' اور گوالیار کے الفاظ گفتگو میں لے آتے ہیں' بلکہ میں ان صاحبوں کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے کئی نا معقول الفاظ ترک کر دیے ہیں' جیسے ' مئیے' بمعنی 'میں' (درمیان)' پہلے یہ لفظ شعروں میں آتا تہا جیسا کہ میاں 'آبرو' نے کہا ہے' ع —

بر ملیے جامہ نہ تہا اک جھول تھی

اور 'سریجن' 'پی' 'پیتم' بہ معنی محبوب ' لیکن 'سجن' بمعنی معشوق اور 'ٹنک' (تھوڑا) شاید اس

قبیل سے نہیں کیونکہ ان کے کلام میں موجود ہے - اور 'دکھو' بجائے 'دیکھو' اور 'دسا' بجائے دیکھا گیا [دکھائی دیا] ان کے کلام میں موجود ہے - خواجہ محمد میر صاحب متخلص 'اثر' نے جو خواجہ 'میر درد' کے چھوٹے بھائی ہیں اپنی مثنوی میں 'دسا' استعمال کیا ہے' اس میں کوئی مصلحت ہوگی جیسی کہ 'تروار' میں جو لفظکہ ان کے بڑے بھائی کی زبان پر بجائے تلوار کے رواں تھا - مختصر یہ کہ ریختہ کے باغ کو عیبوں کے کانٹوں اور کوڑے کرکٹ سے صاف کرنے والے یہی اصحاب ہیں - اس سے کیا ہوا کہ 'سے' کے بدلے 'ستی'، 'سیتی' اور 'میرے دل' کی بجائے مجھہ دل میرزا رفیع کے کلام میں ملتا ہے ''ستی' اور 'سیتی' واسوخت میں دیکھیے' چنانچہ پہلے بند کی پہلی بیت ہے :—

یاالٰہی میں کہوں کس ستی اپنا احوال
زلفیں خوباں کی مرے دل کی ہوئی ہیں جنجال

اور بندوں میں کئی جگہ 'سیتی' بھی آیا ہے - اس بیت میں 'مجھہ دل کی' ملاحظہ ہو :-

گرہ لاکھوں ہی غنچوں کی صبا اک دم میں کھولے ہے
نہ سلجھیں تجھہ سے آے آہ سحر مجھہ دل کی گلجھڑیاں

اور 'محبوباں' جمع محبوب میرے نزدیک سوائے

مضاف الیہ * کراہت سے خالی نہیں جیسا کہ اس مصرع میں وارد ہے :-

ہاتھ سے جاتا رہا دل دیکھ محبوباں کی چال

یہی لفظ اس طرح باندھا جائے تو صحیح ہوگا :-

زلف محبوباں ہوئی زنجیر پا

میری تحقیق میں یہ بات آئی ہے جس کا ذکر آگے آچکا ہے کہ ہر شہر اور ملک کے لوگوں کے لئے جو تقلید کی صلاحیت شاہ جہان آباد کے باشندوں سے خصوصیت رکھتی ہے وہ اور جگہ کے رہنے والوں کو نصیب نہیں، مرزا معز 'فطرت' جو ایران کے بڑے عالموں اور شاعروں میں تھے اور مدتوں ہندوستان میں رہے زبان ریختہ میں ان کا مطلع قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں :-

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

اور قزلباش خاں 'امید' جو اہل ہند سے اتنی گرمجوشی رکھتے ہیں اور ایران اور ہندوستان کی موسیقی کے کامل ماہر ہیں جب کبھی ان کی طبیعت اس میدان

* یہ کہئے کہ جب کسرۂ اضافت ایسی جمع سے پہلے واقع ہو جیسی 'محبوباں' ہے تو یہ شکل اردو میں اس وقت ننگ جایز مانی جاتی ہے - (مترجم)

میں جولانیاں دکھاتی ہے تو سامع کی بدمزگی کا باعث ہوتی ہے، اُن کا شعر ہے :—

بامن کی بیٹی ایک سری آنگ موں پری
غصہ کیا و گالی دیا اور دگر لری

عمادالملک وزیر جو بندیل کھانڈ میں پیدا ہوے تھے اور جن دنوں وہ حج کو گئے تو عرب کے ایک شہر میں درویشوں کے لباس میں تھے - وہاں ایک شخص کے مکان پر پہنچ کر ظاہر کیا کہ بصرہ کے باشندہ ہیں - مالک مکان نے خوب آؤ بھگت کی اور دس دن اپنے ہاں ان کو مہمان رکھا - ان دنوں میں اس عرب میزبان کے یار دوست اور رشتہ دار آتے رہے اور کوئی نہ تاڑ سکا کہ حضرت ہندوستانی ہیں، عربی زبان میں گفتگو اور لہجہ کی صحت کو غور فرمائیے اور انصاف کیجئے -

کشمیری پھیری والے

کشمیر کے سادو * ہر شہر کو وہیں کے لباس اور لہجہ سے دھوکے میں ڈالتے، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک جو کشمیر میں پیدا ہوے، یہ فوراً پہچانے جاتے ہیں - اور خدائی خوار پھرا کرتے ہیں - دوسرے وہ جو دہلی میں پیدا ہوے،

* سادو یا سادھو، یہ لوگ اب بھی ہوٹلوں اور گھٹیا صاحبوں کے بنگلوں پر چکر لگاتے ہیں، اور اسی نام سے جانے جاتے ہیں، ان کو بکس والا بھی کہدیتے ہیں، ان کا بکس اور گٹھڑی کیا ہوتی ہے یہاں منی کا خزینہ ہوتا ہے، اس میں ہر ضروری چیز جو خریدار مانگے موجود ہوتی ہے - (مترجم)

یہ ملکوں ملکوں پھرتے ہیں اور کسی شہر کا رہنے والا ان کی اصلیت نہیں پہچان سکتا - عرب کی مجلس میں عرب اور ایرانی کی صحبت میں ایرانی اور تورانی مجمع میں تورانی اور فرنگی کے سامنے فرنگی بن جاتے ہیں -

دہلی میں پیدا ہونے کا امتیاز اور تعریف

یہ امر بھی احباب کے ذہن نشین رہے کہ دہلوی ہونا ایک شخص کے دہلی میں پیدا ہونے پر منحصر نہیں - ورنہ مغل پورہ کے رہنے والے اور بارھہ کے سید جو شاہ جہان آباد میں پیدا ہوے دہلوی ہونے چاہئیں ' لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ دہلوی وہ ہے جس کا روز مرہ وہ ہو جو دہلی والوں کا ہے اور جگہ والوں کا سا نہ ہو' یہ بات منھہ کھولتے ہی پہچان لی جاتی ہے - بخلاف اس کے مغل پورہ والوں کو دیکھو کہ ان کی گفتگو لاہور والوں کی گفتگو سے ملتی ہے ' اور ایسا ہی حال بارھہ کے سادات کا ہے کہ ان کا کلام اپنے قصبہ کے لوگوں کے کلام کی مانند ہے - پس دہلوی کے معنی ہیں کہ ایک شخص ان لوگوں کی اولاد سے ہو جنھوں نے زبان کو مانجھا اور نفیس مذاقی ' لباس کا موزون ہونا بیٹھنے اٹھنے کا سلیقہ ' اور فرش وغیرہ سے مکان کی آراستگی وغیرہ ایجاد کی اور ان کو رواج دیا - ان کی اولاد خواہ شاہ

جہان آباد میں رہتی ہو خواہ کسی اور جگہ وہ دہلوی ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم اور تربیت والدین یا ماموں یا چچا یا خالو یا بڑے بھائی یا کسی ایسے ہی بزرگ کی صحبت میں ہوئی ہو، تو وہ دہلوی ہی ہوگا۔

لکھنؤ کی فصاحت

جیسے لکھنؤ کے لوگ ہیں، اگرچہ اُن کی زبان ایک دو لفظوں میں دہلویوں سے مغایرت رکھتی ہے لیکن وہ اور اوصاف اور قابلیت میں دہلی والوں کے برابر ہیں - اور بعض لوگوں میں جو یہ مغایرت پائی جاتی ہے جس کا سبب بے توجہی ہے سب کا یہ حال نہیں ہے - بلکہ اس شہر کا ہر محلہ فصیحوں کا محلہ ہے بخلاف شاہ جہان آباد کے - اس سے انکار کرنا دانائی نہیں کیونکہ یہاں والے اس کا بہت خیال رکھتے ہیں کہ ہم پورب میں ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں کے آدمیوں کی زبان کی عادت پڑ جائے - اس وجہ سے اپنے ماں باپ اور دوسرے بزرگوں سے جو شاہ جہان آباد سے آئے ہوئے ہیں الفاظ کی تحقیق کرتے رہتے ہیں - دوسری بات یہ ہے کہ افلاس کی وجہ سے بہت سے اونچے گھروں کے لوگ اور فصیح اشخاص مدتیں ہوئیں دارالخلافہ سے نکل آئے ہیں اور پورب کے شہروں میں آباد ہوگئے ہیں - لیکن لکھنؤ دور مشرق کے اور شہروں کے مقابلے میں

شاہ جہان آباد کی قربت کی وجہ سے ترجیح رکھتا ھے - اس شہر میں فصیح دھلویوں کی اتنی کثرت ھے کہ ان کا شمار نہیں - اور جو دھلوی کہ اس وقت شاہ جہان آباد میں ھیں ان میں فصیح کم ھیں اور غیر فصیح زیادہ - جو خاص لکھنؤ کے ھیں انھیں کو فصیح سمجھنا چاھئیے اور غیر فصیح وہ لوگ ھیں کہ ان کے والدین نے اور مقاموں سے آکر اس شہر میں سکونت اختیار کرلی - ان لوگوں کی اولاد کی یہ کیفیت ھے کہ بعضے تو ایسے ھیں جو اس زعم میں رھتے ھیں کہ ھم شاہ جہان آبادی ھیں اور جو غلط سلط ھماری زبان سے نکلے صحیح ھے اور دھلی کا روزمرہ ھے ' اور بعضے ایسے ھیں جنھوں نے صرف سواری ' بانک ' پٹہ ' لکڑی اور نیزہ بازی تو سیکھی مگر اردو زبان کے سیکھنے کو وزن نہ دیا - ان لوگوں نے دھلویوں کے الفاظ کو اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے الفاظ کے ساتھہ گڈ مڈ کر کے ایک زبان [اور ھی] پیدا کرلی ھے - اردو زبان اور الفاظ کی فصاحت کی تحقیق کا انھیں خیال تک کبھی نہ گزرا -

اردو کی سند

مختصر یہ کہ بادشاھوں اور امرا اور اُن کے درباریوں اور حاضر باشوں سے اردو کی سند لینی چاھئیے - کیونکہ فقیہہ اور شاعر '

ریاضی داں اور محاسب، مغنی اور طبیب، صوفی اور
خوبصورت عورتیں ان کی مجلس میں حاضر رہتے ہیں
اور فرقہ فرقہ کی اصطلاحیں سامنے میں آتی ہیں اور
وہ جس لفظ کو اصطلاح بنادیں اس کے قبول کرنے سے
چھوٹے بڑے کو انکار نہیں ہوسکتا، وہ اصطلاح جلد سے
جلد رواج پا جاتی ہے - ہر فصیح اور بلیغ شخص ان کی صحبت
میں سوچ سمجھکر منھہ سے بات نکالتا ہے اگر اس نے
ٹھیک بات کی تو امیر اور اس کے درباری اسے پسند
کرتے ہیں اور وہ شخص اپنے برابر والوں اور خواجہ
تاشوں میں بڑے فخر سے اس کا ذکر کرتا ہے - اور
بولنے کے وقت ہر صاحب کمال کو یہ کھٹکا لگا رہتا ہے
کہ مبادا کوئی ایسا لفظ زبان سے نکل جائے کہ میری اس
بھری محفل میں ہنسی اڑے - اسی طرح دستار کی بندش،
قبا اور زیر جامہ (پایجامہ) کی وضع قطع اور پاپوش
وغیرہ میں جس فیشن کا رواج پڑ جاتا ہے انہیں کی پسند
پر موقوف ہے، جیسے 'رنگترہ' کا لفظ جو فردوس
آرام گاہ * نے وضع فرمایا، اسی طرح یہ الفاظ، بلبل کو
'گلدم' تیتر کو 'گلسرا' اور سرخاب کو 'سفیدسرا' کہنا -
دلیل سے تو یہ مسئلہ ثابت ہوگیا لیکن راقم کے قول

* فردوس آرام گاہ سے مُراد محمد شاہ بادشاہ ہے - (مترجم)

کی تصدیق ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اِس کا صحیح سلامت ثبوت جناب عالی [نواب سعادت علی خاں والئی اودھ] کی ذات بابرکات ہے - خدا کی قسم کہ حضور کی اردو میں تقریر مقامات حریری یاد لاتی ہے ' نہ کوئی ایسا فصیح زبان اور شیوا بیان ہوا اور نہ ہو - کسی وقت کی آپ کی بات لطیفہ سے خالی نہیں ہوتی ' کبھی تجنیس ہے تو کبھی ایہام ' کبھی طباق ہے تو کبھی ترشیح اور محتمل ضدین - راقم دعا گو کا ارادہ ہے کہ حضور کے لطایف جمع کر کے ایک مستقل کتاب میں مرتب کرے - دوسرے نواب عماد الملک مغفور ہیں جو اردو کے بعض قاعدوں کے موجد ہیں جو قابل قبول ہیں ' لیکن ان کی طبیعت کی قوت کو جناب عالی کی قوت طبع سے وہی نسبت ہے جو کنوئیں کو دریا سے ' اس کی دلیل یہ کہ نواب عمادالملک کے وقت کی پوشاک اور زبان وہی تھی جو اس وقت شاہ جہان آباد کی ہے - اس لئے اگر میں وہاں (دھلی) کی مردانہ پوشاک کا مقابلہ لکھنؤ کی پوشاک سے کروں تو بعینہ ایسا ہے کہ 'کا نی ھلہ ' اور 'شامای ' کے بنیوں کی پوشاک کا ایران کے میرزاؤں کی پوشاک سے مقابلہ کرنا ' وہاں کی پوشاک اگرچہ سوائے لکھنؤ کے اور شہروں

کی پوشاک پر غالب آتی ہے لیکن یہاں کی زنانہ پوشاک کے سامنے وہاں کی زنانہ پوشاک ایسی ہے جیسے میاں غلام رسول کے گانے کے سامنے لڑکے لڑکی کی شادی کے موقع پر بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کا گانا ' یا سرخ اطلس کے سامنے لال کھاروا - خدا کی قسم یہاں کے آدمیوں کی گفتگو کا وہاں کے لوگوں کی گفتگو سے مقابلہ کرنا ایسا ہے جیسے بھاڑا مل ڈھوسر کی تقریر کا نواب عمادالملک کی قوت نطق سے - سنیئے :—

نواب عمادالملک کا سوال

" اجی لالہ بھاڑا مل تمھارے احوال پر باللہ کہ ہم سخت متاسف ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے تمھیں میات الوف کا مالک کیا اور اوقات تمھاری یہ کہ احد من الناس جس مسلمان کو فرض کیجیے اس کے برابر ذایقہ صاحب کا لذت آشنا نہیں ' بڑا تعجب ہے کہ آدمی باوصف تیسّر نعمائے الٰہی سے محروم رہے اور نام اس کا رحم اور شفقت رکھے ' ہم لوگ بھی تو اپنے ہاتھ سے بکری سوائے عید قربان کے حلال نہیں کرتے اور ہی اشخاص صاف کرکے گوشت بڑے آدمیوں کے مطابخ میں پہنچاتے ہیں اور بازار میں بیچتے ہیں ' اگر تم بازار سے لے کر دکھاؤ تو کیا مانع ہے "—

بھاڑامل کا جواب

" ہمیں پیرو مرشد مہارے دھرم ما نہیں جیو کا مارن بڑا دوکھ ہے ' ہور کھاؤ نا تو ہور بھی برا ' ہور مکھا تہاری کی بات ہے تم کھاوند لوگ ہو ' مہارے تو جو کوئی چوشی بھی بھولے سے مار گیرے تو اس کے ہاتھ کا پانی پیونڑا کجب ہے ' مہاڑے بڑے تاؤ سہل رام جی تھے اُونڑنے بھولے بسرے تے مکھا کھنکھجوری دھی کے باپ پر پیر رکھہ دیا تھا سودھی کا باپ مرگیا ' سوبا باجی نے دیکھکر فرمایا نپوتی کے مکھایوہ کی کیا ' اب دس ھجار روپئے کس کے گھر تے کا ڈھوں جو اُس کا دوکھہ اتاروں ' ہور پلمیشر نے مہارے کھاونڑ پیونڑ واسطے بھی ڈھیر چیجاں پیدا کریں ہیں ' موھن بھوگ ' لوچئی ' کچوری ' انرتی ' میٹھے سہال ' کچنال ' بڑے ' سنبو سے ' پراکڑی ' گھرمے ' بالوسائی ' گلدوڑے ' دھوئی مونگ کی دال ' دھوئی اُرد کی دال ' ہور ڈھیر سے ترکاریاں ہور اچار ہور مگد کا لڈو ہور گوند کے پاپڑ جو حجور بھی نوس پھرماویں تو پھیر مکھا نوس '

تنز کی کو بھی بھول جاویں بلکوں بھولے بسرے
بھی کھاؤ نے میں نہ آوے " —

اس کی شرح یہ ہے :— ' ھہیں ' بانیوں کی بولی ہے یہ لفظ ' ہاں ' کی جگہ بولتے ہیں - ' پیر مرشد ' بغیر واؤ کے یعنی پیر و مرشد - ' مہارے ' یعنی ہمارے ' جیسا کہ شاہ جہان آباد میں کہتے ہیں - ' ما فہیں ' جیسی سادات بارھہ کی زبان ہے جس کا ذکر آگے آ چکا ہے بمعنی درمیان ' میں - ' جیو ' بجائے جی بمعنی جان - ' بڈا ' یعنی بڑا - دوکھہ (واؤ مجہول) گناہ - ' ہور ' (واؤ مجہول) بمعنی اور ' دوسرا - ' کھاؤنا ' بجائے کھانا - ' مکھا ' ' میں نے کہا ' کا مخفف - ' تھاری ' تمہاری - ' کی ' بجائے کیا (حرف استفہام) - تم (ت مفتوح) بجائے تمّ - ' کھاوند ' خاوند - ' چوشی ' بمعنی چوھی - ' مار گیرے ' یعنی مار ڈالے - ' پیونڑا ' پینا - ' گجب ' غضب - ' بڈے ' بمعنی بڑے (تعظیماً) - 'تاؤ' باپ کا بڑا بھائی - 'سیل رام ' بنیے کا نام - ' اُنڑ نے ' بمعنی انھیں - ' تے ' بجائے 'سے' - ' کھنکھجورا ' * ایک مشہور جانور کا نام - ' دھی کا باپ ' یعنی بیٹی کا باپ - ' کے ' بجائے کا -

* اب کنکھجورا کہتے ہیں - (مترجم)

'باباجی' دادا - 'پھرمایا' فرمایا - 'نپوتی' (نون مکسور) جس عورت کے بچہ نہ ہو ('نپوتی کے' سے یہ مطلب ہے کہ تو جلدی مرجائے گا' گویا تیری ماں نے تجھے جنا ہی نہ تھا' اس 'مترادف' عربی کا یہ کوسنا ہے "تبکیک اُمک" یعنی تیری ماں تجھے روے)- 'کڈھوں' نکالوں- 'پرمیشر' (پرمیشر) خدا - 'پیونڑ' پیدا - 'ڈھیر' بہت - 'چیجاں' چیزیں - 'کریں' کیں - 'کُھرمے' خرمے - 'مگڑ' ایک شیرینی- 'حجور' مساوی حضور - 'نوس' نوش - 'پھرماویں' فرماویں - 'پھیر' بجائے 'پھر' - 'نوس تذکی' نمش اور تلکی - 'بلکوں' بلکہ - 'بسرے' مرادت بھولے -

یہ مقابلہ ایسا ہی ہے جیسے کایتھوں کی فارسی کا مقابلہ اصفہان والوں کی زبان سے یا پورب کے فاضلوں اور طالبا کا مقابلہ جو مغلوں کے لہجہ کی نقل اتارا کرتے ہیں مغلوں سے - نمونہ ملاحظہ ہو :-

مرزا صدرالدین صفاهانی کا سوال

"چرا دو سه ماه برسانا مهربان بودید که تشریف نیاوردید و مشرف نه فرمودید' دو سه دم که از حیات مستعار خوش بگزرد غنیمت است اما خوشی خاطر بے مجالست دوستاں کجا - شعر

بهار عمر ملاقات دوستداراں است
چه حظ برد خضر از عمر جاوداں تنها

تنها نه گریهٔ آدم بکار آید نه خنده ' حالا بدستور می آمده باشید ' زندگیِ آدم همیں قال و مقال و اختلاط است ' جناب میدانند که مذهب من صوفیانه است ' نمیدانم که هندو چه قبح دارد و مسلماں چه حسن ' هر دو بندهٔ خدا و نور چشم عارف اند ' جهان گزراں مثل حباب نقش بر آب است آخر همه را رجوع به مبدء خواهد بود ' نزاع لفظی که زید به از عمرو است یا عمرو به از زید میانه برادراں نوعی چه ضرور ' سر زید به گردن عمرو "

لاله مکتا پرشاد سری واستو کا جواب

هکا هکا ایں عاجز شمو د و ماه به گلگشت گلستون بیماری پرداخته هکا هکا و لیکن آں منبع عطوفت و احساں شربت چوں پرور عیادت را دریغ داشته هکا هکا - شعر

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

هکا هکا امیدم از ایشاں شکسته شد چوں

احوال آں اُبہت دستگاہ چناں مبرھن گردید
دیگر دم از دوستیء کسے کشتن بیجا است،
ھگا ھگا رودیدہ را شرم همی کند و ایں کہ ھگا ھگا
بر زبوں راندہ کہ ایشوں صوفی مذھب است
و ھگا ھگا تعصب ندارد، و اگر تعصب می داشتے
چہ نقصاں می داشتے و اکنوں کہ نہ دارد
ما را چہ نفعے ازو، باللہ العلی العظیم و بہ
امیرالمومنین علیہ السلام دوست را غلام است
و مرد خوب را بندہ، و ھگا ھگا با آدم خر
دماغ کارے ندارد، ھگا ھگا حیف کہ در دو موہ
از مونہ پر سپیدی آں قدر غفلت هم از حال
دوستونت نشایستے، ھگا ھگا ایں تو رسم زمانہ
است کہ شکایت از دوست کردہ می شود -

مکتا پرشاد کی فارسی ختم ھوئی جو کایستھوں کے جرگہ سری واستو سے تھا، اس کے کلام کی شرح یہ ھے:- "ھگا ھگا" اس کا تکیہ کلام ھے، جب تک بار بار یہ نہ کہہ بول ھی نہیں سکتا، شما کو 'شمو' تمغل * کی وجہ سے کہا - 'پر داختہ' کی 'ت' پر زیر دے کر 'ہ' کو

* تمغل یعنی مغل بننا، مغلوں کی نقل' ایرانی جان 'کو جون' اور گلستان کو گلستوں بولتے ھیں' ان کا لہجہ ایسا ھے - (مترجم)

ظاہر کیا۔ 'جون' 'چان' کی جگہ۔ 'داشتہ' کا تلفظ مثل پرداختہ۔ شکستہ' بجاے گسستہ استعمال کیا۔ کشتن' بجاے 'زدن' استعمال کیا۔ اور 'رودیدہ راشرم' یہ ٹکڑا جو کہا تو اس کے ذہن میں "منہ دیکھے کی شرم" یہ اردو کا محاورہ تھا۔ زبان کو 'زبون' راندہ کا تلفظ مثل 'پرداختہ' ادا کیا۔ 'ایشوں' بجاے 'ایشاں' استعمال کیا' یہ اسم اشارہ جماعت کے لئے ھے یہاں مخاطب سے غرض ھے۔ صوفی مذہب است بجاے صوفی مذہب هستند کہا۔ 'می داشتے' بجاے می داشتند۔ اور 'ندارد' بجاے ندارند۔ 'ازو' بجاے از شما۔ امیرالمومنین کی 'ر' کو مفتوح بولا' اور اِلیہ السلام (بہ کسرۂ الف) بجاے علیہ السلام کہہ گیا۔ 'دوست راغلام است' بجاے دوست را غلام هستم کہا۔ 'اسی طرح مرد خوب را بندہ' بمعنی بندہ ام۔ 'ندارد' بجاے 'ندارم' استعمال کیا۔ مُوہ (واؤ معروف) بجاے 'ماہ'۔ اور 'مو' بجاے 'ما'۔ 'نہ پرسیدی' بجاے نہ پرسیدند۔ 'آں قدر' بجاے ایں قدر۔ 'ایں تو' بجاے 'اینکہ' یا بجاے 'ایں خود'۔

مرزا کاظم اصفہانی کا سوال

قبلہ خیلے مشتاق خدمت بودیم ایں وقت
کہ جناب از درس وتدریس فارغ شدہ اند ...

یحتمل کہ چیزے ہم نہ خوردہ باشند وبعد از طعام قیلولہ ہم ضرور است ، اگر حکم شود حاضر باشم واگر بفرمائید باز بہ خدمت برسم ، ہنوز کہ دہ دوازدہ روز اینجا ہستم چہ عرض بکنم کہ فلک کج رفتار دست از بازیہا برنمی دارد ، والا چند روز خدمت آب وضوے ملازماں کردم ، چند شبہ کہ در شرح اشارات بہ خاطر داشتم و جواب آنہا اند کے عسیر می نماید بہ آسانیٔ تمام از جناب بر طرف می شد ، وائے وائے این جا قدر ملازماں راکہ می داند ، برابر یک سبزی فروش یا چونہ پز ایراں اوقات ندارید ، قبلہ بیا ، بہ ولایت برویم —

مولوی عبدالفرقان کا جواب

ارے برہان لائیس از فصاحت و بلغت آں باذعان دانستی شدی کہ مولد ایشوں از خوک پوک ایراں بودی ، ارے برہان لائیس او بلبل ہزار داستاں رانعم البدل بود ، من باین فصاحت کسے مغل را ندیدہ است ، ہمین کہ او گوہر سخون رابہ مثقبۂ بیاں

سفتہ ' ارے برہان لائیس من دانستیم کہ
وے مالک زبون است ' ارے برہان لائیس
من طعام را خارج می خوریم و خسپیدگی را
نمی خواہیم ' تا او شسنتہ است گپ زدگی
و جمیع شکوک را ارے برہان لائیس بلک کل
مافی بالہ پاسخ دادی خواہد شد ' و ازیں
کہ اوراشوق بہ سوے کتب معقول ہست
ارے برہان لائیس غنچۂ خاطر ایں کس گل
گل بشگفت ' انشاء اللہ تعالیٰ عظم شانہ و لا
یحاط احسانہ ' ارے برہان لائیس دیگر چار چہ
ہم انشاء اللہ تعالیٰ از قسم شعر خواہد شدن -

ہر کجا در عالم اُمکاں ہست گرمی صحبتی
بیگما شمع زبان شعرا دراں بزم روشن است

مغل اور مولوی کی گفتگو ختم ہوئی ' اب حضرت مولوی کے کلام کی شرح سننی چاہئے -

' ارے برہان لائیس ' ان کا سخن تکیہ ہے جیسے لالہ مکتاپرشاد کا ' ھگا ھگا ' تھا - ' فصاحت و بلاغت ' اسی طرح بغیر الف کے - ' آں ' بمعنی شمایعنی عالی قدر - ' دانستی شدے ' بجاے دانستہ شدہ ایسے تلفظ پر غور کرنا واجب ہے - ' ایشوں ' بجاے ایشاں بمعنی شما - ' خوک پوک ' یہ

غلبۂ تمغل نے ' خاک پاک ' کی مٹی عزیز کی ھے - ' ایروں ' بجاے ایران - ' بودی ' بجاے بودہ - ' او ' بمعنی شما - 'کسے مغل' بجاے هیچ مغل - ' ندیدہ است' ندیدہ ام کے بدلے - 'سخون' در اصل سخن کے معنی میں ھے اور صحیح ھے ' لیکن جناب مولوی صاحب نے اپنے وطن شریف کے لہجہ سے معمول هوکر واؤ معروف بڑھا دیا - ' من دانستیم ' من دانستم کے بدلے - ' وے ' بجاے شما - ' زبوں ' زبان کی جگہ ' مغلیت کے غلیان کی وجہ سے - ' شستہ است ' بجاے نشستہ است - ' گپ زدگی ' بجاے گپ خواهم زد - ' بلِک ' (ب مفتوح ' لام مکسور) ترقیٔ کلام کے لئے - ' کل ما فی بالہ ' مراد هرچہ دردل اوست (جو کچھہ اس کے دل میں ھے) مولوی صاحب کی مراد یہ ھے کہ جو کچھہ تمھارے دل میں ھے ' کیونکہ وہ مخاطب کے لئے ضمیر غایب استعمال فرماتے هیں - ' د دی خواهد شد ' بجاے دادہ خواهد شد - ' کتب معقول ' فک اضافت کے ساتھہ بولے - ' این کس ' بمعنی من (میں) - 'چار چہ ' بجاے چرچہ - 'خواهد شدن ' بجاے خواهد شد اس کے ساتھہ انشاء اللہ تعالیٰ کا صرف بے محل ھے - [شرح شعر] ' عالم امکان ' میں عالم کا کسرۂ اضافت غایب ھے - ' گرمی صحبتے میں کسرۂ اضافت غتر بود ھے - ' شعرا ' عذرا کے وزن پر آیا ھے - زبان شعرا '

میں نون غنہ بولتا ھے - اگر صحیح پڑھیں یعنی زبان کے ساتھہ اضافت اور شعرا کے عین کو زبر کے ساتھہ پڑھیں اور ' بزم ' کے میم کو بھی ظاھر کریں تو مصرع تقطیع میں گر جاتا ھے ' وزن سے ساقط ھوجاتا ھے —

سید انشا کی ملاقات مولوی حیدر علی سے

اسی زمانے کا ایک عجیب واقعہ ھے کہ میرے بعضے عزیز سندیلہ گئے تھے - جناب مولوی حیدر علی صاحب کی بہت تعریف سن کر جو معقولیوں کے جیّد عالم ھیں مجھے ان کی ملاقات کا اشتیاق تھا ' اور میں چاھتا تھا کہ سندیلہ جانے کی کوئی تقریب ھو تو ان کی ملاقات کا شرف حاصل کروں - حسن اتفاق سے مولوی صاحب موصوف کسی ضرورت سے لکھنؤ تشریف لے آے اور اسیامئو میں جہاں عبدالرحمن خاں قندھاری کے رسالے کا پڑاؤ ھے تھیرے - راقم یہ مژدہ سنتے ھی جلد سوار ھوکر آپ کی خدمت میں حاضر ھوا - اور اس واسطے کہ برابر والوں میں میرا اعتبار بڑھے اپنا غیر منقوط قصیدہ جس کا نام " طور کلام " ھے اور جس کے آخری شعروں میں کئی صنعتیں رکھی ھیں ساتھہ لیتا گیا - اس خیال سے کہ اگر ان کو پسند آگیا تو میری عزت ھے - میں نے قصیدہ سنایا جناب معظم نے اسے سن کر اس ھیچمداں کی بے حد تعریف کی - چونکہ کمترین نے والد مرحوم

کے وقت میں منطق اور فلسفہ کی درسی کتابیں پڑھی تھیں اور مدت سے شعر کے عشق، دوستوں کی صحبت، فکر معاش اور تلاش کی چپقلش کی وجہ سے اب ان کے مطالعہ کا شوق نہیں رہا تھا اور ان موضوعوں پر جو کچھہ پڑھا تھا بھول گیا تھا - موصوف کی خدمت میں علمی مسئلوں سے متعلق گفتگو کے بدلے شعر و سخن سے صحبت گرم کرنا میں نے تنگ ظرفی خیال کیا - اس وجہ سے میں نے عرض کیا کہ سنا ھے کہ جناب عربی، فارسی اور هندی تین زبانوں میں شعر کہتے هیں، اگرچہ بندہ کی لیاقت اتنی نہیں کہ جناب والا کا کلام سمجھہ سکے لیکن اگر میری سمجھہ کے لایق تبرکاً کچھہ ارشاد هو تو ذرہ نوازی اور بزرگانہ شفقت سے بعید نہ هوگا - آپ نے ارشاد کیا کہ میر انشاء اللہ خاں درست فرماتے هیں کہ میں ان تینوں زبانوں میں کچھہ کچھہ لیتا هوں، لیکن چونکہ انسان اپنی زبان پر اور زبانوں سے زیادہ قدرت رکھتا ھے اور جو بھروسا اسے اپنے ملک کے لہجے پر هوتا ھے وہ غیر ملک کی زبان پر نہیں هوتا اس وجہ سے التماس ھے کہ جن پر مجھے اطمینان ھے وہ هندی شعر هیں - میں نے کہا اس سے اچھا کیا ھے، کچھہ فرمائیں - آپ نے کمال مہربانی سے

وہ قصیدہ جو اُن دنوں سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت میں موزوں فرمایا تھا سنایا - اس کا صلہ اُن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عطا فرماے گا - سنانے کے بعد بندۂ عاصی نے وہ قصیدہ ان سے لے لیا ' اسے سن کر [روح کو] ایسی فرحت ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی کیونکہ اہل مجلس کی تفریح طبع کے لئے اس کا ہر مصرع زعفران کا ایک قطعہ تھا - جی میں آیا کہ اس کو خمسہ کروں تاکہ دنیا میں یادگار رہے - خدا کا شکر ہے کہ یہ مہم آسانی سے تمام ہوئی - یہاں فن ایراد [تنقید] کے طالبوں کے فایدے کی غرض سے اس قصیدے کی دو بیتیں نقل کرتا ہوں :-

رسول حق کا محمد نبی خیرانام
اے فخر کون و مکاں تجھہ اوپر درود و سلام
ہے امر ہم کو بھی صلّوا و سلّمو تسلیم
ہے امتثال امر کا واجب اے مومناں مدام

فاضل آدمی اور شعر

کچھہ دنوں بعد الماس علی خاں بہادر کے ساتھہ سندیلہ جانے کا اتفاق ہوا ' پھر مولوی صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور وُہ مخمس سنایا ' آپ کی نازک پسند طبیعت نے بہت پسند کیا اور اُسی وقت اس کی نقل لے لی —

علم و فضل اور شاعری

یہ سمع خراشی اس غرض سے کی گئی کہ بعضے عقل کے دشمن اس وہم میں گرفتار ہیں کہ فاضل آدمی شعر کو اپنے علمیت کے پایہ سے پست جانکر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، ورنہ تھوڑی سی توجہ سے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں - یقیناً ان کا کلام شعرا کے کلام سے بہتر ہوگا - اور چند بے ربط شعر جیسے کہ قصیدۂ مذکور کے ہیں ان بزرگوں کی زبان سے سن کر ان کو معانی کا سمندر اور نوادر کا خزانہ خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ شاعری روح القدس سے نسبت کے بغیر ناممکن ہے - مرزا رفیع اُمی ہوگا تو بھی شعر اس فصاحت اور بلاغت سے کہے گا، اور قصیدۂ مذکور کا مصنف اس علم و فضل کے باوجود ناسمجھی سے قدم اٹھائے یہ عبرت کا مقام ہے - اور سب سے بڑھکر تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کے طالب علموں کے اعتقاد میں آپ میرزا ہیں، آپ نے فارسی لہجہ اہل ایران سے سیکھا اور زبان اردو بھی شاہ جہان آباد میں سیکھی اور چونکہ حکمائے یونان علم موسیقی میں بھی جو علم ریاضی کے اصول اربعہ سے ہے ماہر اور مشاق ہوا کرتے تھے اس لئے مولانا بھی 'عشاق' 'عراق' 'حجاز' اور 'بیات' وغیرہ فارسی راگ کے مقام کو جانتے ہیں اور

'بھیروں'، 'بھبھاس'، 'بھیروی'، 'للت'، 'رام کلی'، 'کھٹ'، 'گن کلی'، 'بھٹیار'، 'سگھرئی'، 'سوھا'، 'گوجری'، 'گندھار'، 'اساوری'، 'توری'، 'بلاول'، 'الھیا'، 'دیوگری' اور دوسرے راگ اور راگنیوں کو ان صبح کی راگنیوں کی طرح خیال انہیں رکھتے ہیں، اور کبھی کبھی اپنے خاص چمکا در صفت شاگروں کے سامنے خیال * کا کرداد طلب کرتے ہیں ۔ اس عقل کے قربان ہونا اور اس شعور کے صدقے جانا چاھئے ۔ جب گانے میں مضایقہ نہیں تو طبلہ سارنگی بجانے میں کیا عیب ہے ۔ ایسی مجلس کا کیا کہنا کہ اس میں علما اکٹھے ہوں اور ان میں سے ایک جوڑی پر تھاپ مارے اور دوسرا کوئی اور ساز بجاے اور ایک اور اس دھن میں تانیں اڑاے :-

انظر الینا او میاں چہرے والے
ضاق المجال علینا سانون بھی اپنے کول بلالے
بھجرک میڈی جان اجلس بین یدینا
بھویں تہاری سانو بھالے

جب کہ جناب مولانا اس تحقیق اور تفتیش کے باوجود دیکھتے

* کلاسیکل موسیقی میں جسے عموماً پکا گانا کہتے ہیں 'دھرپد' اور 'خیال' ہیں ' 'خیال' تان سین کی ایجاد ہے ' چونکہ دھرپد کے محاسن فطرتی اور اس کے صناعی اور نازک خیالی پر مبنی ہیں ' اسی لئے شاید اسے 'خیال' کہنے لگے - (مترجم) —

کو اس صحت، درستی اور موزونی کے ساتھ ادا کرتے ہیں تو مولوی عبدالفرقان اگر فارسی میں وہ گل کھلائیں جس کا ذکر آچکا ہے تو کیا گناہ ہے۔

عورتوں کی زبان | اِسی طرح شاہ جہان آباد کی گرھستی اور بازاری عورتوں کی زبان لکھنؤ کی اسی حیثیت کی عورتوں کے مقابلہ میں بعینہٖ ایسی ہے جیسی مولوی کرم الرحمن ملقب میاں بچھّی کی ھکلی * لونڈی کی زبان براتی بیگم اور سوتی خانم کی زبان کے مقابل ہے، یا میر غفر غینی ویائی کا کلام کوچۂ بلاقی بیگم (دہلی) کے پری پیکروں کے ساتھ، یا ٹھاکر باداِم سنگھ ساکن آؤ کی بے تکلف گفتگو تفضل حسین خاں علامہ کے ساتھ ــــ

براتی بیگم کا سوال

"اری سر مونڈی باندی تو اتنا جھوٹھ
کیوں بولتی ہے، اللہ کرے تیری بوٹی

* اصل فارسی الکن کنیز کی صفت آئی ہے، اگرچہ اس کا ترجمہ 'ھکلی' کر دیا گیا ہے لیکن اس کے کلام کے نمونے سے اس کی زبان میں ھکلاھت نہیں بلکہ ایک قسم کی تتلاھٹ پائی جاتی ہے، جسے طب کی اصطلاح میں لثغہ کہتے ہیں ــــ (مترجم)

بوتی اوپر والیاں لے جائیں، اُڑجائے تو خیلا
خندی، میں نے کب سنیا ناس گئی تیرے میاں کی
جورو کا گلہ کیا۔ کہلے والی کو علی جی کی مار
ہووے، تڑپے تیرے دیدے سے، بیٹھے بٹھائے
کیا اُشغلا اُٹھایا ہے، بھس میں چلگاری ڈال
جمالو دور کھڑی"۔

کلام موتی خانم

اے صاحب آپ کیوں باندی بندوڑوں کے
منہ لگتی ہیں، ایسی باتوں سے ہوتا کیا
ہے، زناخی ہم تو آگے ہی یہ بات جانتے
تھے کہ اس زمانے میں غریب پر رحم کرنا
اچھا نہیں، پر کیا کریں اندر والا کمبخت
نہیں مانتا، کیا جانئے ایسے کرتوتوں سے
کیا جتن ہوتا ہے، اس چڈو کا کیا دوس
ہے کردۂ خویش آید پیش —

مولوی کرم الرحمٰن کی کنیز کا جواب

بیڈم صاحب، اِھتاں تھڈاے جانت ہے جو
میں تجھہ بھی تھے ہوں ترم سبھی میاں
اتھے رہیں، میں تو بولوں نہ چالوں جن آپ
سن آے یہ بات تہس ہے اور مورا نام

لہس ہے آ ہ ٹی ... ساں بانس تے دیوں میں
تو جیتی ناہیں ٹرت ٹہہ جاؤں تم بی بی
موری ٹا ڈِلاھُو میں تو بل بل جاؤں،
ٹمرے ٹٹرے ٹے آسرے پے آوت رہوں، اور
ٹمرا صد ٹا ٹھاوٹ رہوں اور ٹھا نم صاحب
ملہ ٹا ٹہن رہے ٹہ ہیاں ٹی ٹوئی بات باہر
ٹہی تو ٹی اپنا ٹیا پی ہے سو میں اب ٹا بورا نی
رہوں جو بی بی سن ٹہوں ٹہ بیٹم صاحب اور
ٹھا نم صاحب ٹم ٹاں برا ٹہت رہیں اور ٹمرا
دلارت رہیں ٹحتیت ٹروجہ ... جری ٹنیو
ٹہس ہوے رہتی نات ٹات ٹارو میلہ
ٹاتران ٹی ٹسم اور سلم جہدیں ٹریا میں
نا نہیں بولوں" —

بی ٹورن کسبی کا کلام میر غفر غینی ویائی سے:-

"اجی آؤ میر صاحب تم تو عید کے چاند ہوگئے، دلی میں آتے تھے دو دو پہر رات تک بیٹھتے تھے اور ریختے پڑھتے تھے لکھنؤ میں تمہیں کیا ہوگیا کہ کبھیں تمہارا اثر آثار معلوم نہ ہوا، ایسا نہ کیجیو کہیں آٹھوں میں بھی نہ چلو، تمہیں علی کی

قسم علی آنکھوں میں مقرر چلیو" -

[پہلے میر غفر غینی ویائی کا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے، ان کے آلات نطق میں ایک نقص تھا]- گفتگو کے وقت 'لام' اور 'راء' اکثر 'غین' ہوکر اور کبھی 'ی' ہوکر ان کی زبان سے نکلتے ہیں - ان کی ہیئت کذائی یہ ہے کہ کالا رنگ' کوتاہ قد' موٹی گردن ' لمبے کان ' پگڑی کی بندھن بعض بوڑھے قند سازوں کی سی' پگڑی کا رنگ سبز یا اگرئی ورنہ اکثر سفید' کبھی گلاب کا پھول پگڑی کے ایک طرف اڑس لیتے ہیں' اور جسے اصطلاح میں 'جامہ' کہتے ہیں وہ پہنتے ہیں، جو ان کے جسم پر خوب پھبتا ہے' موٹا لٹھہ کپڑا پہنتے ہیں باریک کپڑے سے اس لئے پرہیز کرتے ہیں کہ اسے عورتیں پہنتی ہیں' ان کی ساری پوشاک پر ڈھائی روپیہ صرف ہوتے ہیں' جامہ کی چولی چھاتی پر آتی ہے اس کے اوپر ایک پسنتولیہ ڈوپٹہ اس طرح ڈالتے ہیں کہ اس کا دامن زمین پر جھاڑو دیتا ہے' دانتوں میں مسی لگاتے ہیں' زرد بانات کی جوتی جس کے پنجے کے اوپر بیچوں بیچ چھوٹے سنہری تاروں کا ایک ستارہ بنا ہوا- اب کہ ان کی ہیئت معلوم ہوگئی کسبی عورت سے ان کا کلام سنئے :—

" اجی بی نوغن یہ بات کیا فغما تی ہو
تم تو اپنے جیوغے کی چین ہو پغ کیا کہیں
جب سے دغی چھوٹی ہے کچھہ جی افسغدہ
ہوگیا ہے، اوغ شعغ پغھنے کو جو کہو تو
اس میں بھی کچھہ غطف نہیں غہا،
مجھہ سے سلیمے اوغ غیختے میں اُستاد میاں
وغی ہوے انپغ توجہ شاہ گلشن صاحب کی
تھی، پھغ میاں آبغو اوغ میاں ناجی اوغ
میاں حاتم پھغ سب سے بہتغ مغزا غفیع
السودا اوغ میغ تقی صاحب پھغ حضغت
خواجہ میغ دغد صاحب بغدا غاہ مغقدہ
جو میغے بھی اُستاد تھے - وہ غوگ تو سب
مغگئے اوغ ان کی قدغ کغنے واغے بھی جاں
بحق تسغیم ہوے اب غکھنؤ کے جیسے چھوکغے
ہیں ویسے ہی شائغ ہیں اور دغی میں
بھی ایساہی کچھہ چغچا ہے تخم تاثیغ
صحبت کا اثغ - سبحان نغاہ یہ کون میاں
جغئت ہیں بغے شائغ کوئی ونسے پو چھے تو
تمھاغا خاندان کس دن شعغ کہتا تھا اوغ
غضا بھادغ کا کونسا کغام ہے۔ اوغ میاں

مصحفی کہ مطغق شعوغ نہیں فکھتے اگغ پوچھیے
کہ ھغب زید عمغاً کی ترکیب تو ذغا بیان
کغو تو اپنے شاگغدوں کو ھمغاہ فیکے فغلے آتے
ہیں - اوغ میاں حسغت کو دیکھو اپذا عغق
بادیان ۔اوغ شغبت انافیں کو چھوغ کے
شاعغی میں آکے قدم فکھا ہے - اوغ میغ انشاء
اغاہ خاں بچافے میغ ماشاء اغا کے بیٹے
آگے پغیزاد تھے ہم بھی گھوغلے کو جاتے تھے
اب چند فوز سے شاعغ بذگئے - مغزا مظہغ
جانجاناں صاحب کے فوز مغے کو نام فکھتے
ہیں - اوغ سب سے زیادہ ایک اور اوغ سنیے
کہ سعادت یاغ طہماسپ کا بیٹا انوفی
فیختے کا آپ کو جانتا ہے ' فذگیں تخغص ہے-
ایک قصاً کہا ہے - اس مثنوی کا دفپذیغ نام
غکھا ہے ذذدیوں کی بوغی اس میں باندھی
ہے - میغ حسن پغ زھغ کھایا ہے ' ھغ چند
اس مغحوم کو بھی کچھہ شعوغ نہ تھا بدغ منیغ
کی مثنوی نہیں کہی گویا سانڈے کا تیغ
بیچتے ہیں - بھغا اس کو شعغ کہوں کغ
کہیے سا فے فوگ فکھذو کے اوغ دفي کےذذدی

سے فیکر مغد تک پغھتے ھیں —

چغی واں سے دامن اُٹھاتی ھوئی
کغے کو کغے سے بچاتی ھوئی

سو اس بچا غے غلکیں نے بھی اسی کے طوغ پغ قصہ کہا ھے کوئی پوچھے کہ بھائی تیغا باپ غساغ داغ مسغم، غکین بیچا غا بغچھی بھاغے کا غکھنے واغا، تیغے کا چغانے واغا تھا تو ایسا کہاں سے قابغ ھوا۔ اوغ کغھائی چن جو بہت مزاج میں غنڈی بازی سے آگیا ھے تو غیختے کے تئیں چھوغ کغ ایک غیختی ایجاد کی ھے اس واسطے کہ بھغے آدمیوں کی بہو بیٹیاں پغھکغ مشتاق ھوں اوغ اُن کے ساتھ اپنا منہ کا غا کغے بھغا یہ کغام کیا ھے کہ :—

یہاں سے ھے کے پیسے دوغی کہا غو

اوغ نچوغی انگیا اوغ نگوغی انگیا اوغ مغوغی انگیا۔ اوغ مغد ھو کے یوں کہئے :—

کہیں ایسا نہ ھو کمبخت میں مافی جاؤں

اوغ ایک کتاب بنائی ھے اس میں غنڈیوں کی بوغی غکھی ھے۔ اوپغ واغیاں چیغیں، اوپغ

واغا چاند ، اجغی دھوبن ، اندغ . واغا
دغ ، اوغ سہ گانہ دو گانہ یگانہ زنانخی
افایچی دوست - اوغ میغے میں جانے کا
کونسا غطف ھے ، کس واسطے کہ فکھنؤ کے
گانے واقے بھی فوندے یا فلدیاں ھیں -
اگغ فوندے کو دیکھو تو دو پٹے بھغوے
سوفے کے بنائے ھوے یاد ھیں - سندھ
یا جنگغا یا کافی کے سوا بھنک کان میں
نہیں پغی - عجب طغح کے بوغ کہ فہم
میں نہیں آتے - گذا فادم کسی طغح ھو
جاندا یاغ سمھاغ پیغ دھغنا وغیغی صحغا
سجلوں دا - اوغ کپغے بھی دیکھو تو نئی طغح
کے ، سغ میں بیغیاں رکھے ھوے اوغ چوفی
بھی انگغکھے کی چو تغوں کے اوپغ ، اوغ
زاغ کے پائنچے بھی دھیغے ، اوغ جوتا بھی
بغنچو دانی داغ ، فاحوغ وفا قوت افا بغاہ -
اوغ فلدیاں بھی توتیے کے سوا گانے سے فبط نہیں
فکھتیں ھیں - چیغے واغا یاغ میغا دے میہی واغا
یاغ مھغادے ناجاوے متغم نا جا کبھی توسادفی
ساں کغادے ، اوغ جافی کی گنتی اوغ ناچ کی

انگیا اوغ دوپٹہ بھی گاچ کا اوغ پیغو بھی کھفا ہوا اوغ پائنجامہ بھی بے قغیذے دھیغے یا نیچے اوغ ازاغ بند کا دوغ بہتی بلا اوغ ناچنے میں مطغق نہ بتانا نہ سین نہ بون اوغ نہ گاتے کاتے سامنے آکے دامن پساغ کے بیٹھنا ایسی پھوھغ ہے سغیقہ سب کی سب کہ دوکوغی کے بیغ ان کے ہاتھہ سے کھانے کو جی نہیں چاھتا - اوغ جب مزے میں آویں گی تب ٹھمغی گاویں گی اوغ ٹھمغی بھی ایسی بغی کہ نعوذ بغاہ بھغا اس کے کیا معنے ، میغی گغی ہو پھیغ یا ہو ھتھیا چغھہ کے ایغو پیا موغا غوک جانیں سغداغ آیو ہو - اوغ اس پھوھغ پے پغ آپ کو گغم بھی جانتی ہیں اوغ ھغ ایک بغے آدمی سے ٹھٹھا کغنے کو مستعد ہوجاتی ہیں اوغ پھبتی بھی کہتی ہیں مجھہ کو ایک غنڈی دیکھہ کے کہنے غگی غاغاجی تم کہاں سے تشغیف غائے ہو - میں نے کہا جھوٹی کی ماں کی ...... سے ' کہنے غگی تم قغعی گغ ہو ' میں نے کہا کہ تم بھی اپنی دیغ کو دغست

کغواغو' قیں قیں قیں قیں قیں - اوغ
ایک زمانہ وہ تھا کہ بی کھمبا بائی اوغ
بی چمڈی بائی تھیں' کغ اناغ جو غا ھے تو
سبز انگیا' اوغ سبز جو غا ھے تو کیغ اناغ
انگیا' اوغ تانگوں میں بھی تلک ازاغ
کمخاب کی ایسی کہ چاغ گھغے میں کھینچو
تو کھنچے' اوغ نیچے ہٹے - اوغ ناک میں
نتھہ' اوغ کغتی گغے میں' پغ تکما خوبصوغت
سایا قوت کایا ھیغے کا یا زمغد کا اوغ بھاغ
دے غھا ھے - اوغ اس حسن و جماغ پغ مافے
شغم کے سغ اُتھا کے ندیکھنا اوغ بوغنا بھی
تو معقوغی بوغنا' اوغ منڈغ طنبوغے بغیغ
کبھی نہ گانا. اوغ غونڈے بھی ایسے کتھک
کے' کہ جن کو دیکھ کے پغی بھی بھچک
غھجاے - سافے سغ میں باغ کسی کے گغے میں
فاختائی جو غا اوغ کسی کے گغے میں
طوطکی اوغ کسی کے گغے میں غاغ - قطب
صاحب کی امغیوں تغے چھاؤں تغے دس باغ
نے جہاں بیٹھہ کغ اُس کو یغایا اوغ ناچ
شغوغ ھوا تہاں ھغ ایک طغف ناچتے ناچتے

سین بڈا کے غو بغو آکغ بیٹھہ گیا - ھغ ایک
نے پیسے ڈب میں سے نکاغ کغ دینے شغوع
کیے ۔ مثغاً چاغ فغوس جو تم نے دیے تو
پانچ فغوس میں نے بھی دیے - اسی طغح سے
ایک پھیغے میں باغہ ٹکے بغکہ پندغہ ٹکے
کماغیے اوغ بیٹھے بیٹھے اُسی عاقم کے بیچ
دو ٹکے تمغے ڈب سے نکاغے تو تین ٹکے میں نے بھی
نکاغے، اوغ کسی یاغ نے چھہ پیسے کسی یاغ نے
تین پیسے آٹھہ نو ٹکے کی تغشکغی، دمغی ٹکے کی
پاو سیغ کے حساب سے غیکے آدھی اُس غونڈے
کو حوالے کی اوغ آدھی میں ٹکغا ٹکغا سب
یاروں نے کھایا اوغ کسی آپ غواں کے کڈاغے
دغخت کی ڈاغی میں جھوغا جو پڑا ھوا ھے
تو وھاں دو چاغ پغیزاد کھغے ھیں ایک
طغف کوئی صاحب کماغ غزغ ایسی ھی کھغا
پغھتا ھے کہ جس کے ھغ ایک مصغے سے مغغغت
پغی ٹپکتی ھے ایک غزغ کے دو شعغ تو بندے
کو بھی یاد ھیں : —

پغدے کو اُغت کغ مکھغے سے جب یاغ نے جغواد کھغا یا
تب چھپ کے بشکغ انسانی نام اپنا محمد غکھوا یا

دقیغ ھے وصف اُس گیسو کا ایغو کو ھغاغ نہ کیونکہ کہوں
مازاغ کا سغما عغش پہ جا آنکھوں میں زوغ ھے کھغوایا
اوغ کوئی بندہ خدا کا یہ سہ حغفی پڑھ غہا ھے

نظام

اغف، اغاہ کو تو واحد جان — ب، بدی کا تو نہ فادغ میں دھیان
ت، توئی اوغ منی سے تو گذغ — ث، ثبات قدمی اصغل جان
ج، جی دوست پہ کغ دغ سے نثار — ح، حیا کو سمجھ جیوں ایمان
خ، خغدپغ نہ ھوا اتنا نازان — داغ، داداغ کو بھی تک پہچان
ذاغ؛ ذلت ھے بغی خواھش میں — غے، غب اپنے کو نہ بھول اب اک آن
ز، زمانے میں غہ جوں شیغ و شکغ — سین، سب زغی ھیں خوغ شید کی شان
شین، شکغ اپنے خدا کا کیجیے — صاد، صوغت کو نہ پوچ اے نادان
ضاد، ضد حشم و جاہ ھے فقغ — طوے، طاغب ھے خدا کا انسان
ظوے، ظاغم کو نہ کہیے اچھا — عین، عاغم ھے خدا کی برھان
غین، غنچے کی طغح تنگ نہ غہ — ف، فغا یاغ پہ کیجیے سو جان
قاف، قدغت سے خدا کی معموغ — کاف، کغنے سے مشکغ آسان
غام، غازم ھے عبادت حق کی — میم، مغنا ھے مغی جان ندان
نون، نادان سے نہ کیجیے یاغی — وا، واجب ھے سبھوں پغ احسان
ھے، ھدایت کی کغو جستجو — ی، یقیں تیرا ھے غہبغ مغی جان

[میر غفر غینی کی گفتگو صاف زبان میں یوں ھوگی -

" اجی بی نورن! یہ کیا بات فرماتی ھو، تم تو اپنے جھوڑے کی چین ھو، پر کیا کہیں، جب سے دلی چھوڑی ھے کچھ جی افسردہ ھوگیا ھے، اور شعر پڑھنے کو جو

کہو تو اس میں بھی کچھہ لطف نہیں رہا - مجھہ سے سنیے ریختے میں اُستاد میاں 'ولی' ہوے، ان پر توجہ شاہ گلشن صاحب کی تھی - پھر میاں آبرو اور میاں ناجی اور میاں حاتم - پھر سب سے بہتر مرزا رفیع السودا اور میر تقی صاحب پھر حضرت میر درد صاحب بردالله مرقدہ جو میرے بھی اُستاد تھے وہ لوگ تو سب مرگئے اور ان کی قدر دانی کرنے والے بھی جان بحق تسلیم ہوے اب لکھنؤ کے جیسے چھوکرے ویسے ہی شاعر ہیں، اور دلی میں بھی ایسا ہی کچھہ چرچا ہے، تخم تاثیر صحبت اثر- سبحان الله، یہ کون میاں جرأت، بڑے شاعر پوچھو تو تمہارا خانماں [آزاد نے اسے 'راے ماں' لکھا ہے*] کس دن شعر کہتا تھا اور رضا بہادر کا کون سا کلام ہے - اور وہ دوسرے میاں مصحفی، کہ مطلق شعور نہیں رکھتے، اگر پوچھیے کہ 'ضرب زیدٌ عمراً' کی ترکیب تو ذرا بیان کرو، تو اپنے شاگردوں کو ہمراہ لیکر لڑنے آتے ہیں - اور میاں حسرت کو دیکھو، اپنا عرق بادیان اور شربت اناریں چھوڑ کے شاعری میں آکے قدم رکھا ہے، اور میر انشاءالله خاں، ہمارے میر ماشاءالله خاں کے بیٹے، آگے پری زاد تھے، ہم بھی گھورنے جاتے تھے، اب

* عبدالحق -

چند روز سے شاعر بن گئے - مرزا مظہر جان جاناں کے روز مرے کو نام رکھتے ہیں - اور سب سے زیادہ ایک اور سنیے کہ سعادت یار طہماسپ کا بیٹا، انوری ریختے کا آپ کو جانتا ہے - رنگین تخلص ہے - ایک قصہ کہا ہے، اُس مثنوی کا دل پذیر نام رکھا ہے، رنڈیوں کی بولی اس میں باندھی ہے، میر حسن پر زہر کھایا ہے - ہرچند اس مرحوم کو بھی کچھ شعور نہ تھا، بدر منیر کی مثنوی نہیں کہی، سانڈے کا تیل بیچتے ہیں - بھلا اس کو شعر کیونکر کہیے، سارے لوگ لکھنؤ کے اور دلی کے رنڈی سے لیکر مرد تک اسے پڑھتے ہیں - بیت

چلی وہاں سے دامن اُٹھاتی ہوئی کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

سو اس بچارے رنگین نے بھی اسی طور پر قصہ کہا ہے، کوئی پوچھے کہ بھائی، تیرا باپ رسالدار مسلم، لیکن بچارا برچھی بھالے کا چلانے والا تھا - تو ایسا قابل کہاں سے ہوا - اور کراھی پن [یا کلاھی پن، معلوم نہیں یہ کیا لفظ ہے، لیکن آزاد نے شہد پن کا لفظ لکھ دیا ہے اور اس لفظ کو صاف اُڑا گئے ہیں]* جو بہت مزاج میں رنڈی بازی سے آگیا ہے، تو ریختے کے تئیں چھوڑ کر ایک ریختی ایجاد کی ہے - اسواسطے کہ بھلے آدمیوں کی

* عبدالحق -

بیٹیاں پڑھکر مشتاق ہوں اور ان کے ساتھ اپنا منھ کالا کرے، بھلا یہ کلام کیا ھے - (ع)

یہاں سے ھے کے پیسے ڈولی کہارو

اور نچولی انگیا اور نگوڑی انگیا اور مروڑی انگیا- اور مرد ہو کے یوں کہے ع :- کہیں ایسا نہو کمبخت میں ماری جاؤں-اور ایک کتاب بنائی ھے، اُس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ھے - اوپر والیاں، چیلیں - اوپر والا، چاند - اُجلی، دھوبن - اندروالا، دل - اور سہ گانا، دوگانا، یگانا، زناخی، الایچی (بمعنی) دوست - اور میلے میں جانے کا کون لطف ھے - کس واسطے کہ لکھنؤ کے گانے والے بھی لونڈے یا رنڈیاں ہیں- اگر لونڈے کو دیکھو تو دو پٹے بھڑوے شولے کے بنائے ہوے یاد ہیں سندہ یا جنگلا یا کافی کے سوا بھنک کاں میں نہیں پڑی - عجب طرح کے بول کہ فہم میں نہیں آتے ــــ

گدالا دم دادے کسی طرح ہو جاندا یار سمہال
پیر دھرونا و لیلی مجنوں دا

اور کپڑے بھی دیکھو تو نئی طرح کے، سر میں ببریاں رکھے ہوے، اور چولی انگرکھے کی چوتڑوں کے اوپر اور ازار کے پائنچے بھی ڈھیلے اور جوتا بھی بڑچود انی دار- لاحول ولا قوة الا باللہ - اور رنڈیاں بھی ٹپے کے سوا گانے سے

ربط ھی نہیں رکھتی ھیں - چہرے والا یار میلاوے مہہے والا یار میلاوے نا جاوے محرم نا جا کبھی تو ساتلی ماں گتّاوے - اور جالی کی کرتی اور کاچ کی انگیا اور دوپٹا بھی کاچ کا اور پیڑو بھی کھلا ھوا اور پائجامہ بھی بے تریلے ڈھیلے پا ئنچے اور ازار بند کا ڈول بھی ایسا کہ بھتی بلا ' اور ناچلے میں مطلق نہ بتانا نہ سین نہ بین ' اور نہ گاتے گاتے سامنے آکے دامن پسار کے بیٹھنا - ایسی پھوھڑ بے سلیقہ سب کی سب کہ دو کوڑی کے بیر ان کے ہاتھہ سے کھانے کو جی نہیں چاھتا - اور جب مزے میں آویںگی تب ٹھمری گاویںگی ' اور ٹھمری بھی ایسی بری کہ نعوذ باللہ اس کے کیا معنے' میری گلی پوپھیریا ھو ھتھیا چڑہ کے آیو پیا مورا لوگ جانیں سردار آیو - اور اس پھوھڑپے پر آپ کو گرم بھی جانتی ھیں ' اور ھر ایک بھلے آدمی سے ٹھٹھا کرنے کو مستعد ھو جاتی ھیں ' اور پھبتی بھی کہتی ھیں —

مجھہ کو ایک رنڈی دیکھہ کے کہنے لگی : " لالا جی ' تم کہاں سے تشریف لاے - میں نے کہا کہ جھوٹے کی ماں کی ...... سے " کہنے لگی " تم قلعی گر ھو" میں نے کہا کہ " تم بھی اپنی دیگ درست کروا لو " - قیں قیں قیں قیں قیں قیں !! - اور ایک زمانہ وہ تھا کہ بی کھمبا بائی اور بی چملی بائی تھیں - گل انار جوڑا ھے تو سبز انگیا

اور سبز جوڑا ہے تو گل انار انگیا، اور ٹانگوں میں تنگ ازار کمخاب کی ایسی کہ چار گھنٹے میں کھینچو تو کھنچے اور نچے ہٹے - اور ناک میں نتھہ اور کرتی گلے میں تکمہ خوبصورت سا یا قوت کا یا ہیرے کا یا زمرد کا اور [ھی] بہاردے رہا ہے ' اور اس حسن و جمال پر مارے شرم کے سر اُٹھا کے نہ دیکھنا اور بولنا بھی تو معقولی بولنا اور مندل طنبورے بغیر کبھی نہ گانا ' اور لونڈے بھی ایسے کتھک کے کہ جن کو دیکھکے پری بھی بھچک رہ جائے - سارے سر میں بال ' کسی کے گلے میں فاختائی جوڑا کسی کے گلے میں طوطکی ' اور کسی کے گلے میں لال ' قطب صاحب کی اِملیوں کی چھانوں تلے جہاں دس بیٹھہ کر اُسکو بلایا اور ناچ شروع ہوا ' تہاں ہر ایک طرف ناچنے ناچنے سین بتا کے روبرو آکر بیٹھہ گیا ' ہر ایک نے ڈب میں سے پیسے نکال کر دینے شروع کیے مثلاً چار فلوس جو تم نے دیے تو پانچ فلوس میں نے بھی دیے ' اسی طرح سے ایک پھیرے بارہ تکے بلکہ پندرہ تکے کما لیے اور بیٹھے بیٹھے اُسی عالم کے بیچ دو تکے تملے ڈب میں سے نکالے تو تین تکے میں نے بھی نکالے اور کسی یار نے چھہ پیسے ' کسی یار نے تین پیسے ' آتھہ نو تکے کی تلشکری دمڑی تکے کی پاؤ سیر کے حساب لیکے '

آدھی اُس لونڈے کو حوالے کی اور آدھی میں ٹکڑا ٹکڑا سب یاروں نے کھایا - اور کسی آب رواں کے کنارے درخت کی ڈالی میں جھولا جو پڑا ہوا ہے تو وہاں بھی دو چار پریزاد کھڑے ہیں ' ایک طرف کوئی صاحب کمال غزل ایسی ہی کھڑا پڑھتا ہے کہ جسکے ہر ایک مصرعے سے مغفرت پڑی ٹپکتی ہے- ایک غزل کے دو شعر تو بندے کو بھی یاد ہیں†]-

تفضل حسین خاں علامہ کے شاگرد کی گفتگو

بادام سنگھ کے خدمتگار سے

" اس رئیس الاشقیا بادام سنگھہ نے آپ کو کیا قرار دیا ہے کہ روس و غطارفہ کے ساتھہ دم تساوی مارتا ہے اور عواقب امور سے بے اندیشہ محض ہو کے طوالت تقاریر سے صماخ سامعین پریشان کرتا ہے ' زمانے کا حال علی انتہاء شتی ہے یہ بات کچھہ عقل سلیم اور ذہن مستقیم کے نزدیک استحسان نہیں رکھتی ' غایتہ مافی الباب یہ کہ سفہاء دھاقین کے اذہان قاصرہ میں مرتسم ہو کہ یہ شخص اکفا و اماثل میں بڑا طلیق ' ذلیق اور لوذعی المعی لا یکل لسانہ فی الکلام ہے ' لو فرض و سلم کہ کوئی

† صفحات ۹۳ ' ۹۴ پر اصل گفتگو کے سلسلے میں درج ہیں-

اس کے مزخرفات پر فرط اخلاق سے راد نہ
ہو تو پھر بھی اس کی مساوات ان اشخاص
منیع القدر کے ساتھہ ماموتی کے زاویتین
کی طرح ساقین کی تساوی کے سبب ثابت
نہ ہو سکے گی "۔

علامہ تفضل حسین خاں کے شاگرد کے کلام کی شرع

رئیس الاشقیا، بدبختوں کا سردار - روش و فطارفہ، دونوں کے معنی سرداروں - عواقب امور، انجام کار، نتیجے - طوالت تقاریر، تقریروں کی درازی، طول کلام - صماخ سامعین، سننے والوں کے کان کا پردہ - انحاء شتی، بہت قسمیں، طرح طرح کا - غایۃ مافی الباب، مقصود کا منتہا، مرکوز خاطر - سفہائے دھاقین، کمینے گنواری وضع کے - اذہان قاصرہ، کند یا چھوٹے ذہن - مرتسم، منقوش - اکفا و اماثل، ہم چشم، ہم سر - طلیق و ذلیق، تیز زبان اور خوش کلام - لو فرض و سلم، اگر فرض کیا جائے اور تسلیم کیا جائے - لوذعی الھعی، تیز رائے - لایکل اسا ذہ فی الکلام، گفتگو میں اس کی زبان نہیں رکتی - مزخرفات، بیہودہ باتیں، یاوہ گوئی - 'راد'، رد کرنے والا - منیع القدر، بلند مرتبہ والا - ماموتی، اقلیدس کی ایک شکل جس میں مثلث متساوی الساقین کے ضلعوں کو

برابر ثابت کیا جاتا ھے ' یعنی اس سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ بادام سنگھ یقیناً عالی شان سرداروں کے هم پلہ ھے —

خان صاحب کے شاگرد سے بادام سنگھ
کے خدمتگار کی تقریر

" همبے صاحب ! اِیھیں اِیھیں خیھیں
خیھیں قیھیں قیھیں گُھونھہ گُھونھہ کھواو
کھواُو کنچھیں کا ھے دیت ھو ' بادنا ہو اورئی
حتو جو آیو حتوہو جانت کہا حتو کہ آپ کو حتو
ھیں گنور جو تُہاری اورئی بات ھے تھا کر
بادام سنگھ آپ کو اپنو کنا جانت ھیں تہاری
کہا کہیے ' عربی پارسی جانت ھو ' مہاراج
تم سو بڈیا ندھان کو ڈھونا ھیں اور جو آپ
نے کہی سو هم جانی حوں تو آعو کو حتوھوں
پورعاں اور سہجنے کو عچار مانگت ھو " —

اس کی شرح یہ ھے ' ھمبے صاحب ' ہاں صاحب - صاحب ' اور ' کنچھیں ' کے درمیان جو الفاظ ھیں وہ هنسنے کے مختلف مراتب کی نمایندگی کرتے ھیں چنانچہ :- ' اِیھیں ' (دونوں یائے مجہول) ' یہ برج والوں کی هنسی کی آواز ھے ' حاء حطی اگرچہ برج کی زبان کا حرف نہیں

لیکن، ہنسی کے وقت اُن کے گلے سے اسی کی آواز نکلتی ہے، جب ہنسی ترقی کرتی ہے تو ' ایہیں ' جو تھا ' خیہیں ' ہو جاتا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھکر ' قیہیں ' بن جاتا ہے، ان تینوں کے اعراب بالکل ایک ہی ہیں - ' کھونھہ ' (واؤ معروف ' نون غنہ) ہنسی کے کم ہونے کی آواز ہے - اور ' کھواُو ' ہنسی کے ختم ہونے کی آواز ہے - ' کنچبین ' (نون غنہ ' یاء مجہول) ' طعنے - ' کا ہے ' کیوں ؟ کس واسطے ؟ - ' دیت ہو ' (یاء مجہول) ' دیتے ہو ' ' باد نا ' (وادن ' واؤ اور ب کا بدل ہے) ' اُس دن - ' بو ' (واؤ مجہول) ' وہ - ' اورئی ' اور ہی ' دوسرا - ' حتو ' (واؤ مجہول) ' تھا - ' جو آیو ' (واؤ مجہول) ' جو آیا - ' جانت کہا حتو ' جانتا کیا تھا کہ - ' آپ کو حتو ہیں ' کو بمعنی کہ ' استفہاماً - ' کنور ' ایک مشہور خطاب جیسے نواب ' خان - ' تہاری ' تمہاری - اورئی ' اور ہی - اپنو ' اپنا - ' ککا ' (کاکا) چچا ' بزرگ - ' جانت ہیں ' جانتے ہیں - عربیّ (تشدید کے ساتھ) '' برج کے گنواروں کا لہجہ - ' تم سو ' تم سا ' تم جیسا - ' بڈّ یا فذ ھان ' فاضل - ' کوعو ' (کوؤ) کوئی ' کوئی بھی - ' نانہیں ' نہیں - کہی ' کہا - ' ہم جانی ' میں نے جانا - ' ھوں تو آعو کو حتو ہوں ' میں خود آؤ (آؤ نام ہے ایک گانو کا)

کا زھلے والا ھوں؛ آعومیں عین کی آواز ھمسی کے جوش سے پیدا ھوئی ورنہ عین حاء حطی کی طرح ھندی میں نہیں ھے۔ 'پورعاں' پوریاں۔ 'سہجنا' ایک درخت کا نام۔ 'عچار' اچار۔ 'مانگت ھو' مانگتے ھو —

دہلی اور لکھنؤ کا موازنہ

کہاں تک سچ بات کو چھپاتا' میں سچ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس کسی کو دعویٰ ہو کہ دہلی کی زبان اور پوشاک لکھنؤ کی زبان اور پوشاک سے بہتر ہے تو آئے مقابلے میں۔ اور اگر یہ دعویٰ دلیل کے بغیر ہے تو اس کا کلام سید بزرگ دہری مذہب والے کا سا ہے جس کو ایک ملّا سے سابقہ پڑا تھا۔ جب اس کے قصے کی حالت دیکھکر ایک دوست نے پوچھا کہ میر صاحب یہ کس پر قیامت توڑی جارہی ھے تو فرمایا کہ:—

" قبلہ خیر است' ایں مرد کہ صاحب نماز و روزہ رابہ بینید کہ چہ قدر حوصلہ پیدا کردہ است کہ با ما مردم کہ از ابتدائے عمر اِلیٰ یومنا ھذا خدائے ایں قوم را سجدہ نکردہ ایم مباحثہ می کند' و دیگر ایں کہ ھر کس بہ زعم خود پسندیدۂ خود را بہ از پسندیدۂ دیگرے می داند و از راہ نادانی بہ عیب خود را نمی رسد' مثل قادہ اجورہ

دار باشندۂ دیہہے از کدام قصبۂ پورب کہ کتابت دوستے برائے شخصے با سوغاتے بردہ بود، بہ حسب اتفاق آن بزرگ از دوسہ روز بخار خفیفے ہم داشت، بہ وقت رسیدن قاصد در مسجد اذاں گفت و نماز را گزاردہ مردکہ ایں حال رادیدہ، گریخت و نزد صاحب کتابت آمدہ ظاہر نمود کہ :-

گنوار اجورہ دار کی گفتگو

" پُن ویتو صاحب بنائے کے بِحال ہیں کہن اُتھت کہن بیٹھت کہن دوؤ کنوں ماں انگری دیکے بڈری تن چنوت برداس بھبھیات کو کرنا نہیں چچیات ہیں، کہن پتوا مسوس دوؤ ھتھوں پے بل دیکے للات بھویں ھے ٹیکا چوترا اتھائے نکیا رگرت ہیں، انکاں تو اھر تھر لاگ ھے، جو پیے ودار بدنی ہوئے تو دیکھہ آؤ ھو سو گات سسری انہیں پتک میں تو بھاگ تھار بھا "۔

اب اس کی شرح سنئی چاہئے 'پُن' پورب میں اجی کی جگہہ بولتے ہیں - 'ویتو' (= وے تو)' وہ تو - 'بنائے کے' بہت ہی - 'بِحال' بے حال' برے حال'

بیمار - کہن (کہہ مفتوح)، کبھی - 'اُتھت' اُتھتے ہیں -
'بیٹھت' بیٹھتے ہیں - دوؤ کنون ماں' دونوں کانوں میں -
انگری (الف مفتوح نون غنہ ساکن الف سے مخلوط التلفظ)،
اُنگلی - 'دیکے' (دال اور کاف مفتوح)' دیکر - 'بدری تن
چتوت' ('ر' مفتوح' 'ت' مفتوح)' بادل کی طرف دیکھکر -
'برداس بھبھیات' 'پہلا الف تلفظ میں غایب بھی
ہو جاتا ہے) بیل کی سی آواز نکالتا ہے - گُوکرنا نہیں
چیچیات ہیں' کتے کی طرح شور کرتے ہیں - پٹوا مسوس'
پیٹ مل کر - 'دوؤ ھتھون پہ بل دے کے' دونوں ھاتھوں
پر زور ڈال کر - 'للات بھوین ھے ٹیک' زمین پر پیشانی
ٹکا کر - 'نکیا رگرت ہیں' زمین پر ناک رگڑتے ہیں -
اُنکاں تو آھر تھور لاگ ھے' اُن پر نزع کی حالت طاری
ھے - 'جوپی وہ دار بدی ھوے تو دیکھہ آؤ ھو' اگر
دیکھنے کا شوق ھے تو دیکھہ آؤ - سو کات سُسری اوھیں پتنگ
میں تو بھاگ تھار بھا' کمبخت سوغات کو زمین پر
پٹک کر میں تو بھاگا ۔

اگر ایسی سامعہ خراش گفتگوئیں جو روح فرسا
ھیں فصحا کے کلام کے برابر ھیں تو ھوسکتا ھے کہ دھلی
کے باشندوں کی زبان اور پوشاک لکھنؤ والوں کی
پوشاک اور زبان کے برابر ھو - اور جب کہ یہ واقعہ

بھی ثابت ہوجاے تو ممکن ہے کہ نواب عمادالملک کی فصاحت جناب عالی [نواب سعادت علی خاں والیء اودہ] کی فصاحت کے ہم پلہ اترے - چونکہ قاصد مذکور کی گفتگو کو نواب عمادالملک کی گفتگو کے برابر کہنا غلط ہے اور اسی طرح شاہ جہان آبادیوں اور لکھنو کے اُردو دانوں کی مساوات غلط ہے پس اسی طرح خوش بیانی میں نواب موصوف کی برابری حضرت پیرو مرشد سے بدیہی طور پر غلط ہے - جس کو اس قول میں خوشامد کا شبہہ ہو وہ حضور عالی کی خدمت میں خصوصاً 'ہولی' کے دنوں میں حاضر ہو تاکہ دیکھ لے کہ راجہ اِندر پریوں کے جھرمٹ میں زیادہ زیب دیتا ہے یا ولی نعمت حور نژادوں کے مجمع میں یا موتی نیساں سے برستے ہیں یا جناب ممدوح کی زبان مبارک سے -

دہلی کے متعلق مصنف کے پہلے اور پچھلے قول کی توجیہ

میں نے جو پہلے شاہ جہان آباد کی توصیف کی اور یہاں اس کی مذمت کر رہا ہوں یہ بہت باریک بات ہے جس کے سمجھنے میں نازک خیال آدمی بھی ٹھوکر کھاتا ہے اور نہیں جانتا کہ پھولوں کا یہ سب رنگ و بو شاہ جہان آباد ہی کی پر بہار فضا کا ہے' اور اس ترجیح سے لکھنؤ کی سرزمین اور آب و ہوا کو دہلی کی سرزمین اور

آب و ہوا پر فوقیت دینا مقصود نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ایک تنبیہ ہے جو حماقت سے فصاحت اور بلاغت پر شاہ جہان آباد میں تولد ہونے کی قید لگاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اُن کی زبان اردو جو فصاحت و بلاغت کی کان مشہور ہے وہ ہندوستان کے بادشاہ کی (جس کے سر پر فصاحت کا تاج زیب دیتا ہے) اور چند امیروں اور ان کے مصاحبوں اور چند مخدرات مثل بیگم و خانم کی اور کسبیوں کی زبان ہے - جو لفظ اُن میں استعمال ہوا، اردو ہوگیا - یہ بات نہیں ہے کہ جو کوئی بھی شاہ جہان آباد میں رہتا ہے وہ جو کچھ بولے سند ہے * -

* انجمن ترقیء اُردو کے فاضل ناظم معتمد مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے فارسی اڈیشن کے مقدمے میں کھول کر لکھدیا ہے کہ سید انشا کو دہلی اور لکھنؤ کی زبان کے موازنہ میں کن دقتوں کا سامنا تھا - تھے وہ دہلی کے اور دہلی کی فصاحت کے قایل اور رہتے تھے لکھنو میں اور شاہ اودہ کی ملازمت میں - لیکن انشا آخر انشا تھے مقابلہ میں جو نمونے انہوں نے پیش کئے اس میں گہری چال چل گئے، بھلا بہاڑ امل جیسے لوگوں کو اردو سے واسطہ - اور پیدائشی مقام وغیرہ کی نسبت جو ان کا قول ہے وہ ہر زبان اور ہر ملک پر عاید ہے - رہے مغل پورہ والے، ان کو انہوں نے سرے سے دہلوی مانا ہی نہیں - سید کی مصلحت اندیشی اور نکتہ سنجی کی داد دیجئے - (مترجم)

مغل‌پورہ اور بارھہ، پھر

اگر ایسا ہو تو پھر مغل پورہ والوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کی زبان کو معیوب اور اردو کے خلاف قرار دیا جاتا ہے؛ یا سادات بارھہ کی اولاد جو دارالخلافت میں رہتی ہے، ان کی زبان کیوں نہ سند مانی جاے - یہ معما آسانی سے حل ہو سکتا ہے، یعنی اہل مغل پورہ اور سادات بارھہ دہلی میں پیدا ہونے کے باوجود اردو کے اہل زبان نہیں، اس کی وجہ یہ کہ وہ اپنے ماں باپ اور دوسرے بزرگوں سے وطن شریف اور وہاں کے باشندوں کے اوصاف سنتے رہے ہیں یعنی شجاعت، سخاوت، مسافر نوازی، آقا پرستی، پیراکی، ہر بزرگ سے الجھ پڑنا اور اس کے سامنے اکھڑ پن اور گستاخی سے بات کرنا؛ اپنی شجاعت کے غرور سے کسی کی بات نہ سننا، زبان کی صحت پر متوجہ نہ ہونا؛ معترض کو تلوار دکھانا، اور شہر کے اوباشوں کی وضع کو، جن کے لباس میں گوٹہ کناری ہو برا سمجھنا، پگڑی کی بندش اور بول چال میں اسلاف کی پیروی کرنا اور پاے تخت کے خوش پوشوں کی تقلید کو شرافت کے طرز کا منافی سمجھنا - ایسی باتیں بچپن سے ان کے کانوں میں پڑتی رہتی ہیں، اور وہ ہر چیز میں اپنے باپ دادا کا چربہ بننا چاہتے ہیں ٭

اور ایسے آدمی سے بہت خوش ہوتے ہیں جو کہے کہ فلاں شخص شاہ جہان آبادیوں کی صحبت سے اپنے بزرگوں کی زبان، چال ڈھال اور پگڑی کی وضع کو بھول گیا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس شہر کا ایک لفظ بھی آپ کی زبان پر نہیں چڑھا - اور امرا کی مصاحبت اور ان کی سرکاروں کی ملازمت کو بڑا عیب جان کر رهتک، گوہانہ، بڈھانہ، اندری، کڑھام، انبالہ، هانسی، حصار، هوڈل اور پلول وغیرہ کی فوجداری پر گرتے ہیں - اور وهاں پہنچ کر اهل مغل پورہ کو بڈھور لیتے، جن کے بزرگ لاهور، پشاور، کابل، غزنی، بلخ، بخارا، اور سمرقند سے نکل کر آے ہیں اور جو خود پشاوری ٹوپی سر پر ٹیڑھی رکھ کر اس طرح کہ ایک آنکھ اس سے ڈھک جاے باہر پھرتے ہیں اور بھائی کو بھائی صاحب یا بھیا یا بھائی جان کہنا عیب جان کر 'آکا' ہی کہتے ہیں -

اور حضرات بارهہ شاہ جہان آباد کے لوگوں کو بیوفا، بزدل جان کر میراں پور، موانہ، کتھورہ، جانسٹھ، ککرولی اور بدولی کے آدمیوں کو پرگنہ میں آباد کرتے ہیں اور خمیری روٹی گاجر پڑے ہوے باسی گوشت سے مزے لے لے کر کھاتے ہیں - اور دو سو حصے کے قریب برادری میں بانٹتے ہیں -

ہر حصہ میں یہ چیزیں ہوتی ہیں :- ایک پیالہ ماش کی چھلکوں والی دال کا بھرا ہو، دال ایسی کہ ایکا ہندوستانی من میں آدہ سیر گھی پڑا ہوا، اسی کیفیت کا لحم البقر، آدہ سیر وزن کی دو خمیری روٹیاں۔ کھانے کے بعد ہاتھہ دھو کر دھلی کے امیروں کے عیب بگھانتے بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہندوستان کے امیر آدہ سیر پلاؤ پر بیس روپیہ خرچ کرتے ہیں اور اکیلے خلوت میں بیگم، یا خانم یا معشوقہ کے ساتھہ زہر مار کرتے ہیں اور ایک دو لقمے جو ان کے خوان نعمت سے باہر آتے ہیں وہ سفر دائی یا قرم ساق کا حق ہے - اسی سے تو ہندوستان خراب ہوا، ایسے کھاؤنے سے تو گو کھاؤنا بہتر" ـــ

مصنف کا محاکمہ

ہندوستان کی تباہی کے بارے میں سید صاحب نے * جو فرمایا سچ کے نزدیک ہے، لیکن بے سلیقہ پن کو سلیقہ کہہ نہیں سکتے۔ قصہ مختصر جو کچھہ کہا گیا ہے ان کے خلاف ہے جو لوگ ایسی ہر چیز سے احتراز کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ماں باپ کے رویہ کے خلاف اور اہل سلیقہ کے مطابق پاتے ہیں مثلاً بول چال، اور کھانا پہننا وغیرہ۔ اور اپنے ہی بوجھہ بجھکڑ لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔

---

* بارھہم کے سید سے مراد ہے - (مترجم) ـــ

امیروں کے ٹھکانوں میں گھس پیٹھ کر خلوت و جلوت میں دمساز بن جاتے ہیں اور اہل سلیقہ ان کی جس بات پر ناک بھوں چڑھائیں اسے چھوڑ دیتے ہیں اور معترضوں کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ایسے لوگوں کو اہل زبان اور اردو کا مالک کہتے ہیں اور یہ اس زبان کے مالک ہیں اور دوسرے ان کے شاگرد۔ اس صورت میں جو کوئی خوش گفتاری میں ان کا پیرو ہو گیا خواہ اس کی پیدایش اتفاق سے دہلی میں ہوگئی ہو خواہ بندیل کھنڈ کے کسی پرگنہ میں یا پورب کے کسی قصبہ میں، لیکن شرافت اور اصالت کی شرط ہے یعنی اس کے ماں باپ دہلی کے ہوں، ایسے آدمی کو وہ فصیحوں میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ انسانی طبیعت میں ایجاد کی قوت خدا کی دین ہے اس لئے امتیاز کا یہ درجہ نہیں ہے کہ سلیقہ میں متاخرین کو متقدمین سے زیادہ کہا جاے، جو چیز زمانۂ قدیم میں نکلی زمانۂ آیندہ کے شعور والے اس کی رونق بڑھاتے ہی ہیں، چنانچہ عمارت اور پوشاک وغیرہ میں اب پہلے زمانے سے ترقی ہے، اسی طرح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میر عماد اور آقا رشید کے خط کو میر علی کے خط پر ترجیح

نہیں - اور اس میں بھی شک نہیں کہ بعد میں آنے والے اسلاف کے احسان کے بوجھ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ جو اول ہے وہ استاد اور موجد مانا جائے گا اور جس کا نمبر اس کے بعد ہے وہ پیرو اور متقدمین کی ایجاد کی ہوئی چیزوں کو ترقی دینے والا کہا جائے گا - بحث کا ملخص یہ ہے کہ جس طرح نئے موجد کا کمال قدیم موجد کے کمال سے ثابت ہے اور نئی چیز کے مقابلے میں پرانی چیز پھٹے پرانے کپڑوں کی طرح رد ہوجاتی ہے - [اسی طرح] لکھنؤ کے معشوقوں کی زبان، پوشاک اور اداؤں کی فوقیت دہلی کے معشوقوں پر ظاہر اور صریح ہے - کس واسطے کہ اہل لکھنؤ نے کھانے، پہننے اور دوسری باتوں کا سلیقہ اپنے والدین سے سیکھا ہے - پس ان چیزوں میں وہ ان کی مانند ہیں - اور جدت انھوں نے آواز کی نزاکت، حسن تکلم - دلاویز، اداؤں اور لباس کی وضع قطع میں کی ہے وہ اپنے بزرگوں کی معلومات کا نتیجہ ہے - مختصر یہ کہ اہل شاہجہان آباد سے زیادہ فصیح و بلیغ اور لطیف ہیں -

دہلی کی فوقیت کی تین دلیلیں

لیکن دہلی کی فوقیت پر تین دلیلیں موجود ہیں (۱) صاحبان لکھنؤ یہی تو کہتے ہیں کہ ہم شاہ جہان آبادیوں سے زیادہ سلیقہ مند

ہیں - یہ تو نہیں کہتے کہ ہمارا سلیقہ اہل بنگالہ سے بڑھکر ہے اور ہم کلکتہ والوں سے زیادہ فصیح ہیں - پس کوئی خوبی توشاہجہان آباد میں ہے کہ دوسرے شہروں کے فصحا اپنے کلام اور وضع کو اُس شہر ہی کی زبان اور وضع پر ترجیح دیتے ہیں - (۲) لکھنؤ والوں کو جن کے بزرگ یہیں (دھلی) سے گئے تھے وہاں جو پوربی کہا جاتا ہے ' اُن سے یہ کہنا ہے کہ وہ لکھنؤ میں پیدایش کے باوجود اپنے کو دھلوی سمجھیں اور وہاں کے قدیم باشندوں کو پوربی - (۳) اگر ان سے کوئی دریافت کرتا ہے کہ آپ خود ہی لکھنؤ میں پیدا ہوے ہیں یا آپ کا وطن یہی ہے تو وہ ناک بھوں چڑھا کر اس کی طرف گرم نظروں سے دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں ' خدا نہ کرے کہ یہ ہمارا وطن ہو تمھیں ہماری کس بات سے شبہ ہوا کہ وطن کی نسبت دریافت کیا - آیا ہمارے لباس کو پورب کا لباس سمجھے یا ہماری گفتگو کا انداز شاہ جہان آبادیوں کے خلاف جنچا - اگر محاورۂ اردو کے خلاف کوئی لفظ ہماری زبان سے نکلا ہو تو بے تکلف بتاو تاکہ آیندہ احتیاط رکھیں" - اس موقع پر اگر طرف ثانی یہ کہے کہ آپ کا فلاں لفظ اردو کے محاورہ کے خلاف ہے تو جواب دیتے ہیں کہ فلاں میر صاحب جو

شاہ جہان آباد میں شاہ بولا کے بڑ کے نزدیک رہتے تھے یہ لفظ گفتگو میں اکثر استعمال کیا کرتے تھے - یہ نہیں جواب دیتے کہ فلاں مغل جو نیپھرہ یا منصور نگر میں رہتا ہے وہ لفظ استعمال کرتا تھا - ان حالات سے یہ یقین ثبوت کو پہنچتا ہے کہ ہر شہر کے فصیح آدمی اپنے کلام کی سند دہلی کے فصحا سے لیتے ہیں —

اور دہلی پر لکھنؤ کی ترجیح ' زبان اور سلیقہ کے بارے میں ویسی ہی ہے جیسی محلہ ' تراہھہ ' ' بیرم خاں ' کو ' کٹرہ نیل ' پر ' کہ دونوں شاہ جہاں آباد میں واقع ہیں- کہہ سکتے ہیں کہ شاہ جہان آباد میں کوچۂ گھاسی رام کے رہنے والوں کی زبان سے بنگلہ سید فیروز والوں کی زبان بہتر ہے - یا یہ کہ دہلی کا فلاں فصیح جو اپنی نظیر آپ تھا اب لکھنؤ میں جا رہا ہے اور اس کا مکان ایسا فصاحت خانہ ہے کہ تمام شاہ جہان آباد میں نہیں - ایک گھر کو جو فصاحت خانہ [فصاحت کی ٹکسال] کہا جاتا ہے تو فصیح آدمیوں کی وجہ سے کہا جاتا ہے ورنہ خود مکان کو فصاحت سے واسطہ ؟ اگر امیٹھی یا کاکوری کے آدمی دہلی میں جا کر رہنے لگیں تو وہ اور اُن کی اولاد پوربیہ کہلائے گی ' اسی طرح شاہ جہان آبادیوں کو پورب میں دلی وال کہیں گے - اور اس دلیل سے

بھی کہ پورب والے اپنے کو اُن سے شرافت میں زیادہ سمجھتے ھیں جو دھلوی پورب میں پیدا ہوے ھیں ان کی مغایرت پورب کے پیدا ھوے پوربیوں سے ثابت ھوتی ھے —

اصلی لکھنوی کی خصوصیات

پس لکھنؤ کے باشندے وہ لوگ ھیں جو 'عالم' کو علم (بکسرتین) یا علیم (عین مکسور' ی معروف) بولتے ھیں اور 'عقل' کو عقل (قاف مکسور) اور 'طالب علم' کو طلب عِلم یا طالبے علم کہتے ھیں —

اصلی لکھنوی اور اصلی دھلوی کون ھیں

اور باشندگان لکھنؤ سے ھماری مراد شاہ جہان آباد کے وہ باشندے ھیں جو دارالخلافتہ کی خرابی کے بعد لکھنؤ میں آ بسے - اور دھلی کے جن لوگوں کو ھم لکھنؤ کے لوگوں سے گھٹیا قرار دیتے ھیں وہ لاھور؛ کاکوری؛ انبر سر [امرتسر] اور میرٹھہ کے باشندے ھیں - اس صورت میں دھلی والوں پر لکھنؤ والوں کی فوقیت ثابت نہیں ھوتی؛ بلکہ بعض شاہ جہان آبادیوں کی بعض شاہ جہان آبادیوں پر فوقیت ثابت ھوتی ھے - یہی حضرات جنھوں نے لکھنؤ میں حسب دلخواہ روپیہ میسر آنے کی وجہ سے چند دل پسند ایجادیں کی ھیں اگر شاہ جہان آباد ھی میں رھتے اور فارغ البالی ملتی تو وھاں بھی اپنی قوت ایجاد کو ظاھر کرتے - اُن

کا یہ کہنا کہ لکھنو کی کسبیوں کو جو شوخ ادائی، راگ اور پوشاک میں خدا نے بخشی ہے وہ شاہ جہان آباد کی عورتوں کو نصیب نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ لکھنو میں دھلی کے اس قدر صاحب سلیقہ زن و مرد ٹوٹ پڑے کہ دھلی خالی ہوگئی، چنانچہ عقل مندوں کے نزدیک یہ بات دارالخلافۃ کی سبکی کی ہرگز نہیں ٹھیرتی- چونکہ سپاھی اور مصاحب پیشہ، لطیفہ گو اور نقال، گانے بجانے والے اور قصہ خواں جو لکھنؤ میں ھیں سب دھلی سے آے ھوے ھیں- اس جم غفیر میں کوئی بھی ایسا ھے جس کے بزرگوں کے مکان کو لکھنو میں بنے ھوے سو سال کا زمانہ گذر چکا ھو؟ راقم کے دیکھنے میں ایک مکان بھی ایسا نہیں آیا کہ اب سے پچاس برس قبل کا بھی بنا ھوا ھو اور شاہ جہان آبادی سے منسوب ھو- سواے ان لوگوں کے جن کے بزرگ حضرت خلد مکان کے عہد میں یکے بعد دیگرے اس ملک [اودہ] کی حکومت پر مامور ھوے اور جنھوں نے اپنے مکان بناے اور کنواں، پل اور مسجد تعمیر کی اور اب ان کی اولاد اپنے بزرگوں کے پرانے مکانوں میں رھتی ھے- خدا جانے وہ اصل میں کہاں کے ھیں- اور اگر کوئی بندۂ خدا کہے کہ الہ آباد کا حاکم اور اس کے مصاحب شاہ جہان آباد

کے حاکم اور اس کے مصاحبوں سے بہتر ہیں تو اس میں قباحت ہی کیا ہے - جس وقت کہ ہندوستان کے بادشاہ جمجاہ نے بعض حالات کی وجہ سے الہ آباد کو مقام خلافت بنایا ہو، اور حضرت کے ہمرکاب بڑے بڑے امیر وزیر مع اپنے فصیح و بلیغ رفیقوں اور مصاحبوں کے آئے ہوں اور جو کوئی صاحب کمال اور فصاحت دستگاہ دہلی میں رہ گیا ہو وہ بھی قدر دان کے حضور اپنے فن کے اظہار کے لئے اس شہر (الہ آباد) میں چلا گیا ہو یہاں تک کہ چند توکل پیشہ گوشہ نشینوں کے سوا وہاں (دہلی میں) جنہیں آدمی کہتے ہیں ان میں سے ایک بھی نہ رہا ہو اور قلعۂ معلیٰ اور تمام شہر میں گرو گوبند کے معتقد یعنی سکھ گھس آے ہوں اور جگہ جگہ بھرا سنگھ، کھنڈا سنگھ، بھوکا سنگھ کھبتہ، راج سنگھ، حرمت سنگھ ترکھان، اور بھاگ سنگھ تر والہ رونق افروز ہوں تو انصاف کرنا چاہیے کہ ایسے وقت میں اگر وہ دہلی والے جو الہ آباد میں قیام پزیر ہیں ان میں سے کچھہ لوگ یہ کہیں کہ اب اس شہر کے معشوقوں کی پوشاک کی وضع، گفتگو کا انداز، گانے کا طرز اور ناز و ادا جو اس شہر میں ہے شاہ جہان آباد میں نہیں ہے تو کون ان کی زبان بندی کرسکے - کیونکہ مرزا بدیع الزماں کو جو

شاہ جہان آباد سے الہ آباد چلے گئے جھنڈا سنگھ چوھڑہ پر ترجیح دینا جو ھیبت پورپٹی یا کادی باچھیان سے دھلی میں آیا ھے آفتاب کی روشنی کی مانند ثابت ھے اور دلیل کا محتاج نہیں -

مختصر یہ کہ دھلی والوں کو جو کچھہ لکھنؤ میں جناب عالی کی عنایت کے سایہ میں میسر ھے وہ دھلی میں رہکر خواب میں بھی میسر نہیں - اور کیونکر میسر آسکتا ھے - غلام قادر ملعون نے اور چیزوں کے ساتھہ بصارت کو بھی غارت کردیا* اور ان کے اقبال کے آفتاب کو بے نور کردیا - چونکہ پوشاک کے فیشن میں نئی تراش خراش اور دوسری چیزوں میں جدت فارغ البالی کی حالت ھی میں نمایاں ھوتی ھے اور شاہ جہان آباد والے نان شبینہ کو محتاج ھیں ' اور پیٹ بھر کھانا انھیں نہیں ملتا جب کہ لکھنؤ کے دھلی والے اعلیٰ مراتب اور ثروت پر فایز ھیں ' اس صورت میں ان دھلی والوں کا سلیقہ جو لکھنؤ میں ھیں کیوں نہ اُن دھلویوں کے سلیقے سے زیادہ ھو جو بیچارے شاہ جہان آباد میں رھتے ھیں —

* غلام قادر رھیلے نے دھلی پر قبضہ کرکے لوٹ مار کے سوا شاہ عالم ثانی بادشاہ کی آنکھیں بھی نکال ڈالی تھیں - سید انشا لکھنؤ جانے سے پہلے حضرت ممدوح کی خدمت میں تھے بادشاہ کا تخلص اردو میں ' آفتاب ' تھا - (مترجم) -

زبان کا تعلق مولد و منشا سے

اور شاہ جہان آباد میں ایک شخص کی ولادت پر فصاحت کی قید لگانا اس وجہ سے بھی ضروری نہیں کہ ہر شہر کی ایک زبان ہوتی ہے جو اس شہر سے خصوصیت رکھتی ہے، جو شخص اس شہر میں پیدا ہوتا ہے وہیں کی زبان میں کلام کرتا ہے، مثلاً ایک لاہوری لاہور کے لہجہ میں پنجابی بولتا ہے، بنگالی بنگلہ بولتا ہے۔ اسی طرح بندیل کھنڈی مارواڑی میواتی اور دکھنی اپنے اپنے ملک کی زبان خوب جانتے ہیں اور ان میں سے کسی طبقے کے افراد کے درمیان ہرگز فرق اور امتیاز نہیں کیا جاتا جیسے کہ لکھنؤ کے باشندوں میں، جن کے ہر چھوٹے بڑے کی پوربی اصل ٹپکی پڑتی ہے۔ وہ خواہ تمام جملہ پورب کی زبان میں ادا کریں خواہ شاہ جہان آبادیوں کی صحبت کے اثر سے اپنے وطن شریف کے بعضے الفاظ ترک کر دیں۔ اسی طرح ہر شہر کے باشندہ کی تقریر اس کے وطن یعنی مولد و منشا کی آئینہ بردار ہوتی ہے، مگر شاہ جہان آباد کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے ۔

اردو اور دہلوی مولد

جو لوگ یہاں مقیم ہیں ان میں سے بعضے گفتگو میں کابل کا راستہ دکھاتے ہیں، بعضے سامع کے سامنے پنجاب کا

نقشہ کھولدیتے ہیں، بعضے مخاطب کو مرزا پور اور جانسٹھہ کے لہجے سے ڈھلاتے ہیں اور گلاب کی خوشبو کی ایک لپٹ سلنے والے کے دماغ تک پہنچاتے ہیں، جب کہ بعضے روح پرور الفاظ سے سلنے والے کی جان کو تازگی اور امرت بخشتے ہیں یعنی اردو زبان میں گفتگو کرتے ہیں - اس مقام پر پہنچ کر راقم کی عقل حیران ہے کہ کس زبان کو شاہ جہان آباد کی زبان کہا جاے - میں نہیں جانتا وہ زبان کابلی ہے یا لاہوری، یا پوربی، یا کوئی اور - کیونکہ جو اصحاب یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں وہ دھلی میں پیدا ہوے ہیں -

دھلی کی زبان کا معیار

بہر حال اپنی سمجھہ اور سلیقہ کے بموجب بہت غور اور تامل کے بعد اس ہیچمداں کو یہ معلوم ہوتا ہے اور غالب ہے کہ یہ راے ناقص درست ہوکہ شاہ جہان آباد کی زبان وہ ہے جو درباری اور مصاحبت پیشہ قابل اشخاص، خوبصورت معشوقوں، مسلمان اهل حرفہ، شہدوں اور اُمرا کے شاگرد پیشہ اور ملازموں حتیٰ کہ ان کے خاکروبوں کی زبان ہے - یہ لوگ جہاں کہیں پہنچتے ہیں ان کی اولاد دلی وال کہلاتی ہے اور ان کا محلہ دلی والوں کا محلہ باجتا ہے - اور اگر تمام شہر میں پھیل جائیں

تو اس شہر کو اُردو کہتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کا جمگھٹا سواے لکھنؤ کے اور کہیں خاکسار کی راے میں ثبوت کو نہیں پہنچتا - اگرچہ مرشدآباد اور عظیم آباد کے باشندے اپنے زعم میں خود کو اُردو داں اور اپنے شہر کو اردو کہتے ہیں کیونکہ عظیم آباد [پٹنہ] میں دھلی والے ایک محلہ کے اندازے کے رہتے ہوں گے اور نواب صادق علی خان عرف میرن اور نواب قاسم علی خان عالی جاہ کے زمانے میں اسی قدر یا اس سے کچھہ زیادہ مرشدآباد میں ہوں گے- اور اهل مغل پورہ اور دوسرے شاہ جہان آبادی اس بحث سے خارج ہیں - مگر لکھنؤ میں قریب ہونے کی وجہ سے تمام دھلی والے، فصیح اور غیر فصیح ٹوٹ کر آ گئے ہیں اور یہ شہر لکھنؤ نہیں رہا شاہ جہان آباد ہو گیا ہے —

مرشد آباد میں دلی والے

جاننا چاہئے کہ سراج الدولہ کے وقت میں بعضے منصب دار اور چند نقال جنھیں هندی میں بھانڈ کہتے ہیں، دو تین گویے اور کسبیاں، دو ایک بھگیتے، دو تین نان بائی، دس بارہ مرثیہ خواں، ایک دو کُنجڑے اور بھڑبونجے فایدے کی اُمید پر شاہ جہان آباد سے مرشد آباد پہنچے تھے، کس واسطے کہ اس زمانے میں چلے بھونلے والا بھی

دس ہزار روپیہ کے بغیر دھلی سے مرشد آباد کا رخ نہیں کرتا تھا۔ نواب میرن کے زمانے میں جو آپ کو بانکا بنانے تھے بانکے جمع ہو گئے تھے۔ سارا مغل پورہ اور بادل پورہ وہاں اٹھ آیا تھا۔ یہ بانکے [زبان کی] بحث سے خارج ہیں، کیوں کہ بانکے ہر شہر میں ہوتے ہیں دھلی ہو یا دکھن کے شہر، بنگالہ ہو یا پنجاب، ان سب کی ایک وضع اور ایک زبان ہوتی ہے —

بانکوں کی وضع اور زبان

یہ لوگ مزاج کے ٹیڑھے ہوتے ہیں، چلتے بھی اینٹھ کر ہیں، اپنے بدن کو بہت دیکھتے رہتے ہیں اور ہر مونث کو مذکر بولنا ان کی عادت اور طریقہ ہے۔ چنانچہ ہماری بکری، کو ہمارا بکرا، کہتے ہیں، جیسے کہ ہر شہر میں افغانوں کی دستار، زلف، غلیل اور اوچے میں تبدیلی نہیں ہوتی —

دھلی اور لکھنؤ

اور نواب قاسم علی خاں کا وقت بالکل نواب میرن کے وقت کا سا ہے۔ حضرت پیر و مرشد کے عہد میں نئے اور نفیس فیشن کی تعمیروں، الفاظ کی تحقیق، فصاحت کی جانچ، بلاغت کا لحاظ، لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی، تقریر کی شستگی اور نئی چیزوں کے ایجاد کے چرچے بہت زیادہ

ہیں، اور قابل اور فہیم و بلیغ شخصوں کے سوا کسی کی صحبت حضور والا کو پسند نہیں - ہر بات اور لطیفہ کے مغز کو پہنچتے ہیں - اور ان لوگوں کو جو نواب میرن کے رفیق اور دمساز تھے آپ کے حضور میں ہرگز باریابی نہیں - اس وجہ سے لکھنؤ کو دوسرے شہروں پر شرف حاصل ہے اور وہ شاہ جہان آباد کی جان ہے کیوں کہ اُس شہر (دہلی) کے فصیح اور اہل سلیقہ کہ اس کی روح و روان ہیں اِس (لکھنؤ) شہر میں اکٹھے ہیں، پس شاہ جہان آباد قالب بے جان ہے اور لکھنؤ اس کی جان ہے - جان کو یقیناً جسم پر ترجیح ہے - اس کو بھی شاہ جہان آباد کی تعریف سمجھنا چاہئے کیونکہ شاہ جہان آباد ایک قابل ذات کی بدولت جان اور قالب رکھنے والا ہے - اس کی جان یہاں لے آے اور قالب وہاں چھوڑ دیا - جیسے مور پر مور کی دم کی بڑائی - ظاہر ہے کہ اگر مور اس کی کُل مجموعی ہیئت کا نام ہے تو اس میں اس کی دم بھی داخل ہے، اس صورت میں اس کی دم کی فوقیت ثابت نہیں ہوتی، جس طرح جز اور کل کی بڑائی نہیں ثابت ہوتی، اسی طرح لکھنؤ کو جو اب شاہ جہان آباد کی جان کہتے ہیں نہ کہ پورب کی جان، اگر اُسے شاہ جہان آباد سے بہتر کہیں تو زیبا ہے کیونکہ یہ ترجیح

قالب پر جان کی ترجیح ہے اور اسی نہج پر ہے جیسے مور کے مقابلے میں اس کی دم کی بڑائی -

فصحا جو لکھنؤ میں موجود تھے | قصیدوں میں محمد اسحق خاں موتمن الدولہ اور ان کے تینوں صاحبزادے نجم الدولہ اور افتخار الدولہ نواب مرزا علی خاں اور نواب سالار جنگ اور ان کے عیاش طبع ہونے کی وجہ سے دھلی کے لطیفہ گو، خوش کلام لوگ اور پری پیکر ان کی صحبت میں جمع تھے - اور مرزا فتح اللہ اور مرزا اسمعیل ھیں، اور سخن گوئی اور گفتگو میں مرزا رفیع ھیں اگر چہ وہ وزن و قافیہ کی ضرورت سے شعر میں بعض ایسے لفظ لے آئے ھیں جو اردو سے خارج ھیں - پھر خواجہ حفیظ اللہ مرحوم، میر زائی، میر مغل، خواجہ شیریں خاں اعتقاد الدولہ اور میر رمضانی صاحب ھکلے ھیں-

---

باب سوم

پہلی فصل، دھلی کا روز مرہ اور محاورے وغیرہ

توتے اڑ گئے = حواس اڑ گئے -

تمھارے لڑکے بھی کبھی گھٹنوں کے بل چلیں گے = تم بھی کبھی سچ بولو گے اور راہ پر آؤ گے -

کافور ہو جاؤ، چھچھو ہو جاؤ، ہوا کھاؤ، پیچھا چھوڑو، معاف کرو، دال فے عین ہو جئے، رے واؤ زبر رو ہو جئے، بہت ہو جئے، دفع دفان ہو جئے، اور طرف متوجہ ہو جئے، کہاں آئے، کہو تو میں گھر چھوڑ دوں، فرماؤ تو ڈیالا منگوا دوں = یہاں سے جاؤ۔

مرتا ہوں، جی دیتا ہوں، لوٹتا ہوں، لوٹ پوٹ ہوں، ہاتھ پانوں توڑتا ہوں یا تڑاتا ہوں، غش کرتا ہوں = عاشق ہوں۔

جی چراتا ہوں = اس کام سے پرہیز کرتا ہوں۔

چوکڑی بھول گیا، کھویا گیا، اور ہی کچھ ہو گیا = بے حواس ہو گیا۔

چھپاتا دیا، آب پاشی کی = دھوکا دیا۔

بڑے پاک ہو، قدم آپ کے چوما چاہئے، آنکھ میں تمہاری ذرا بھی پانی نہیں = بڑے بے حیا ہو۔

آپ بھی بزرگ ہیں، صاحبزادے ہیں، عجب معصوم ہیں، طرفہ معجون ہیں، زور جانور ہیں، بڑے صاحب شوق ہیں، عقل کے پتلے ہو، آپ کی کیا بات ہے، کتنا بات کو پہنچتے ہو، عقل چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید، عقل بڑی کہ بھینس، خوبی شعور کی، بل بے تیری سمجھ، کیوں نہ ہو پدر تر چو باشد

پسر توں بود ' ازاں پر هنر بے هنر چوں بود ' آپ بهی کچهه ارسطو سے کم نهیں ' اپنی اپنی سمجهه هے ' تهوڑی سی عقل مول لیجیے تو بهتر هے ' ولی آدمی هو ' ڈال کے توتے هو ' زور پٹهے هو ' کوئی زور خدا کے بندے هو ' اپنے وقت کے لال بوجهکڑ هو ' داناؤں کی دور بلا ' آپ کے بهی صدقے هو جائیے ' قربان اس فهمید کے ' کیا خوب سمجهتے هو = بهت احمق هو —

عجب ذات شریف هو ' کتنے بهلے آدمی هو ' آپ میں بهی کوٹ کوٹ کے خوبیاں بهری هیں ' سب بزرگیاں تم پر هی ختم هیں ' آپ سے بهت بهت امید هے ' ابهی کیا هے ' خدا آپ کو بهت سا سلامت رکهے = بڑے بدذات هو -

تم بهی بهت دور هو ' بهت بڑے آدمی هو ' بیڈهب آدمی هو ؛ معلوم نهیں تم کون هو ' کهو تو سهی کیا هو ' کوئی قهر هو یا غضب یا ستم هو ' تم سے خدا پناه میں رکهے ' آپ تحفگی کیا رکهتے هیں ' آپ هیں کون ' نپٹ کڈهب هو = خوب آدمی هو !

پڑهے نه لکهے نام محمدفاضل - یه اس شخص کےواسطےبولتے هیں جو اپنے پیشه میں تو مشهور هو مگر کام کا سلیقه اسے نه هو -

آنکهوں کے اندهے نام نین سکهه = ایک بات کا دعوی

کرے مگر اس سے مناسبت نہ ہو۔

ہم آپ سے نہیں بولتے، کیوں آتے ہو، ہمارے پاس نہ آئیے، کہاں چلے آتے ہو، صاحب کو کس نے بلایا ہے، خیر باشد، کدھر کرم کیا، یہ چاند کیسا نکلا، کہیں رستہ تو نہیں بھول گئے، گھر کو پھر جائیے، آپ کا گھر کہاں ہے، میں تو صاحب کو نہیں پہچانتا = ملاقات کے وقت ایک دوست سے اشتیاق اور شکایت کا اظہار۔

گھر کی مرغی دال برابر، یہ فقرہ اس مقام پر کہتے ہیں جب کوئی اپنے بیٹے یا عزیز یا دوست یا با وفا غلام یا لایق ملازم کی قدر نہیں کرتا اور دوسروں کی تعریفیں کرتا ہے اور روپیہ خرچ کر کے ان سے کام لیتا ہے۔

ہزاروں (یا سیکڑوں، لاکھوں، کروڑوں) بے نقط سناؤں گا = بہت سی گالیاں دوں گا۔

صل و جل، واہ واہ، کیا پوچھنا ہے، کیا کہنا ہے، کیا بات ہے، یوں ہی چاہئے، کیا خوب، چہ خوش، چرا نہ باشد، واچھڑے، سبحان اللہ، آہا، ہوے بے ظالم، یہاں فرشتے کے بھی پر جلتے ہیں، کیا مذکور ہے، کہیں نظر نہ لگ جائے، خدا سلامت رکھے، آپ کی کیا چلائی، رحمت خدا کی، شاباش، آفریں صد، آفریں، بارک اللہ، ایسی ہی باتوں سے تو مقبول ہوئے ہو، اللہ اکبر، اللہ غنی،

اوهو جی ' اوهو = [یہ سب کلمے ایک طرح کی هجو مایہ هیں] ایسے موقع پر مستعمل هوتے هیں جب کسی سے کوئی فعل کہنے والے کی توقع کے خلاف سرزد هو —

دهینگ دهینگ بلو کاراج ' اندهیری نگری چوپٹ راج = حاکم اور رئیس کی بے انصافی کا ذکر۔

کام کیا هے ' قہر کیا هے ' غضب کیا هے ' ستم کیا هے = عجیب کام کیا هے۔

گھونسا مار پانی نکالتا هوں ' لات مار پانی نکالتا هوں = وہ کام کرتا هوں جو اور کوئی نہیں کر سکتا۔

گھر کی پتنکی باسی ساگ = بیجا شیخیوں کے جواب میں۔

باسی رهے نہ کتا کھائے = کھانے کا اسراف همارے هاں بہت هے۔ [جو آنا سو کھا لینا]

آپس میں گرہ پڑ گئی = دشمنی یا مخالفت هو گئی۔

قاضی جی تم کیوں دبلے هو شہر کے اندیشے سے = بیجا غم اور فکر میں مبتلا هونا۔

بال بال گج موتی پروئے بیٹھی هے = بن سنور کر بیٹھی هے۔

چولهے میں پڑے ' بھاڑ میں جائے = همیں اس شخص یا چیز سے سروکار نہیں۔

چاند کو گہن لگ گیا = باوجود ساری خوبیوں کے ایک عیب رکھنا —

اس بات میں بٹا لگتا هے = یہ معیوب کام هے۔

شرم بھی نہیں آتی ' دل میں تو سو چو ' کبھی شرمایا تو کرو = دوست کے نہ آنے کا گلہ ۔

یہ منھہ اور مسور کی دال ' آپ کے بھجا ڈنڈ ھی کھےدیتے ہیں ' ایسے جسی ' بل بے جما تیری دھج = ترتیب وار معنی یہ ہیں (۱) یہ کام تیری لیاقت سے زیادہ ھے - (۲) تمھاری صورت ان دعوں کی صداقت کی شہادت نہیں دیتی پھر کہنے سے حاصل -(۳) بارے آپ بھی اس قابل ہو گئے- (۴) اس شیخی کی داد دینی چاھئے کہ پلے ٹکا نہیں اور امیروں کی ٹکر -

کانے چوت کلونڈے بھینت ' یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ھے جب ایسے آدمی سے اتفاقاً مڈ بھیڑ ہو جاے ' جس سے رنجش ہو یا ملاقات منظور نہ ہو ' یا اپنا اُس وقت اس طرف کو جانا پوشیدہ رکھنا ہو -

حلوا خاتون ' یہ ایک کھٹہ پتلی ہوتی ھے جسے فقیر کپڑے پہنا کر بچوں کے سامنے اپنے ھاتھہ سےنچاتے ہیں اور اپنی روزی کماتے ہیں-

گوبر گنیش ' گل بھترا ' مسٹنڈا ' ہتا کتا ' تانتھا ' دب اکبر ' بوبیلسا ' فیل ' ملگلوسی ' چک پھیا ' مربع ' چوکور ' گینڈا = موٹا شخص ۔

تلنا ' تنیری ' تاگا ' سوکھا = دبلا پتلا -

پتھر پھوڑا = ایک جن کا نام جس نے خیال کیا

جاتا تھا کہ بہت آدمیوں کے سر پھورے -

چنڈول گداگر بول ، گانتھہ کتھول بانسلی بھنبھوری میرا نام ، گھور کھنڈے چوھے لنڈے ، کالے پیلے دیو ، شیر بکری یا باگ بکری ، اتیرن ، کبڈی ، وزیر بادشاہ ، آنکھہ مچ٘ول کڑوا تیل بلی پادے وهی پهلیل ، چهائیں مائیں گول گھمائیں راجہ کے گھر بیٹا ہوا ، دوڑے آئیو کوئی ایسا بھی داتا ہو چڑیا کے بند چھوڑادے ، مونگ چلا ڈگڈ وئی ڈو ، میری آرو کیوں آرے ، لوڑھی ٹیسو راے = یہ سب کھیلوں کے نام ہیں ، اِن کھیلوں میں سے لوڑھی کا رواج دھلی سے کابل تک ھے - اِس کی تفصیل یہ ھے کہ اِس تہوار سے کچھہ دن پہلے بچے بعض جوانوں کو ساتھہ لے کر محلہ محلہ پھرتے ھیں اور ھرگھر سے کچھہ نقد یا ایندھن وصول کرتے ھیں اور مقررہ رات کواس ایندھن کا ڈھیر بنا کر جلا دیتے ھیں ، نقد جو وصول ہوا تھا اس کی مٹھائی لے کر آپس میں بانٹ لیتے ھیں یہ رسم ھندوؤں کی ھے مگر مسلمانوں کے بچے بھی کھیل سمجھہ کر اِس میں شامل ھو جاتے ھیں -

ٹیسو راے کا یہ مطلب ھے کہ دسہرہ کے دنوں کے قریب لڑکے مٹی کی ایک مورت بناتے ھیں جو تین لکڑیوں پر ٹکی ہوتی ھے اُس میں چراغ رکھنے کی بھی جگہہ ہوتی

ہے اِس کو وہ گھر گھر لئے پھرتے ہیں اور پانچ چھہ دن میں جو نقدی وصول ہوتی ہے اُس کی مٹھائی لے کر آپس میں بانٹ لیتے ہیں - لڑکیاں ٹیسو راے کے بدلے جھنجھوری یا جھنجھیا بناتی ہیں، یہ کھیل اب پورب کے شہروں میں بھی رواج پا گیا ہے —

دوسرے کھیل جیسے کبڈی، باگ بکری، وزیر بادشاہ جوان آدمی بھی کھیلتے ہیں اور جگہہ جگہہ ان کا رواج ہے، باقی کھیل بچوں سے مخصوص ہیں جو کھیل ان میں سے اور جگہہ نہیں پہنچے اُن کی تفصیل لکھہ دی گئی ہے -

بتی سریستا پھول پان بیچتا، یہ کلمہ گلی ڈنڈا کے کھیل میں کہا جاتا ہے، کھیل کے ایک خاص موقع پر جب کھیلنے والے کا سانس ٹوٹ جاے تو ڈنڈا اس کے ہاتھہ پر مارا جاتا ہے جسے چمیٹی کہتے ہیں —

کیلے والے لال = کنویں سے پانی کھینچتے ہوے مالیوں کی آواز -

گول گول بات = جس بات کے کئی پہلو ہوں، مگھم، مبہم-

موتی پروتا ہے = سہانے بول بولتا ہے -

گھاس کاٹتا ہے = ایسی تیزی سے بولتا یا پڑھتا ہے کہ سمجھہ میں نہیں آتا -

گل کترتا ہے = چاپلوسی کرتا ہے، فتنہ برپا کرتا ہے

[مدت سے اِس محاورہ کا اطلاق اعجوبہ یا نادر کام پر ہوتا ہے]-

ریوڑی کے پھیر میں آ گیا = مصیبت میں گرفتار ہو گیا-

چڑیا کے' چڑیا والے'مرغی کے ' مرغی والے' جھانپوں کے ' جھانپو والے' ڈھڈو کے ' ڈھڈو والے' بگلولو کے' بگلولو والے' کواپری کے = یہ کلمے اُس کے لئے استعمال ہوتے ہیں جسے بیوقوف سمجھا جاتا ہے [اب یہ کلمے عوام میں طنز کے مقام پر چھوٹی گالی کی طور پر حرف ندا کی طرح استعمال ہوتے ہیں] -

خیری خیری دینگے کوئی ایسے ہی داتا دینگے (یا ایسا ہی داتا دے گا) = یہ صدا ذلیل منگتوں کی ہے جو وہ قافلوں کے سامنے لگاتے ہیں -

باج باج اللہ محمد کا راج = نفر لوگ گھڑیال بجاتے وقت یہ الفاظ بولتے ہیں -

لپو = پگڑی ' دستار -

ڈاب = کمربند ' پٹکہ -

پھرکی ' پدڑی ' پودنا = دبلا ' کمزور ' چھوٹا -

کھٹہ پتلی ' الو کا بچہ ' الو کی دم فاختہ ' الو وا خرا' مٹی کی مورت = بیوقوف آدمی -

گلو = اِس لفظ سے چھوٹی لڑکیوں کو خطاب کرتے ہیں -

پری = بہت اچھی چیز -

سرچوت = نفرت کے معنی میں آتا ہے یا چڑ کے واسطے لیکن اصل میں اِس کے معنی رشک کے ہیں -

بد پاندھاں = نہایت قابل آدمی -

پڑھ پتھر لکھ لہڑا بھئے اینٹھیں باندھ کچھوری گئے = باوجود تمام کوشش کے علم نہ آیا -

شوربور، شرابور = پہلا محاورہ مردوں اور دوسرا عورتوں کی زبان ہے، معنی سر سے پاؤں تک بھرا یا بھیگا ہونا -

رنگ ہے جی رنگ ہے = یک دوست دوسرے دوست سے خوشی کا اظہار کرنے یا مبارکباد دینے کو کہتا ہے -

جان چھلا، خانم جان، بیگمان، زنانی، دیوانی، کرھائی، بہشت کی قمری، دورپار، خاصی پیاری، جان صاحب، میں واری، بی جی، بہو جی، بلو جان، گھونگھٹ والی پردہ والی، اے جی، ہی ہی = ایسے مرد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کی زبان، پوشاک، حرکات و سکنات عورتوں جیسے ہوں -

ملوا، متھو = بیوقوف کو مہربانی کی نظر سے کہتے ہیں -

تلخی، خام پارہ، تتیا، مرچ، سال زادی، خلقی، خیلا = سرکش، بدزبان اور جھگڑالو عورت -

مردہ شو کے حوالے ' خدا سمجھے ' کالا منہ نیلے ہاتھ پاؤں = عورتوں کے فقرے جو وہ بہت غصہ اور نفرت کی حالت میں کہتی ہیں۔

دو گنڈی چتّی = ڈھلمل یقین شخص یا جس کی دو چیزوں پر نظر ہو۔

سیاہی نے دبایا ہے = نیند میں باتیں کرتا ہے اور سوتے سوتے اٹھ کر لوگوں سے لڑنے لگتا ہے بلکہ اگر لکڑی یا تلوار ہاتھ آ جائے تو چوٹ بھی کر بیٹھتا ہے یہ سب کچھ تو کرتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ کیا کر رہا ہے۔

روبین ہو جانا = تیز چلنا ' غائب ہو جانا۔

دھنتّر ' رستم ' رستم کا بچہ ' تیس مار خاں = زبردست۔

دھنا سیٹھ ' جگت سیٹھ کا گماشتہ ' کوٹھی وال ' گانٹھ کا پورا ' بھرا پرا = مالدار ' موٹی اسامی۔

شہر = شاہ جہان آباد۔

سانگ لانا = بہانہ کرنا۔

پان پھول ' دھان پان = نازک بدن۔

چھوٹا منہ بڑی بات = جس کام کی لیاقت نہ ہو وہ کام ہاتھ میں لینا ' متکلم اور غایب دونوں کے لئے کہا جاتا ہے۔

حاتم کی گور پر لات مارتا ہے = مفلوک الحال کی سخاوت کے ذکر میں بولا جاتا ہے۔

ھنتے جکڑنے = جب ایک پہلوان دوسرے کو زمین پر پٹ گرادیتا ھے تو اس لئے کہ وہ اٹھنے نہ پاے اپنے دونوں ھاتھہ اس کی بغلوں کے نیچے سے لیجاکر اس کی گردن کو زور سے دباتا ھے تاکہ وہ دق ھو' اسے ھنتے جکڑنا کہتے ھیں —

دھوبی پاٹ' کلا رنگ' دھاک پر چڑھا مارنا = یہ کشتی کے داؤنو پیچ ھیں* -

نوکر لات کپور کے ھونٹھہ ملیں حق لیں = شاہ جہان یا اورنگ زیب کے عہد میں دو کلاونت تھے جن کے نام 'لات' اور 'کپور' تھے' ان بیچاروں کے نوکر کام کاج تو کچھہ کرتے نہ تھے اور تنخواہ لینے کو آکھڑے ھوتے تھے' اس خوف سے کہ ھنگامہ نہ اٹھائیں ان کو تنخواہ دیدی جاتی تھی' جب سے یہ ضرب المثل بن گئی - جب نوکروں کو کام کم ھو اور آقا ذی مروت ھو تو یہ کہا جاتا ھے —

کھانا پینا گانٹھہ کا نری سلام علیک = بڑے آدمی کی بے التفاتی اور اپنی بے پروائی کے مقام پر سلام کے جواب میں کہا جاتا ھے -

---

* کشتی کے بہت سے داؤنو ھیں' بعض اشعار میں نظام کردئے گئے ھیں مثلاً ،
اک دستی دو دستی سرندھا تال بغلی بیٹھک گرہ کر ڈال - (مترجم) -

کھلنڈرا ، آکھڑ = بے پروا اور عاقبت نا اندیش آدمی۔

ماسوں جی جو ھار = طعنے یا ھنسی کے لئے سلام علیکم کے بدلے استعمال کرتے ھیں -

پھوٹ بہا = دلی صدمے سے زار زار رونے لگا۔

جھڑ پکا ، ھوچکا = اپنے رتبے سے گر گیا -

تم نے اڑائیاں سو یہاں بھون بھون کھائیاں = یہ اشارے کنایے میں تم سے زیادہ سمجھتا ھوں -

میں نے چار برساتیں زیادہ آپ سے دیکھی ھیں = تم سے زیادہ تجربہ کار ھوں' تم میرے سامنے بچے ھو -

آیں ؟ ، کیا ؟ معقول ، خوبی خلطے کی ، کتنے گرم ھو' واہ مُنھہ تو دیکھو ، آرسی تو ھاتھہ میں لو' خیر مانگو' بہت بڑہ نہ چلو ، آپ کو بھول گئے ، نئی طرح کی گرمی ھے ، کچھہ شامت تو نہیں آئی ھے ، گھر سے لڑ کر تو نہیں چلے ، ٹھنڈے ٹھنڈے گھر جاؤ ، بلی لانگ کے تو نہیں آے ، صبح کسی کا منھہ دیکھا تھا' خیر سے گھر کو سدھارو' اتنا لگ نہ چلیے = یہ کلمے اور جملے بے تمیز زباں دراز آدمی سے رنجش کے طریق پر کہے جاتے ھیں یا بے تکلفی اور خوش اختلاطی کی وجہ سے دوست سے -

دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا ، اِلّلذی نہ اُلّلذی ، اِدھر نہ اُدھر یہ بلا کدھر = بے سر و پا آدمی -

ھم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ھے = ھم کار آزمودہ آدمی ھیں۔
میں تیرا گدّا بناؤں گا = تجھے بہت رسوا کروں گا۔
پھر مانگ = سایل کو صاف جواب۔
کدھر منہ ڈالتا ھے = کہاں چلا آتا ھے؟
آپ میری جان سے کیا چاھتے ھیں؟ = مجھ سے کیوں بات کرتے ھو، کیوں جان کھاے جاتے ھو۔
منہ چڑانا = کسی کی تقلید کرنا مگر عہدہ برآنہ ھوسکنا۔
سولھی، نکی موٹھہ، نوتری = جواریوں کے داںو ھیں۔
پہلے پانسے تین کانے = بسم اللہ ھی غلط، شروع ھی میں ھار کا پاسہ —
منہ لگائی ڈومنی گاوے تال بتال = امیر کا مصاحب بن کر بیہودہ بھی بکے تو ٹوکا نہیں جاتا۔
آئیے مل جی آئیے = ملاقات کے وقت دوست سے ھنسی کی طور پر کہتے ھیں —
آنکھہ آئی = آنکھہ میں درد ھوگیا —
بھڑوا = 'ھولی' میں جس آدمی کے کپڑے رنگ میں بھرے ھوں اسے کہتے ھیں —
بلے ھوے ھیں، مجلس کی رونق ھیں = مسخرے ھیں۔
رنگا ھوا ھے = ذاکر اور شاغل ھے۔
جگت گرو = فن کا پیشوا۔

ادیس = اچھا گوئیا' بزرگ' معلومات رکھنے والا -

بھرمل' جھنا سر= مسخرہ' کمینہ -

انگور = زخم کا بھرنا -

چھاتی کا پھوڑا' سوھان روح' وبال گردن = جو شخص مخالف طبع ھو - توتی بانھہ' گل جندری = نالایق بیٹا یا بھائی یا رفیق —

تیرے تو کچھہ لچھن سے جھڑ گئے ھیں = تیرے برے دن آے ھیں' تیرے چہرے کی روحانی جاتی رھی —

میرے دل کے آج پھپولے پھوتے = آج مجھے بڑی خوشی ھوئی کے دشمن ذلیل ھوا —

کالا = عیار آدمی' سانپ —

باؤلا کتا' کتخنا [کت کھنا] کتا = بدخلق آدمی —

اپنی گلی میں کتا بھی شیر ھے = اُسے کہتے ھیں جو دوسرے کی حمایت پر آینتھہ دکھاے —

حمایت کی گدھی عراقی کو لات مارے = کم قدر آدمی کا امیر اور ذی رسوخ اشخاص کے اشارے پر اپنے سے بڑے آدمی سے گستاخانہ پیش آنا —

جو بولے سو گھی کو جاے = جو اس مجمع یا گھر میں منصفانہ بات کرے سزا پاے گا اور ذلیل ھوگا —

دو ملا میں مرغی مردار = اس کے استعمال کا محل

یہ ھے کہ کوئی شخص ایک معزز جماعت کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرے اور وہ دونوں اسی معاملے میں باھم بحث کرنے لگیں، ظاھر ھے کہ اھل ضرورت کا کام بیچ میں رہ جاےگا ['مردار' کا بدل ' حرام ' بھی مستعمل ھے]—

پتکی پڑے ان کی باتوں پر = [یہ عورتوں کا محاورہ ھے] ان بیہودہ باتوں پر خاک ڈالی جاے —

چرخ چذبو کے لڑکے = فاحشہ عورت کے بیٹے ' بے حیا اور بے ادب —

سھو سیلو = بازاری عورتیں ' کنجڑن وغیرہ —

کام بڑھئی کا = نجار یا کھاتیوں کی آواز جو وہ گلی کوچوں میں لگاتے پھرتے ھیں —

سونٹھہ ھے نیبو کے رس کی = سونٹھہ کا پانی بیچنے والوں کی آواز —

سو سنار کی نہ ایک لوھار کی = سو برائیوں یا پھبتیوں کے عوض میرا ایک جواب کافی ھے - [ظاھر ھے کہ سنار کے اوزار ننھے ننھے ھوتے ھیں اور سونے چاندی پر ان کی چوٹیں نرم اور آھستہ آھستہ پڑتی ھیں جب کہ لُہار کے ھتوڑے کی چوٹیں دھواں دھوں پڑتی ھیں] -

کیا بیچتے ھو؟ کیا کھٹ راگ گاتے ھو؟ کیا گوہ کھاتے ھو؟ کیا جھک مارتے ھو؟ کیا قصہ لگایا ھے؟ کیوں مغز

کھاتے ہو؟ کاھے کو دماغ پریشان کرتے ہو؟ = کیا فضول باتیں کرتے ہو —

منھہ کو لگام دو، زبان سنبھال کے بولو = سنجیدہ بات کرو —

منھہ دھو رکھو = اس کام کی توقع نہ رکھو —

ماں فقیرنی پوت فتح خاں = مجہول النسب شخص کے لئے کہتے ہیں جو مغرور ہو —

تیرے بت کو رسا = وہ کام کیا کہ کیا کہا جاے —

رانڈ کا سانڈ = حرام زادہ، بد طینت —

رانی خاں کا سالا، دھین ڈھوکر خاں کا سالا، افلاطون کا بچہ = زبردست اور مغرور شخص —

بڑا یزید ھے = سخت بیرحم اور شقی ھے —

دھویا دھایا احمق ھے = اس کی حماقت میں شک نہیں —

فتح ھے = مژدہ ہو، مبارک ہو —

پانؤں زمین پر نہیں رکھتا = نہایت متکبر ھے —

آنکھہ اُٹھا کر نہیں دیکھتا = معنی حسب محاورۂ صدر، شرم و حیا کے معنی میں بھی آتا ھے —

کوزہ میں کھاج = ایک مشکل میں ایک اور مشکل کا پیش آجانا —

کریلا اور نیم چڑھا = اس آدمی کے لئے مستعمل ہے جو پہلے سے بدخلق ہو اور اس پر اُسے دولت مل جاے۔

ٹھونک بجا کر لینا = خوب جانچ پرکھہ کر کوئی چیز لینا۔

منھہ پر ہوائیاں اُڑتی ہیں = چہرے کا رنگ فق ہے چہرہ بے آب و تاب ہے —

ہماری کیا پشم کندہ کرے گا = ہمارا کچھہ نہ بگاڑ سکے گا۔

کانا تنتو بدھو نفر = بہت غریب ہے' تتروں توں —

کھیل نہ جانے مرغی کا اُڑانے لاگا باز = اُسے طنزاً کہتے ہیں جو اپنی حد سے بڑھ کر کام کرتا ہے —

باپ نہ مارے پدڑی بیٹا تیر انداز = حسب صدر۔

چلدا ماموں تا = ["تا" فقرے کا جز ہے]' چھوٹی لڑکیوں کا کلام چاند سے۔ کبھی کھیل میں آدمیوں سے بھی کہتی ہیں' کسبی عورتیں بھی اپنے آشنا سے کہتی ہیں۔

پیر مُغاں = مشیخت مآب —

فلانے کا بھانڈا پھوٹ گیا = عیب ظاہر ہوگیا [راز فاش ہوگیا] —

بھرم نکل گیا = اُس کے بیجا غرور اور بڑائی کا سبب معلوم ہوگیا —

جوش کم ہوا' تاؤ میٹھا ہوا = سست پڑ گیا [زور شور جاتا رہا] —

مذھم تھا تھہ = وہ شخص جو ھر کام میں سستی یا تھکن کا اظہار کرے —

بوریا باندھنا = غریبوں کا سامان، امیر کسر نفسی سے اپنے لئے بھی کہہ دیتے ھیں -

چبلّا، سفلا، چھوکرا، بلّلا، منہ سے دودہ کی بو آتی ھے، ابھی چھٹی کا دودہ نہیں سوکھا، ابھی منہ دبائے تو چلو بھر چھٹی کا دودہ نکل پڑے = نہایت بے لیاقت اور ناتجربہ کار ھے -

جان چتّاخا، ھپا، بھبھوکا، دھواں دھار = خوبصورت-

اڑھائی چلو اس کا لہو پی جاؤں = اس کو مار ڈالوں -

مسند بادشاھی کرو = مسند اٹھالو، قلعہ کے فراشوں کی اصطلاح-

سکھہ فرمانا = سونا - ھندوستان میں شاھان تیموریہ کے لئے مستعمل ھے -

پیش خانہ = چوکی خانہ —

کھڑی مزدوری چوکھا کام = اچھی مزدوری دینا اور خوب کام لینا - [آج کل بجائے رائے ثقیلہ کے رائے مہملہ سے بولتے ھیں] -

باریدار = جو اپنی باری یا نوبت پر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ھو —

باریدارنی = باریدار کی تانیث، باری دار عورت —

ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا = وہ نالایق شخص جس سے

ایک کام تو ہونہ سکے اور بیجا عذر پیش کرے ، اس کے لئے کہا جاتا ہے —

آنت بھلے کا بھلا ، انت برے کا برا = برے کا انجام برا اور اچھے کا انجام اچھا ہوتا ہے -

چھکے چھوٹ گئے = عقل جاتی رہی [حواس رخصت ہوئے] —

جگ پھوٹنا ؛ نرد ماری گئی = جب دو شخصوں میں نفاق ہوگیا تو دشمن کے لئے اُن دونوں کا پا مال کرنا آسان بات ہے —

بول گیا = تنگ آگیا ، عاجز ہوگیا —

میر ، دلتّوں ، چوتّوں = یہ تین کاتھہ کی رنگین گولیوں کے نام ہیں جن سے لڑکے کھیلتے ہیں -

پتّرا کیا = خوب سزا دی —

ٹھیک کیا = راہ پرلے آیا [سیدھا کردیا] -

لال پگڑی والا میرجی کا سالا = یہ فقرہ شوخ لڑکے اس پر کستے ہیں جو سرخ دستار باندھے ہو ، اگر پگڑی کا کوئی اور رنگ ہوتو لال کو اُس سے بدل دیتے ہیں -

ڈھیلے زناخ = اُس آدمی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ہر کام میں سست ہو -

چومھنا کیا = خوب سزا دی -

نلگی بھلی که بل میں بانس = اُس رسوائی سے جو ایک کام کے نه کرنے سے هوتی وه ذلت بهتر هے جو اُس کے کرنے سے هوئی ' جیسی فارسی کی کہاوت هے وما ئدہ چیدن صد عیب دارد و نه چیدن یک عیب ' —

دیکھا بھالا تو پچھی ' چپرا سید هو = یه کم رتبه شخص جو اپنی دولت پر اتنا اترآتا هے اسے میں اُس وقت سے جانتا هوں جب وه ٹکڑ گدا تھا ' خوب پہچانتا هوں —

بال باندها چور = نادر اور بے مثل چور —

کوڑی کا پوت = اِبن زر ' پیسے کا میت —

هری چُگ = جو شخص غریب آقا کو چھوڑ کر امیر کے ساتھه هوے —

هرا بھرا = اس شخص سے مراد هے جس کی قبر دهلی میں شاه سرمد یهو دریائی کی قبر کے برابر هے —

بتاسه سا گهل گیا = جلد هی تمام هو گیا —

اُچھال چھکا = فاحشه عورت —

کیا ننگی نہائیگی کیا نچوڑیگی = مفلوک آدمی سے کچھه بن نهیں پڑتا —

من بھائے مندیا هلائے = ایک چیز لینے کو دل تو کرتا هے مگر بناوٹ سے انکار کرتا هے —

بگلا مارے پنکهه هاتهه = یه کام کرنے سے کچھه حاصل نهیں ۔

گھنؔ لگانے کو نہیں = نام کو بھی نہیں - بعض اصحاب لکھنؤ میں گاف مفتوح بولتے ھیں ' یہ بالکل غلط ھے —

گیند گدول = گولا بازی —

ڈیل در گنبد آواز در پیش = اس ڈیل ڈول پر یہ بزدلی —

بھوت لگا ھے = دیوانہ ھوگیا ھے —

پڑھا جن ھے = ھر بات سمجھتا ھے —

پانڈے جی تو پچھتاویں = یہ کلام اپنے حق میں مایوسی کے موقع پر استعمال ھوتا ھے —

بھل گھوریئے = وہ سوار جن کے گھوڑے تیز اور چالاک ھوں —

اونچی دوکان پھیکا پکوان = بے فیض امیر ' بدتقریر فاضل ' مشہور شاعر جس کا کلام بے مزا ھو ' اور ایسے ھی لوگ جو شہرت تو رکھتے ھوں مگر بے لطف ھوں -

اندھوں میں کانا راجا = اس کم علم والے کے لئے کہتے ھیں جو جاھلوں میں وارد ھو اور اپنا سکہ جما بیٹھے' اسی طرح وہ عیبی آدمی جو اپنے سے زیادہ عیب والوں میں رھتا ھو —

رانی کو رانا پیارا اور کانی کو کانا پیارا = ھر شخص کو اپنا بچہ اوروں کے بچوں سے زیادہ پیارا ھوتا ھے -

اس سے کیا حاصل کہ شاہ جہان کی ڈاڑھی بڑی

تھی یا عالمگیر کی = بیجا بحث سے کچھ حاصل نہیں۔

امیر خانی = عورت نما مرد ۔

رذالے کا لٹھ = بے ادب اور منہ پھٹ آدمی —

چل بسا = مر گیا —

میں نے تمہاری گدھی چرائی تھی، میں نے تمہاری چوری کی ہے = میں نے تمہاری کیا خطا کی ہے —

لے پالک = منہ بولا بیٹا، منہ بولی بیٹی —

گُدگُدے = بھنے ہوے جوار کے دانے —

ڈھول ڈھمکّا = باگڑ کا ملک جہاں سے اکثر رنڈیاں آتی ہیں۔

چومکھے کے ہاتھ = مجلس میں چاروں طرف پھبتیاں اڑانا۔

گھی کا کُپا لُڑھ گیا = بڑا رئیس مر گیا۔

دھوم دھام = شان و شوکت۔

دھما چوکڑی = ہنگامہ [ہنسی خوشی کا]۔

کھیت چھوڑ گیا = بھاگ اُکھڑا ہوا۔

ٹھکانے لگا، کام آیا = مار ڈالا گیا۔

تصدق ہوا = حسب صدر، مگر امیروں کے سامنے۔

بڑا سورما ہے = یہ بہت شجاع ہے —

دوکھنا = کسی کے عیب اسی کے منہ پر بیان کرنا —

کیا درزی کا کوچ کیا مقام = غریب آدمی جب اور جہاں چاہے چلا جائے، اس کے سفر کے لئے بکھیڑا

نہیں کرنا پڑتا -

بوے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ = یہ اس وقت کہتے ہیں جب ایک شخص کسی سے ناراض ہو اور دوسرے شخص کے ساتھ مل جاے اور یہ شخص اول شخص کی دوستی سے آزردہ ہو - [آج کل اس کا محل استعمال یہ ہے کہ جب کسی شخص کی نسبت اس کے بیٹے سے زیادہ تکلیف پہنچی ہو، اسی طرح نائب منیب، بڑا چھوٹا وغیرہ سے] -

ناک چنے چبواے = نہایت تنگ کیا -

گھڑی میں گھڑیال ہے = ایک لحظے میں زمانہ بدل جاتا ہے -

جو گرجتے ہیں سو برستے نہیں = جو بہت شیخیاں بگھارتے ہیں کچھہ نہیں نکلتے -

دیکھا ہوا ہے = آزمایا ہوا ہے -

پھونک پھونک پانوں رکھتا ہے = ڈر ڈر کر چلتا اور کام کرتا ہے -

چور ہے = مسخرا اور مکار ہے -

بات کا بتنگڑ بناتا ہے = بہت منچلی ہے -

ہتھیار ہونا = لڑائی ہو جانا -

ٹوپی والے = ولایتی (انگریزی) فوج سے مراد ہے -

گھوڑی والے = دکن کی فوج سے مراد ہے -

پٹھان زا = شاہ ابدالی اور اس کی اولاد سے مراد ہے۔

کئی دن تم نے بھی چام کے دام چلائے = تم نے بھی جلد ختم ہونے والی دولت کے دنوں میں جو نہ کرنا تھا کیا۔

چیل جھپٹا = لوٹ مار۔

پلک دریاؤ = سخی، بڑے دل والا۔

لے جا اب دریا کی ککڑیاں = دہلی کے ککڑی بیچنے والوں کی آواز۔

ہوتا سوتا = زندہ اور مردہ اہل کفو اور قرابتی۔

شایستہ خاں کا پوتا = متکبر آدمی۔

کاریگر، خلیفہ، استاد = نائی، اصلاح بنانے والا۔

کاریگر، خلیفہ، خاص پز = باورچی۔ خاص پز اصل میں خاصہ پز تھا۔ 'ہ' اڑ گئی۔

اسی طرح 'دیوان پن' کی 'ہ' کثرت استعمال سے غایب ہوگئی، جن لوگوں نے دہلی نہیں دیکھی ہے وہ 'دیوانہ پن' کہتے ہیں۔

سپر داد = ساز بجانے والا۔

ڈومنی پن = معشوقوں کے لبھانے کے انداز، میر حسن نے سحرالبیان میں 'ڈومن پن' باندھا ہے، شاید عورتوں کی زبان میں یہ ٹھیک ہو۔

ہمارا لہو پیو = قسم دینے کی جگہہ بولا جاتا ہے،

لیکن زنان منگری یا عورتوں کی زبان ھے -

دھورو فاعل = عورت نما مرد لباس اور حرکات و سکنات کے لحاظ سے -

بڑھیا کا کاتا جوان کا کھاجا' یا تماشا = ھندوستان کی ایک مٹھائی جو باریک تاگوں کی سی ھوتی ھے -

بور کے لڈو = شاہ جہان آباد میں ایک شخص لکڑی کے برادے کے لڈو بناتا تھا اور اس کو بیچتے وقت یہ صدا لگاتا تھا :- "کھائے گا سو پچھتائے گا اور نہ کھائے گا سو پچھتائے گا - بعضے 'بور' سے گیہوں کے آٹے کی بھوسی مراد لیتے ھیں —

ڈھلتی پھرتی چھانوں کبھی ادھر کبھی اُدھر = دولت کبھی ایک کے قبضے میں ھوتی ھے کبھی دوسرے کے -

بھوجلا پہاڑی کے پتھر کھاؤ = یہاں کھانے کی کوئی چیز نہیں' ھاضمہ قوی ھے تو بھوجلا پہاڑی کے پتھر کھاؤ —

بلبلاتہ ھوں بلبلاتہ ھوں - شادیاں مبارک! اُردو کے بھانڈ اول نقل یا ناچ کے شروع میں کہتے ھیں' اور جگہ کے نقال بھی ان سے سیکھہ گئے ھیں —

سلطان جی = حضرت نظام الدین ولی سے مراد ھے جن کو اُردو میں نظام الدین اولیا کہتے ھیں —

فلانے کو دن لگے ھیں = اُس کی مُوت کے دن قریب

آئے ہیں - 'پر لگے ہیں' بھی اسی معنی میں آتا ہے-

چیونٹی کا بل = تنگ جگہ —

تنکے کی اوٹ پہاڑ ہر چیز میں ایک ڈھکی چھپی کیفیت ہوتی ہے —

آنکھہ اوجھل پہاڑ - معنی حسب صدر —

اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو آپ کو سمجھتا ہے = ہر مغرور شخص اپنے سے زیادہ زبردست شخص سے ٹھیک ہوتا ہے —

تم گودڑوں کے لعل ہو' پوتڑوں کے امیر زادے ہو = باوجود ناداری کے سب کو عزیز ہو —

دبرو گھسڑو = عاجز' بیچارا —

تیرے پانؤں تلے گنگا بہتی ہے = تمام روئے زمین تیرے قبضے میں ہے —

چوہے کے بل میں گھسا چاہئے = اس شخص کے خوف سے کہیں پناہ ملنی چاہئے —

تین تیرہ ہوگئے = متفرق ہوگئے —

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے = راز دار طرف ثانی پر جو چاہے آفت لا سکتا ہے —

سب ماہیں پر لنگوٹیا نہ ملے = پرانے دوست سے جو سب باتیں جانتا ہے ڈرنا چاہئے —

آگ لگتے جھونپڑا جو نکلے سو لاؤ = اس فارسی مثل کا قایم مقام ہے ' 'از خرس موئے بس است ' —

بھس میں چنگی ڈال جمالو دور کھڑی = چغل خور اور فتنہ پرداز آدمی کے لئے آتا ہے جو دو شخصوں کو لڑا کر آپ الگ رہتا اور ان کا تماشا دیکھتا ہے —

بچھڑا کھونٹے کے بل کودے = کم زور آدمی حمایتی کے زور پر فوں فاں کرتا ہے —

لکڑی کے بل بندری ناچے = حسب صدر —

پانچوں انگلیاں گھی میں تر ہیں = بہت آسودہ اور فارغ البال ہے —

نچوڑ بات کا = خلاصہ سخن ' لب لباب —

بکھلایا گیا = حواس پریشان ہوگئے —

سقے کی بادشاہی = چند روزہ دولت —

اندھی بادشاہی = بچوں کا کھیل ' جس میں ایک کے سر پر چادر ڈال کر چپت لگاتے ہیں —

ماتھا ٹھنکنا = احمق —

آپ بابو ملنگے باہر کھڑے درویش = خود جس کے پاس کچھہ نہیں دوسرے کو کیا دے سکتا ہے —

فلانے کا فلانا مائی باپ ہے = اس کی پرورش کرتا ہے ' سزا دینے والے کے لئے بھی آتا ہے —

چل چلاؤ = کوچ۔

کت مستنا = ھٹا کٹا ، بے فکر —

چھوٹتا باسن چھلک پڑا = بے وقوف آدمی تلک ظرفی پر آیا۔

نسا جال = پیچ در پیچ —

گورکھہ دھندھا = ایک قسم کے شعبدے کی چیز —

بھول بھلیاں = شاہ جہان آباد میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب ایک مکان ھے جو رائے پتھورا نے بنوایا تھا ، اس میں بہت سے دروازے تھے اجنبی شخص جو اس کے اندر سیر کو جاتا ھے اسے باھر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا - (کاک ایک چھوٹی سی نان کو کہتے ھیں جو قطب الاقطاب کھایا کرتے تھے - اب یہ اس درگاہ کا تبرک ھے) —

کوّا گھار = نامردوں کا مجمع —...

مانگی دھار = وہ سپاھی جو دوسرے کا نوکر ھو —

قطامہ = بد خصلت اور بے حیا عورت — :

ھلاکو = ظالم۔

نادر شاہ کاسا حکم = قوی حکم جو سخت اور اٹل ھو۔

مکر چاندنی = وہ چاندنی جو صبح کے قریب ھوتی ھے -

جی دان = جان بخشی -

کنیا دان = وہ روپیہ جو کسی کو اس کی بیٹی کے

بیاہ کے لئے دیں —

بخشی کا دھگر = زبردست ' بے فکر —

چپلا = بجلی -

کھٹواتی پاٹی لے کر پڑ رہا ہے = نہایت خفگی اور آزردگی میں ایک کونے میں پانو پھیلاے بیٹھا ہے —

یہ بیل منڈھے نہیں چڑھنے کی = یہ کام نہیں ہوگا ' اس کا انجام اچھا نہ ہوگا —

مجھےمول لے کے چھوڑ دیا = مجھہ پر بہت بڑا احسان کیا-

بڑے بول کا سر نیچا = ہر بڑبڑیے اور خود سر کا انجام ندامت ہے —

بو آتی ہے = بد بو آتی ہے —

تکوری = وہ چوب جس سے نقارہ بجاتے ہیں —

میری بلا جانے = میں کیا جانوں ' میری جوتی وغیرہ اور مبتذل الفاظ کے ساتھہ بھی آتا ہے —

پھلا پھولا = خوش و خرم ' صاحب اولاد -

راون کا بچا = زبردست ' متکبر شخص -

بڑی بات ہوئی = بہت اچھا ہوا کہ ایسا ہو گیا -

بھلا صاحب = خود بھکتو گے ' بہت خوب ' بھی اسی معنی میں آتا ہے -

کلھیا میں گڑ پھوڑ رہا ہے = سب سے الگ چھپا کر کوئی

کام کرنا یا کانا پھوسی کرنا -

جنگل میں مورنا چا تو کس نے دیکھا = (کن نے دیکھا، فصیح اردو ھے) اگر دوستوں اور همسروں سے دور کسی کو دولت و ثروت ملی تو اس میں کیا لطف، کیونکہ ترقی کی خوشی اور حظ اپنے هم چشموں میں هوتا ھے -

زید عمرو کی ٹانگ تلے سے نکل گیا = یعنی اس کے کمال کا اقرار کیا —

گولی بچا گیا = مشکل کام سے هاتھه اٹھا لیا '' صاف نکل گیا ' بھی اسی معنی میں آتا ھے -

آپ کا بول بالا رھے = آپ کی بات مجلسوں میں قبول هو ' آپ کا مخالف همیشه مغلوب رھے -

باگ موڑنا = چیچک کے دانوں کا مرجھانا -

بڑا بچھو ھے = نہایت کینه ور ھے -

سانپ کھلانا = ایسی آقا کی نوکری جو کٹھور ' مغلوب الغضب هو اور کسی کی نه سنے -

مسافر آ اُترا ھے = کسبی عورتوں کے حامله هونےکےمعنی میں-

چکا چوند = اندھیرا روشنی سے ملا هوا -

جوگی کا کے میت = بے ٹھکانے آدمی کسی سے نہیں پنپتا ہے -

پشم پر مارتا هوں = دھیان تک میں نہیں لاتا هوں -

غریب کی جورو سب کی بھابی = یعنی مسکین بے زبان

آدمی جسے ہر کوئی جو اس کے جی میں آئے کہہ سنائے اور وہ جواب نہ دے سکے۔

اندھے کی جورو کا اللہ بیلی = بیوقوف کا مال جو چاہے اڑا لیتا ہے۔

شیخ کیا جانے صابن کا بھاؤ = وہ آدمی اس چیز کی قدر اور کیفیت کیا جانے۔

گدھا کیا جانے زعفران کی قدر = مطابق صدر۔

رخ نہیں ملاتا = اُدھر منہ نہیں کرتا۔ متوجہ نہیں ہوتا۔

اس کی ناک مروڑ ڈالوں گا = اس کو خوب ٹھیک بناؤں گا تنبیہہ کروں گا۔

چلے پر مل والا ہے، دال موٹھہ والا ہے، لونگ چڑے والا ہے = بہت ذلیل اور کم تشخص ہے۔

دھلی کے بازاروں محلوں وغیرہ کے نام — تگلبود کا گھاٹ (قلعے کے مغرب کی جانب کا جمنا کا گھاٹ)، سلیم گڑہ (شیر شاہ افغان شاہ ھند کے بیٹے اسلام شاہ کا بنایا ہوا قلعہ، چونکہ اسلام شاہ سلیم شاہ کے نام سے مشہور ہے، اسلام گڈہ کو سلیم گڈہ کہنے لگے)، چاوڑی، چوزاھٹ، گلاب باری، وکیل پورہ، چتلی قبر، سید حسین خاں کا بازار، شاہ کلن کی ڈگڈگی، ترکمان دروازہ، بیرم خاں کا تراھہ، خلیل خاں کی کھڑکی، فراش خانہ کی کھڑکی، لال کنواں،

قاضی کا حوض ' جوہری بازار ' چاندنی چوک ' فتح پوری کی مسجد ' جان نثار خاں کا چھتا ' کشنک نرور کا چھتا (عوام خوش نرور کا چھتا کہتے ہیں اور جو قابلیت دستگاہ ہیں وہ کوشک انور کا چھتا کہتے ہیں یہ دونوں غلط ہیں کیونکہ ' کشنک نرور ' مارواڑ کے راجہ کی رانی تھی اور یہ عمارت اُسی سے منسوب ہے) ' شیر بیگ کا چوترا ' گولک کا چوترا ' روز بھائی پورہ ' کتھہ گڑہ ' مغل پورا ' سبزی منڈی ' گھوڑے نخاس ' متھائی کا پل ' تیلی واڑہ ' نائی واڑہ ' روشن پورا ' پہاڑ گنج ' جشن پورا ' امام کی گلی ' تمبا کو کی منڈی ' بلی ماروں کا محلہ ' مہادیو کا پیپل ' شاہ بولا کا بڑ ' دب گروں کا محلہ ' سعد اللہ خاں کا چوک ' خاص بازار ' فولاد خاں کا کوچہ ' چیلوں کا کوچہ ' نیا بانس ' کشمیری دروازہ ' زینت باڑی ' کنچنوں کی گلی ' دارا کا طبیلا ' عربوں کی سرا ' جے سنگھہ پورا ' تیگا ہزاری کا پھاٹک ' مصری خاں کا پھاٹک ' تیل کا کٹرا ' بیگم کا باغ ' برجناتھہ کا کوچا ' گھاسی رام کا کُوچا ' مہاجنوں کا کوچا (اس کا نام مہاجنیوں کا کوچا مشہور ہے) ' قدم شریف ' شاہ مرداں ' ایک تنگی نہر ' ایمان کا کٹرہ (بعضوں کے نزدیک رایمان کا کوچہ) ' سہرندیوں کا محلا ' بھجواڑیوں کا کوچا '

لاہوریوں کا محلا، گندی گلی، پلنج پیر کا تھان، کوتھا پارچہ (اس کو مزید پارچہ بھی کہتے ہیں اور عوام مجید پارچہ کہتے ہیں)، جمال اللہ خاں کا پھاٹک، دریبہ، دارالشفا، روشن دولا کی مسجد (عوام کی زبان میں)، سید فیروز کا بنگلہ، مہوے کا کٹرہ، کابلی دروازہ، اجمیری دروازہ، دلی دروازہ، لال دروازہ، براھی کا تھاں، محبوب الہی، چراغ دھلی، خواجہ جی، سید حسن رسول نما، باقی باللہ، ناچ کی ملدی، شاہ بڑے کا تکیہ، شاہ تسلیم کا تکیہ، تال کٹورا، جو گمایا، کا لکا، بھیروں جی، رنگی ھٹ، محلدار خاں کا کٹرا، پرانا قلعہ، فیروزشاہ کی لاٹ، شیخ محمد کی پاتیں، کشن داس کا تلاؤ (تلاؤ کے بدلے تالاب کہنا محض تکلف ھے)، ھرن منارا، قطب صاحب کی لاٹ، پتھورا کے محل، ادھم کا گنبد، بھول بھلیاں، سلطان غازی، جھرنا، شاہ مرداں، تغلق آباد، صفدر جنگ کا مقبرہ، ھمایوں کا مقبرہ، خانخاناں کا مقبرہ، گوکانوے کی ماتا، فرید آباد کی براھی، املی کا محلا، چوڑی والوں کی گلی، سیتا رام کا بازار، ماھی داس کا کوچہ، بھوجلا پہاڑی، مٹیا محل، پیرندی کا نالا، پتھر کا کلواں، بادل پورا، بہادر پورا، موتھہ کی مسجد، اسد خاں کی بارہ دری، خان دوراں کی حویلی،

امیر خاں کا بازار، قابل عطار خاں کا کوچا، جت پورا، سعادت خاں کا کوچہ، محتسب کی مسجد، کشمیری کٹرے کی مسجد، زینت المساجد، جما مسجد (جمعہ مسجد، اسے مسجد جامع بھی کہتے ہیں)، نواب بہادر کی مسجد، شاہ ابوالعدل، میرزا جانجاناں صاحب، خواجہ میر درد صاحب، مولوی نظر محمد مرحوم، مولوی فخرالدین صاحب، میاں سید خاں، دولھا بھتیارے کے محل، کھجور کی مسجد، نیچہ بندوں کا کوچہ، سبز کٹواں، پنڈت کا کوچہ، ہیجڑوں کا کٹرا، دائی پورا —

مندرجۂ بالا دھلی کے محلوں اور بزرگوں کے نام ہیں ان کے سوا اور بھی بہت سے محلے اور بزرگ ہیں لیکن اختصار سے کام لیا گیا —

زبان دھلی کے محاورے | چوری کا گڑ میٹھا = مفت کے مال میں بہت مزا آتا ہے —

بازار کی مٹھائی = بازاری عورتیں –

قوال = نظام الدین اولیا کی درگاہ کے مطرب –

شیر مادر — جایز اور حلال چیز –

چوکھا = خوب –

جماگی = جو لڑکے تمباکو وغیرہ کے واسطے اپنے مکتب کے میاں جی کو جمعرات کے دن دیتے ہیں –

پھینک = باھم گتکے کی ورزش ' اسے لکڑی [اور پکھیتی] بھی کہتے ہیں -

ایکنگ = پھری کے بغیر صرف گتکے سے لکڑی کی ورزش -

دوانگ = پھری کے ساتھہ پکھیتی -

پھری = نمدے اور چمڑے کی بنی ہوئی ڈھال ' معمولی سپر سے چھوٹی -

پھڑی = پتھر اور اینٹوں کا ڈھیر -

پوری نہیں پڑتی = فایدہ نہیں ہوتا [آمدنی میں خرچ پورا نہیں ہوتا] —

حرامی پلا = بد طینت شخص ' پاک ذات کا لفظ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے —

گودڑ خیل (یاے مجہول) = کوئی گھٹیا اور نکمی چیز -

تیرے پدر کو خبر نہیں = تیرے فرشتوں معلوم نہیں ' تجھے کچھہ خبر نہیں —

آٹھوں گانٹھہ کمیت = پختہ کار آدمی -

پنج عیب شرعی ' مادر پدر بیزار = عیبی اور ناھموار شخص -

ملہ سے تو پھونو = کچھہ بو لو تو ! -

جوزی ہے بر خور دار ہے = دونوں نالایق ہیں -

پانی پت کے رہنے والے ہیں = نرم اور میٹھے ہیں -

دائی نے سر پھول پان = بیچارے مسکین آدمی پر ہر

تہمت تھپ جاتی ہے اور ہر بلا آتی ہے -

طبیلے کی بلا بندر کے سر بد نام آدمی کے سر ہی تہمت جاتی ہے ' اور بشرح صدر —

مچھی = بوسہ (یہ لفظ اب متروک ہے) -

زیر مشق = کسی کا تابع یا پتا ہوا -

دونوں ٹانگوں میں سر کر دوں گا = تجھے سزا دوں گا '

بال چھتری = اورنگ زیب بادشاہ کی دستار —

پردہ = تانت کے تار جو ستار پر باندھ ہیں -

سندری = ستار کے لوہے کے تار —

رنو چکر میں آجانا = حیران ہونا -

لٹو ہو گیا = عاشق ہو گیا —

پانی پانی ہو گیا = عرق عرق ہو گیا ' پسینے پسینے ہو گیا (اور ہوا) = بہت شرمندہ ہوا —

فجر کا بھولا شام کو گھر آوے تو اسے بھولا نہیں کہتے = اگر کوئی نادانستہ برا کام کرے اور پھر اسے چھوڑ دے تو گناہگار نہیں ٹھیرایا جاتا -

ہونٹوں کی مسی پونچھو = یہ فقرہ بانکوں کی بولی کا ہے جو وہ اپنے نوجوان حریف سے کہتے ہیں -

بانکا ' غنڈہ = اس آدمی کو کہتے ہیں جو ٹیڑھے رستے چلے اور کسی کو شجاعت میں اپنے برابر نہ سمجھے -

کڑوا = شجاع -

نُکیلا = خوش شکل -

نَکیلا = غیرت مند -

چال ڈھال = رفتار و گفتار -

دانت ہے = ارادہ یعنی خواہش ہے ' قتل اور غارت کے لئے بھی آتا ہے —

دودھ سے مکھی کی طرح نکال ڈالنا = بالکل بے دخل کر دینا -

دودھا دھاری = جو دودھ کے سوا کچھ نہ کھائے پئے —

مونچھہ مروڑنا = اس کو راہ پر لانا جو واہی تباہی بولتا ہو —

گال کاٹ کھانا = ملهہ مل ڈالنا ' گردن توڑ ڈالنا ' سر دبا ڈالنا ' کمر تکی کر ڈالنا = ذلیل کرنا —

بھاری بھر کم = متین شخص -

ملہ لگانا = مصاحب بنانا -

دم دینا = دھوکا دینا -

کھلے بندوں کام کرنا = بے تردد کام کرنا —

فلانے کے دشمنوں کی طبیعت کسلمند ہے = وہ خود بیمار ہے -

بے طرح = ایسی چیز جو کسی کی سمجھہ میں نہ آئے —

جانی ' جانی جیوڑے = معشوق کے خطاب —

گڑ کھانا گلگلوں سے پرہیز کرنا = ایک شخص کی دوستی

کا دم بھرنا لیکن اس کے باپ یا بیٹے کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنا--

دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر = جس شخص کے گھر میں رہنا اس شخص کے بیٹے یا مختار وغیرہ سے عداوت رکھنا-

موتی اسامی = مالدار --

ہاتھیوں کے ساتھہ گنے چوسنا = زبردست آدمی سے همسری کرنا-

باندی بند ور = کنیز --

کیا کتا ہے = کیا پاجی ہے -

ایک پانچ کوڑیاں نیاز حضرت نظام الدین اولیاء کی = دارالخلافہ کے بعض فقیروں کا سوال -

نظر گزر = نظر بد --

دلی کا لڑکا ہے = دهلی کا رہنے والا ہے -

تهالی پهرتی هے = آدمیوں کی اتنی بهیڑ هے کہ بیان سے باهر-

کهونٹی مروڑی = سزادی ' گوشمالی کی -

تاج = توپی = (شہر کے آزادوں کی زبان میں) -

اس کا پیالا هوا = وہ مر گیا (یہ بهی آزادوں کی زبان هے) -

ککڑی کے چور کو گردن نہیں مارتے = ایک گناہ جو کسی سے بهول میں هو جائے تو کشتنی نہیں هوتا -

بوتے ساقد = سہاقد - قد رعنا ' بعضے بوتا سا قد کہتے هیں-

تمہارے واسطے تو کنوؤں میں بانس ڈالے = تمہاری بہت تلاش ہوئی -

پلیری = چھوٹے پودے، نئی پود، وہ اسباب جو باپ دادا سے ترکہ میں ملا ہو -

چرخ چڑھنا = اپنے کو اعلیٰ درجے پر پہنچانا -

اُودبلاؤ = احمق -

جھار جھنکار = بڑے اونچے اور گھنے درخت -

اُونٹ = لمبے قد کا آدمی —

شش و پنج میں پڑا ہے = سخت تردد میں ہے —

تھرکنا = بدن کے اعضا کو ہلانا -

مٹکنا = آنکھ، بھوں اور دونوں کندھوں کو حرکت دینا -

ڈلو = کم عقل آدمی -

بورچی = باورچی -

بوندگیا = نظر سے دور گیا -

جی کا بٹ جانا = پریشان خاطر ہونا -

چیں چیں کرتا ہے = بیجا شور کرتا ہے —

ننگا منگا = کپڑوں کے بغیر، برہنہ -

باڈیں بکّل = دو پٹہ سے عورتوں کا جسم کو سجانا -

بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے = بند بند سے نچّاپن ظاہر ہوتا ہے -

میں نے اسے خوب جھاڑا = اُسے خوب ہی شرمندہ کیا -

ہمارا اُن کا ڈانڈا میلتا ہے = ہمارے اور ان کے پیدا ہونے اور رہنے کی جگہ پاس پاس ہے -

بارہ بات اٹھارہ پیلتے پھرا ہے = کار آزمودہ آدمی ہے -

دانت پر میل نہیں = نہایت بے مقدور ہے -

سیانا کوا گو کھاتا ہے = مکار آدمی لالچ سے مصیبت میں پھنس جاتا ہے -

کبوتر باز ' جوہری = مردم شناس -

قصباتی ' گنوار ' باہر بندو = احمق -

قسم کھانے کو جگہ رہی = دل تو اس کام کو نہیں چاہتا لیکن تکلف سے یاروں کے شریک ہوگیا -

لہولگا کے شہیدوں میں مل گیا = اس کام کی لیاقت ذرا نہ تھی صرف بزرگوں کا تتبع کیا -

غچی پارہ = چقری جو لڑکے کھیل کے لئے بناتے ہیں -

بڑا پتھر نہ اٹھہ سکے تو تیں سلام کر کے چھوڑ دیجیے = جو کام نہ ہوسکے اسے چھوڑ دیا جائے -

پتھراؤ کیا = سنگسار کیا -

چمار چودس = نالایقوں کا مجمع -

گھرول = ہجوم -

کلکلی بی بی = مسی بیچنے والی عورت -

کچ کچاہٹ ' مچ مچاہٹ = عاشق کی کمال خواہش

بوس و کنار کے لئے -

گدگداھٹ = بیقراری -

میلا ھے = رنجیدہ ھے -

سونے کے سہرے سے بیاہ ہو = شادی کے لئے نیک دعا -

فلانے کے سر سہرا ھے = اس کے نام فتح ھے ' یہ کام اُسی سے ہوگا -

مٹ گیا ' بیٹھہ گیا = تباہ ہوگیا -

چمکا رھتا ھے = بنا سنورا رھتا ھے -

اُجلا رھتا ھے = حسب صدر -

میلا رھتا ھے = مفلس ھے -

بھلے کو میں تمہارے پاس آیا تھا = اچھا ہوا -

مفلس کا مال ھے = شہر کے دلال اس صدا سے غریب آدمی کا مال بیچتے ھیں تاکہ خریدار سستا سمجھہ کے مول لے لیں -

ان کی دم میں نمدا باندھو = ان سے کچھہ تعلق نہ رکھو -

گھوڑ چڑھا = وہ شخص ملازم جس کی سواری کے لئے آقا کے ہاں سے گھوڑا مقرر ہو ' شرط یہ ھے کہ سپاھیوں میں نوکر ہو ' ورنہ یوں تو امیروں کے مصاحب بھی آقا کے گھوڑوں پر چڑھتے ھیں -

پٹھا = پہلوانوں کا نیا شاگرد ' نوجوان شخص کو

بھی کہتے ہیں -

دنداں مصری = نازک بدن مرد ' ایک مٹھائی جو بچوں کے لئے بناتے ہیں -

رنڈی = کسبی عورت -

نایکہ = کسبی عورتوں کی مالک یا کار پرداز -

بھنڈری محال ' چکلہ = کسبی عورتوں کا محلہ -

زوٹ مارے جاتا ھے = منھ سیئے اور سانس چرائے جاتا ھے [تاکہ کوئی دیکھ نہ لے] -

کڑا کڑ بولتی ریوڑیاں ' یا غلا بیاں ' مکھڑا گلاب ریوڑیاں ' (نیز ریوڑیں) = ریوڑی والوں کی آواز جو پھیری پھرتے ہیں -

شاہ مرداں کی للڑیاں = گاجریں -

برسے گا برساوے گا دمڑی سیر لگا ویگا = مینھ کے شروع ہونے کے وقت لڑکے چیخ چیخ کر آواز لگاتے ہیں —

بہشت کا میوا = انار —

گھیرے کا انار = شہر کے قریب ایک جگہ کا نام گھیرا ھے -

بندھیج = انتظام -

رگڑا جھگڑا = مناقشہ -

رگڑا = بھنگ گھوٹنا -

تیز ' گرم ' چالاک = شوخ چالاک اور تیز فہم شخص -

میر شکار = شکاری جانوروں کا محافظ جیسے باز ' بحری' جرہ ' چرغ اور شاھیں وغیرہ ' مردم شناس آدمی کےلئے بھی آتا ھے۔
اٹھائی گیرا = چوری سے غافل آدمی کی چیز اٹھا لیجانے والا۔
صبح خیزیا = وہ چور جو سرائے میں مسافروں سے پہلے جاگے اور ان کا اسباب لے کر چلتا بنے۔
آدھی مرغی آدھی بٹیر = جس آدمی کی دو زبانیں دو ' اوصاف یا دو مسلک ھوں ' یعنی کبھی شیعہ اور کبھی سنی ' کبھی بڑ پن اور کبھی بچپن کا کام کرے ' یا آدھی عبارت ھندی اور آدھی فارسی عربی وغیرہ بولے۔
اھل سنت کا فرقہ تفضیلیہ جو علی علیہ السلام کو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے اچھا جانتے ھیں۔
بڑے خزانے کی خیر = شاھی خزانے میں توفیر ھو۔
خزانہ کلاں = شہدوں کی اصطلاح میں بادشاہ ھند کے خزانے سے مراد ھے۔

شہدہ	شہدہ وہ شخص ھے جو سر ننگا اور پیر ننگا ھو اور لوگوں کا بوجھ سر اور کندھے پر اٹھائے ' یہ

الفاظ بے تکلف شہدوں کی زبان پر ھوتے ھیں:-
ابے ' او ' اوبے ' بچا ' ایسے تیسے ' سالے وغیرہ۔
شہدہ ھر فرقے کے لوگوں کا کام کرتا ھے اور مزدوری کی اُجرت کے سوا اور کسی چیز سے واسطہ نہیں رکھتا '

اگر لاکھہ روپیے اشرفیاں یا جواهر کے عدد ایک سونے مکان میں رکھے هوں اور شہدہ وهاں اکیلا جانکلے، حالانکہ کوئی نگہبان بھی نہ هو تو شہدہ کسی چیز کو هاتھہ نہ لگاے گا - ان لوگوں کے جتھے شہر کی جامع مسجد کے قریب خصوصاً چاوڑی میں ملتے هیں- بلکہ شہدہ کا کمال یہ هے کہ اسے جامع مسجد کا شہدہ کہیں، یعنی جما مجسد کا شہدہ - شہدوں کے نام بھی انوکھے هوتے هیں اور ان کا لہجہ بھی عجیب هوتا هے جیسے کرگج، جما، بدهوا، روشن چراگ، مادا، دهموا، جهموا، راجی خاں، نہال بیگ، میر آسوری، خوجی کلاں، شیخ رانجھے، ابوالمالی، ڈهول محمد، کپور خاں، وغیرہ - یہ ان حضرات کے نام هوتے هیں، اب ان کی گفتگو کا طرز ملاحظہ هو:-

شہدوں کی زبان

"ابے دیخ تو بچاآں نبی صاحب کی سوں کیسا سبجوں گا تہاری سب باتیں میں هیں جانتاهوں مجھکو بھی نواب صاحب جانتے هیں کل بھی جما بھتیارے کی دکان پر مجھے دیخ کر هنس دیا میں نے کہا اودولاخیر آپ بولے وابے بچا تیرے دموں پر لتھہ" -

یہاں تک شہدوں کی زبان اردو سے خصوصیت رکھتی

ہے ' یعنی شاہ جہان آباد کے شہدوں کے سوا اور کہیں کے شہدوں کا یہ لہجہ سننے میں نہیں آیا - جب کوئی شامت کا مارا اور آوارہ پنجابی ان کی منڈلی میں آ داخل ہوتا تو ہے اس کے لہجے کی یہ صورت ہوتی ہے :-

" اپے دیکھ تاں بچا آہاں نبی صاحب کی کسم کیسا سمجھاندا تُہاری سب باتاں میں ہیں جانرتا ہاں مجھکو بھی نواب صاحب جانرتے ہیں کل بھی جما بھٹیارے کی دکان کے اوپر مجھکو دیکھ کے ہنس دیا میں نے کہا اودولہا کی خیر آپ بولے کہ واہ بے بچا تیرے دموں پر لتّھ " —

اور فلک زدہ پوربی کا لہجہ ایسا ہے : ۔

" اپے دیکھ تو بچا آنہ نبی کی سوں کیسا سمجھونگا تُہاری سب باتیاں میں ہی جانا تا ہوں مجھکو بھی نواب صاحب جانا تے ہیں کل بھی جما بھٹیارے کی دکان پر سمجھے دیکھا کے ہنس دیا اور میں نے کہا اودولوا کی خیر آپ بولے کہ واپے بچا تیری دموں پر لاتّھ " —

— ※ —

دوسری فصل

دہلی کی خواتین کی زبان اور محاورے

زبان کے طالبوں کو بتاتا ہے کہ شاہ جہان آباد کی عورتوں کی زبان مردوں کے سوا سارے ہندوستان کی عورتوں کی زبان سے فصیح ہے - ان کی ایک اپنی ہی زبان اور اسلوب ہے - جو لفظ ان میں رواج پا گیا اردو ہو گیا خواہ وہ عربی ہو یا فارسی، سریانی ہو یا ترکی پنجابی ہو یا پوربی، مارواڑی ہو یا دکھنی، بندیل کھنڈی یا کہیں کا ہو —

رنگین اور ریختی

سعادت یار خاں 'رنگین' تخلص خلف طہماسپ خاں جو دوستداری کے شعار اور سپاہگری و شجاعت وغیرہ مردانہ اشغال میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اس کو پردہ نشین مخدرات سے واسطہ رہا ہے - ایک جز اس نے اپنی تالیف کی ہوئی کتاب میں اُن کی زبان میں لکھا ہے بلکہ اسی زبان میں ایک دیوان بھی کہا ہے - وہ 'ریختی' کا موجد ہے اور اس دیوان کا نام بھی ریختی رکھا ہے - یہ سچ ہے کہ اس زبان (ریختی) میں ہندی شعر کا موجد خان مذکور ہے - راقم آثم یہ اصطلاحیں وہیں سے نقل کرتا ہے کیوں کہ موصوف میرے سچے اور مخلص دوستوں میں ہے اور راقم کو باوجود ہیچمدانی کے مسلم الثبوت اور گزشتہ اور حال کے شاعروں میں بہتر سمجھتا ہے - اس لیے

افسوس کی بات تھی اگر اس دوست کے ذکر خیر سے یہ نادر کتاب خالی رھتی —

زنانہ محاورے	الوست = مست ' نشے میں چور —
	ات گت = بے حد ' نہایت —

اُدھل گئی = بد کا رھو گئی —

اُشغلہ = طوفان ' بہتان —

آٹھہ آٹھہ آنسو روئی = زار زار روئی —

اوپروالا ھوا = نیا چاند نکلا (چاند کو اوپر والا بولتے ھیں)-

اُوپر والیاں = چیلیں —

اُجلی = دھوبن —

اچھوانی = چند دواؤں کا جوشاندہ جو وضع حمل کے بعد زچہ کو دیتے ھیں —

اھلی گہلی پھرتی ھے = اتھلاتی اور خوش خوش پھرتی ھے —

از جاے = مر جاے —

آتو جی = پڑھانے والی ' اُستانی (خلیفہ ' خلیفہ جی بھی بولتے ھیں) —

ایک آنکھہ نہ بھایا = ذرا بھی نہ بھایا —

ان گنا مہینا = حمل کا آٹھواں مہینا —

ان گنا برس = آٹھواں برس —

اکل کھری = جو عورت اکیلی بیٹھی رہے اور عورتوں کی صحبت پسند نہ کرے —

الایچی ، دگانہ ، زناخی ، دوست ، سہ گانا ، گوئیاں ، واری ، خاصی ، پیاری = (ان کلموں کا مفہوم تو ایک ہے لیکن معنی کے مراتب میں فرق ہے) 'الایچی' دو عورتیں باہم الائچی کے دانے کھا کر ایک دوسرے کو یہ لقب دیتی ہیں۔ 'دوگانا' = دو عورتیں دوهرا بادام آپس میں کھا کر دوگانا ہو جاتی ہیں۔ 'زناخی' = جب دو عورتیں مرغ کے سینہ کی ہڈی جسے زناخ یا جناغ کہتے ہیں) باهم توڑیں - 'دوست' ، 'واری' ، 'خاصی' 'پیاری' = مثل سابق- 'سہ گانا' = دوگا کی دوست - 'گوئیاں' = یہ اهل پورب کی اصطلاح ہے اگرچہ اردو میں داخل نہیں اور بیگمات کے استعمال میں نہیں لیکن آج کل تمسخر کی طور پر بول دیتی ہیں- خلیفہ جی (پڑھانے والی) ' واری ' خاصی ' پیاری = خان موصوف کی کتاب میں نہ تھے مناسب موقع سمجھ کر راقم نے بڑھا دئیے-

اردا بیگنی = ترکستان کی عورت جو بادشاهوں کے حرم کا انتظام رکھتی ہے ' ہندی میں اسے ترکنی کہتے ہیں —

بستار کرتی ہے = بات کو طول دیتی ہے —

بیٹھک = عورتیں مکان کو فرش فروش سے آراستہ کرکے اور اچھے کپڑے اور زیور پہن کر شیخ سدو، میاں شاہ دریا، یا میاں زین خاں کو سر پر لاتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک عورت ڈھولک یا سرود کی آواز پر اپنا سر ہلاتی ہے، عورتیں سمجھتی ہیں کہ شیخ سدو یا اس کے بھائیوں میں سے کوئی جن کے نام اوپر دئے ہیں اُس کے سر پر آیا ہے۔ اور دنیا کے معاملوں اور اپنی اچھی بری باتوں کی نسبت اس سے سوال کرتی ہیں —

بوبو = وہ عورت جس نے ایک شخص کی ماں یا ساس کو پالا ہو۔ اس میں اور 'چھوچھو' میں یہ فرق ہے کہ چھوچھو وہ عورت ہے جس نے ایک شخص کو یا اس کی بیوی کو پالا ہو —

بتانا = وہ لوہے کا کڑا جس سے عورتوں کے ہاتھ میں میں چوڑیاں پہناتے ہیں —

بڑھاؤ پوشاک = پوشاک بدلو —

بڑادن = بڑ بولی بڑھیا —

بللی = بیوقوف عورت —

بڑما = وہ عورت جو اپنے کو خواہ مخواہ دوسری عورتوں سے بڑی سمجھے —

بسورتی ہے = رونی صورت بناتی ہے —

بھنڈ قدمی = نحس قدم عورت —

بھونگڑا = بھدی گندی چیز —

بڑمھی = سورنی —

بتولے نہ دے = دھوکا نہ دے —

بیر سے = ضد سے —

بیر دوڑاتی ہے = موکل دوڑاتی ہے —

بوغبند = بڑا بقچہ —

باجی = بیٹی ماں کو اس نام سے پکارتی ہے، خاص کر پہلوٹی کی بیٹی جو شروع جوانی میں ہوئی ہو اور اس وجہ سے ماں بیٹیاں بہنیں معلوم ہوتی ہوں- اس صورت میں ماں کو باجی کہہ کر پکارنے کا دستور ہے —

بڑبھس لگا ہے = عورت کو بڑھاپے میں مسخرہ پن سوجھا ہے —

بھدرک تمھاری بات میں نہیں = تمھارے کلام میں استقلال یا وثوق نہیں —

بدبختی = بد بخت —

بر کی ماری = جادو کردیا، منتر پھونکا —

بیلی = بے مزا عورت —

بھستل = گندی عورت —

بڑھیل = بڑھیا اور بکنے والی عورت ـ

بخشو ھمیں = معاف کرو ـ

بھتہائی ھے = تھوڑی بات کو بڑھانے والی ھے، اصل میں پنجابی ھے لیکن اردو میں بھی مستعمل ھے ـ

پھا پھا، فرھاد کُش = کُٹنی، دلالہ ـ

پچ جانا = سوجن کا کم ھونا ـ

پھرول دیا = کھول دیا، افشا کردیا، بکھیر دیا، یہ بھی اھل پنجاب کی اصلاح ھے ـ

پڑیاں = دو قسم کی ھوتی ھیں ایک تو یہ کہ شیرینی پر بی بی کی فاتحہ دلاکر بانٹ دیتے ھیں اور دوسرے سیندور اور عبیر کی پڑیاں اُن کے نام پر اڑا دیتے ھیں ـ

پھوٹ = تجھہ پر خدا کی لعنت ـ

پیچا = بلا ـ

پینڈیاں = بتیس دواؤں کو کُوٹ کر لڈو بناتے ھیں اور جاڑوں میں کھاتے ھیں ـ

پگڑی والا، چپڑے والا = حکیم سے مراد ھے ـ

پانوں بھاری ھے = حاملہ ھے ـ

پچھائے * = انگیا کی آستینوں کے پاس کے کپڑوں

* محاورۂ حال میں 'پچھوے' کہتے ھیں ـ

کو کہتے ہیں ۔

پیٹی = چھوٹی پٹاری ، صندوقچہ جیسی لمبی چیز کو بھی کہتے ہیں ۔

تو تو = زبان ۔

تھل بیٹھو = آرام کرو ۔

تھگلی = پیوند ۔

تار بتار کردیا = تار تار کردیا ۔

تھڈکاریاں = بیڑیاں ۔

تلپٹ کردیا = برباد کردیا ۔

تیرے کارن تیرے باعث ، یہ لفظ بھی دوسری زبان (جگہ) کا ہے ۔

تکادر = بیگمات کی اصطلاح میں دایہ کے شوہر کو کہتے ہیں ۔

تخت کی رات = شب عروسی ۔

تہس نہس کیا خاک میں ملادیا ہے ۔

توتیے جوڑتی ہے = جھوٹی تہمتیں باندھتی ہے ۔

لولی = محرم یعنی سینہ بند کی کٹوریوں کا کپڑا ۔

تھنڈیاں نکلی ہیں = چیچک نکلی ہے ۔

جل جوگنی = چیل ، اور جونک ۔

جلے پانوں کی بلی = وہ عورت جو بے کام گھر

گھر پھرے -

چیا = دایہ کو بھی کہتے ہیں اور اس عورت کو بھی جو بجاے دایہ ہو -

جی بھاری نہ کر = مت رو -

جھلکا - کسی کے چہرے کے قریب آگ پہنچنا -

جھتیل = بٹہ باز -

جھپسی ہے = بہت گرم ہے -

چنڈیا سے پرے سرک = میرے سر سے دور ہو -

چرپاک = زبان دراز [آج کل چربانک کہتے ہیں] -

چاؤ = ارمان -

چونڈا = سر -

چھنٹیسی = بہت مکار اور عیارہ -

چواؤ = تکرار -

چو چل ھائی ہے = نخرے کرتی ہے -

حف = چشم بددور کے مقام پر مستعمل ہے -

خیلا = بدشعور ، بے سلیقہ عورت -

خشکہ کھاؤ = جاؤ ، اور خوش رہو -

دائی کو میری کوستی ہے = مجھے بد دعا دیتی ہے -

دن ٹل گئے = ماہواری کے ایام گزر گئے -

دو ملنھہ ہنس لے = ذرا ہنس لے -

ڈھندلی کرتی ہے ۔ ڈھوکا کرتی ہے -

دو جی سے ہے = حاملہ ہے -

ددا = وہ کنیز جس کی گود میں پرورش پائی ہو -

دال میں کچھہ کالا ہے = یہ بات یا چیز قباحت سے خالی نہیں -

دونا = نیاز -

دوالیں = انگیا کی کٹوریوں کے نیچے کے ٹکڑے -

دوبھر = مشکل -

دور پار = خدا نہ کرے -

راج کرے یہ الفت = اس الفت کو آگ لگے -

رگیلی ہے = بدذات ہے -

رائے مینا کی چوڑیاں = اچھی چوڑیوں کی ایک قسم -

رسی = سانپ، سانپ کو 'ماموں' بھی کہتے ہیں -

زمین دیکھی ہے = قے کی ہے -

زمین کا پیوند ہو = خدا کرے مر جائے -

سکہ بٹھاتا ہے = حکم جاری کرتا ہے -

سداؤنی = کسی کے مرنے کی خبر، یہ اصل میں پنجاب کا محاورہ ہے، اب بیگمات کی زبان میں مستعمل ہے [آج کل 'سدانی' بولتے ہیں]

ستھرائی = جھاڑو -

ستیا = غصہ میں لڑکی کو کہتے ہیں -

سہیلی = ہم‌عمر کنیز -

سنجوگ = ملاقات کا اتفاق -

سحنک = حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی نیاز کا کھانا -

سکھی = وہ عورت جو عمر' دولت اور حسب نسب میں اپنے برابر ہو -

سنکو = وہ عورت جو پردہ یا دیوار کے پیچھے سے دوسروں کی باتیں سنے -

شفتل = پلید اور بدکار عورت -

شطاح = حرام کار -

طبق = پریوں کی نیاز -

طیش میں ہے = بہت غصے میں ہے -

قدریے کی = ہر چند تردد کیا -

کرتوت = برا کام' جادو -

کٹر = سنگدل -

کُتھلی = کان کے اوپر کے سوراخ -

کوکھہ کی ٹھنڈی ہے = اولاد والی ہے -

کھرکھوج ہے = بے نام و بے نشان ہو گئی ہے -

کاکا = وہ خواجہ سرا جس کی گود میں متکلم کا باپ پلا ہو -

کھڑا دونا دونگی = مشکل کُشا کی نیاز ہاتھوں ہاتھہ دونگی -

کالے کوس ہیں = بہت فاصلہ پر ہے -

کاڑھا - چند دوائیں جو اسقاط حمل کے لیے دیں [لغوی معنی جو شاندہ] -

کشتی = وہ پیالی جس میں سر میں لگانے کو پھلیل رکھیں -

کُہرام = سخت ماتم -

کیڑیاں لگائی ہیں = جوکیں لگائی ہیں -

گھر گھالے ہیں = گھر برباد کیے ہیں -

گرج کر بولی = خوفناک آواز سے بولی -

گھگھیاتی ہے = اتنی عاجزی کرتی ہے کہ کیا کہیں -

گاج = وہ کپڑا جو پورب یا چین سے آتا ہے ' یورپ میں گھاس کو کہتے ہیں لیکن یہ درست نہیں -

گلتھی ہے = بڑا دانہ جو گلے میں نکل آئے -

لکھا = غماز ' چغل خور -

لتھری = وہ عورت جو ادھر کی ادھر لگائے یعنی یہاں کی بات وہاں جا کہے اور وہاں کی یہاں آ کہے -

لبڑو = بیہودہ باتیں کرنے والی -

لو = کان کی لو ' بنا گوش -

لہو پانی ایک کیا = بہت غم و غصہ کیا -

لوتھا ہے = مسئلک ا ہے -

مانگ سے ٹھنڈی ہے = سہاگن ہے -

مان کرتی ہے = غرور کرتی ہے -

ملیا میٹھہ = برباد -

منھہ پھوڑ کر کہا = بے شرم ہو کر کہا -

میلے سر ہے = حایض ہے -

مت اس کی ماری گئی = اس کی عقل جاتی رہی یہ بھی پنجابیوں کا محاورہ ہے -

منھہ بھرائی = رشوت -

مغز کے کیڑے نہ اُڑا = میرا سر نہ پھرا -

مرداری = چھپکلی -

نوج ' نج = خدا نہ کرے ' نج پنجابی ہے ' اردو میں کم بولا جاتا ہے ' نوج کثیرالاستعمال ہے -

ننا نویا = پچھلپائیاں ' چڑیلیں -

ناگن = بالوں کی وہ بھوری جو چوٹی کے نیچے گدی پر ہو -

نکہ کی چوڑی = چوڑیوں کی ایک عمدہ قسم -

ناک چوٹی گرفتار ہے = نہایت آن شان اور غرور والی ہے -

ناک چنے چبوائے = بہت آزار پہنچایا - مرد بھی اسی

معنی میں بولتے ہیں -

ناک نہ رہی = غیرت نہ رہی -

ننگی شمشیر ہوں = بے محابا اور صاف گو ہوں -

ہر گاہ = ہرگز -

ہوکہا ہے = بیجا ہوس ہے [اب ' ہوکا ' بولتے ہیں]

ہولا جولی نہ کر = گھبرا نہیں -

ہاتھہ پر ہاتھہ دھرے بیٹھی ہے = بیکار بیٹھی ہے -

یہ کس کا موت ہے = کس کا نطفہ ہے -

میاں شیخ سدو ' میاں زین خاں ' میاں صدر جہاں ' نھنھے میاں ' چہل تن ' میاں شاہ دریا ' میاں شاہ سکندر اور سات پریاں یعنی لال پری زرد پری ' سبز پری سیاہ پری ' آسمان پری ' دریا پری ' نور پری ' ان پر عورتیں اعتقاد رکھتی ہیں اور میاں شاہ دریا اور میاں شاہ سکندر اور ان ساتوں پریوں کو بھائی بہن بتاتی ہیں اور یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے ان کو حضرت زہرا علیہا السلام کی خدمت اور ان کے ساتھہ کھیلنے کے لیے بھیجا تھا ' یہ سب ان کے غلام اور کنیزیں ہیں —

یہاں تک جو محاورے درج ہوئے وہ اور ان کے معنی سعادت یار خاں رنگین کے لکھے ہوئے ہیں اب میں اپنی طرف سے لکھتا ہوں ' یہاں کسبی اور گھریلو کی قید نہیں

لگائی گئی، یہاں صرف زنانی بولی سے مطلب ہے ۔

نگوڑا ناتھا = بیکس، بے سوو پا [جس کا عزیز اقارب کوئی نہ ہو] ۔

خدا سمجھے = خدا سزا دے، بدعا بھی ہے اور خوش ہونے کے وقت بھی مستعمل ہے ۔

اُسے علی کی مار = اس کی کمر ٹوٹے، بد دعا ہے ۔

تم صدقے گئے تھے، تم صدقے کیوں نہ ہوے = بے تکلفی میں دوست سے نفرت کا اظہار، الفت کے اظہار میں بھی بہ طور استعارہ عنادیہ مستعمل ہے ۔

ہمارا حلوہ کھاؤ، ہماری بوٹی کھاؤ، ہمارا لہو پیو، ہمارا مردہ دیکھو، ہمیں پیٹو، ہمیں ہے ہے کرو، ہمیں گاڑو، ہمارا جنازہ دیکھو = دوسرے کو قسم دیتے وقت کہتے ہیں ۔ مثلاً ہمیں ہے ہے کرو جو یہاں سے جاؤ وغیرہ ۔

مقابا = ایک چیز جس میں آئینہ اور مسی وغیرہ رکھیں ۔

نبختی = کم نصیب عورت ۔

کیوں میرے لال = میرے پیارے یا میری جان کیوں، زیادہ تر لڑکوں کے لئے مستعمل ہے ۔

جھانی = کنیز ۔ یہ ڈومنیوں کی اصطلاح ہے اگرچہ پنجابی ہے لیکن دہلی میں مروج ہے اس وجہ سے کہ

اردو میں اور کوئی لفظ لونڈی کے سوا نہیں اور یہ خانگیوں کا لفظ ہے —

مجرا = شادی وغیرہ میں کسبی عورت کا ناچ گانے کے لئے جانا —

دادا = بزرگوں کے نام اور عورتوں کا نسب بیان کرنے والا —

کسبی = رنڈی ہو یا ڈومنی یا کنچنی ہو، پنجابی ہو یا باگڑنی —

روٹی = وہ کھانا یا مٹھائی جو کنچن لوگ اپنے ہاں کسی کے مرجانے پر اپنی برادری میں بانٹتے ہیں —

گھونگرو کے شریک رہنا = اہل رقص کی برادری کے سوا آپس کی شراکت —

مسی = کسبی کا اول دن مسی لگانا، اس موقع پر کسبی کو عروسانہ پوشاک پہنا کر نچواتے ہیں اور برادری کو ناچنے گانے اور کھانے کی دعوت ہوتی ہے —

کہروا = ایک قسم کا ناچ۔

ویرملو = ایک قدیم ناچ۔

ٹھوکر = ناچتے ہوئے پانو کی جنبش۔

——— *** ———

باب چہارم

صرف کا بیان

پہلی فصل، فعل کے صیغے

فعل کی تین قسمیں

فعل تین قسم ھے، 'ماضی' یعنی جو گذر چکا، 'حال' جو گذر رھا ھے یعنی موجودہ زمانے سے متعلق ھے اور 'مستقبل' جو آنیوالے زمانے سے متعلق ھو۔

فعل کے صیغے

ھر فعل کے بارہ صیغے ھوتے ھیں۔ ان کی تفصیل یہ ھے چار صیغے غایب کے، یعنی واحد مذکر اور جمع مذکر کے دو، اور اسی طرح واحد مونث اور جمع مونث کے دو اور اسی طریق پر چار حاضر کےاور چار متکلم کے *۔

مخفی نہ رھے کہ فارسی میں مذکر مونث اور تثنیہ و جمع کی تمیز نہیں، ھندی میں تثنیہ اور جمع کی تو

---

* 'غایب' وہ جس کی بات کی جاے، 'حاضر' وہ جس سے بات کی جاے۔ 'متکلم' وہ جو بات کرے۔ 'واحد' ایک کو کہتے ھیں اور 'جمع' ایک سے زیادہ کو۔ مصنف نے اس جگہ کئی بار "تثنیہ و جمع" لکھا ھے۔ تثنیہ کا نام لینا ھی بے سود ھے جب کہ اردو میں جو صیغہ ھزار کے لئے استعمال ھوتا ھے وھی دو کے لئے۔ (مترجم)۔

تمیز نہیں لیکن مذکر مونث کا فرق ہے -

اردو میں مصدر سے ماضی بنانا

مصدر سے ماضی بنانے کا قاعدہ یہ ہے ' ہندی میں مصدر کی علامت ' نا ' (نون الف) ہے ' جیسے آنا ' جانا - اس علامت مصدری یعنی ' نا ' کو دور کرو اور اس پر ' یا ' (ی الف) زیادہ کرو ' کبھی صرف ' الف ' بڑھایا جاتا ہے - آنا ' لانا ' پانا ' فرمانا ' مارنا ' مرنا ' بیٹھنا ' اٹھنا ' کھینچنا ' جڑنا ' ملنا ' پالنا ' رکھنا ' ناچنا ' ہلنا ' - ان مصدروں سے ماضی کے یہ یہ صیغے بنے :- آیا ' لایا ' پایا ' فرمایا ' مارا ' مرا (فصیح مُوا) ' بیٹھا ' اٹھا ' کھینچا ' جڑا ' ملا ' پالا ' رکھا ' ناچا ' ہلا -

اگر علامت مصدر اڑانے کے بعد آخر میں الف رہے تو اس کی ماضی ' الف ' اور ' ی ' سے بنے گی [جیسے ' کھانا ' سے ' کھایا '] ورنہ صرف الف سے جس کی مثالیں اوپر دی گئیں ' ' جانا ' مصدر سے ماضی میں ' جایا ' نہیں بلکہ ' گیا ' بنتا ہے اور یہ خلاف قیاس ' اسی طرح ' مرنا ' سے ' موا ' —

پنجابی میں

پنجابی میں ' نا ' علامت مصدر سے پہلے ' واو بڑھا دیتے ہیں جیسے ' جاونا ' ' آونا ' لیکن یہ ایزادی وہاں کرتے ہیں جہاں مصدر کی علامت

دور کرنے کے بعد آخر میں الف رہ جاے ' ہر جگہ نہیں -

برج بھاشا میں

برج کی زبان میں مصدر کی علامت آخر میں 'نون' اور 'واو' ہے - جیسے کھانو' مرنو' جینو' اٹھنو' بیٹھنو' پینو' اس زبان میں ماضی اس طرح بنتی ہے کہ 'نو' علامت مصدر کے حذف کے بعد 'یو' (ی اور واو مجہول) بڑھا دیتے ہیں ' جیسے آیو' پایو' چھپایو' مرو' جیو' اٹھو' بیٹھیو' پیو' گیو' (یہ 'گیو' بھی 'گیا' کی طرح خلاف قیاس ہے ' 'جایو' موافق قیاس تھا) —

کایتھوں کی زبان میں

کایتھوں کی زبان میں مصدر کی علامت 'ون' ('واو اور نون) یا فقط 'نون غنہ' اور 'ڑ' (راء ثقیلہ) ہے ' جیسے 'کھاون' 'پیون' یا کھاونڑ' 'پیونڑ' - اور ان کے ہاں اکثر فعل متعدی میں علامت ماضی کے بعد 'گیرا' آتا ہے جیسے مارگیرا ' توڑ گیرا' اور اسی فعل میں 'دینا' (یاے معروف) بھی ماضی کی علامت ہے' جیسے تولدینا ' پھینک دینا -

پورب کی زبان میں

پورب کی زبان میں مصدر کی علامت فقط ہمزہ اور یاء مجہول ہے جیسے کھاے ' پئے ' آے ' جاے - مثال ' روتی ' کھاے بن کس کس رہے کاں بئے (کھانے کے بغیر رہنے کا اتفاق کیونکر ہوگا)- اس زبان

میں ماضی اس طرح بنتی ہے کہ مصدر کی علامت حذف کر کے ہمزہ مکسور اور سین ساکن بڑھا دیتے ہیں، جیسے آئس، جائس، گئس - کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ علامت مصدر کے حذف کے بعد اگر آخر میں الف نہ رہا ہو تو 'سین' بڑھاتے ہیں اور اس کے ما قبل کو مکسور کر دیتے ہیں، جیسے کہس، دھہس، اتھس، مرس - اس زبان میں 'واو' اور 'الف' بھی ماضی کی علامت ہے، جیسے آوا، کھاوا، لاوا، پاوا —

اس بیان کی غرض یہ تھی کہ ملک ہندوستان میں مصادر کے اختلاف کی وجہ سے صیغوں کا اختلاف بہت ہے - راقم کا مقصود اردو کے صیغوں کا ذکر کرنا ہے - غیر اردو لفظوں کے صیغہ غایب حال و مستقبل اور حاضر اور متکلم کا قیاس اس کے مصدر اور ماضی پر کرنا چاہئیے —

دوسری فصل - اردو کی تعریف

ماضی کی گردان	'آیا' ایک مرد آیا - 'آئے' دو یا بہت سے مرد آئے - 'آئی' ایک عورت آئی -

'آئیں' دو یا بہت عورتیں آئیں - آیا' متکلم مفرد مذکر (میں ایک آیا) - 'آئے' متکلم جمع (ہم کئی آئے) - 'آئی میں' متکلم مفرد مونث - 'آئیں ہم' متکلم جمع مونث - 'آئیں' کی جگہ 'آئیاں' بھی بولتے

ھیں - 'آیا تو' حاضر مفرد مذکر - 'آئے تم' حاضر جمع مذکر - 'آئی تو' حاضر مفرد مونث 'آئیں تم' حاضر جمع مونث -

حال | صیغہ حال اس طرح بنتا ھے کہ مصدر کی علامت حذف کرنے کے بعد 'تا' (ت 'الف) اور ھندی کا حرف رابطہ یعنی 'ھے' بڑھا دیتے ھیں - مثال 'آتا ھے' مفرد مذکر غایب - 'آتے ھیں' جمع غایب مذکر - 'آتی ھے' مفرد غایب مونث - 'آتی ھیں' جمع غایب مونث - 'آتا ھے تو' مفرد مذکر حاضر - 'آتے ھو تم' جمع مذکر حاضر - 'آتی ھے تو' مفرد مونث حاضر - 'آتی ھو تم' جمع مونث حاضر - 'آتا ھوں میں' متکلم مفرد مذکر - 'آتے ھیں ھم' جمع متکلم مذکر 'آتی ھوں میں' متکلم مفرد مونث - 'آتی ھیں ھم' جمع متکلم مونث -

صیغہ استقبال | (۱) مفرد مذکر غایب کا صیغہ استقبال اس طرح بناتے ھیں کہ علامات مصدری کے حذف کرنے کے بعد اگر آخر میں الف رھا ھو تو 'ویگا' (واؤ' یاء مجہول' گ' ا) زیادہ کرتے ھیں - جیسے 'آوے گا' (مفرد مذکر غایب) 'آویں گے' جمع مذکر غایب - 'آویگا' کے آخری الف کو یاء معروف سے بدل کر مفرد مونث غایب بنا لیتے ھیں جیسے

'آویگی' اور جمع مونث' غایب آویں گی'- 'آویگا' کے پہلے 'تو' (واؤ معروف) مفرد مذکر حاضر کی علامت هے - جیسے 'آویگا تو' یا 'تو آویگا'- 'آوگے' (همزہ واؤ مجهول) 'تم' کے ساتهه تثنیه اور جمع کی علامت هے - مثال 'تم آوگے یا آؤگے تم - اور 'آوے گی' کے بعد 'تو' مفرد مونث حاضر کی علامت هے جیسے 'آوے گی تو' 'آوگی تم' (اس کی جمع) - 'آوںگا میں' مفرد مذکر متکلم - 'آویں گے هم' (یائے مجهول کے ساتهه) 'اس کی جمع - 'آؤں گی' (لفظ 'میں' کے ساتهه اور بغیر) ' متکلم مفرد مونث کی علامت هے - 'آویں گی هم' (علامت کے آخر یاء معروف) اس کی جمع ہے

(۲) جب مصدر کی علامت حذف کرنے کے بعد آخری حرف الف نه رهے تو آخری حرف کو پیش دے کر 'واؤ' اور 'نون غنه' علامت استقبال یعنی 'گا' سے پہلے بڑها دیتے هیں' جیسے 'اتهوں گا' 'کہوں گا' 'رهوں گا'- [اتهے گا' اتهے گی' 'اتهیں گے' اتهیں گی' وغیرہ]

صیغه حال کی شکلیں جو اس ترجمه کے وقت متروک هیں	دهلی کے رهنے والوں میں سے بعضے جو اپنے کو دوسروں

سے زیادہ فصیح سمجهتے هیں حال غایب کے چار صیغوں

کو 'کرے ھے' 'کرے ھیں' بولتے ھیں' یہ صیغے مذکر اور مونث دونوں کے لیے آتے ھیں۔ اور 'تو کیا کرے ھے' 'تم کیا کرو ھو' یہ دو صیغے مذکر و مونث حاضر جمع اور مفرد دونوں کے لیے۔ گویا اصل میں مجموعی طور پر چار صیغے ان کی زبان پر ھیں۔ اور کہتے ھیں 'میں کیا کروں ھوں' 'ھم کیا کریں ھیں' یہ دو صیغے بھی چار صیغوں کی جگہ متکلم مذکر و مونث اور مفرد و جمع دونوں کے لیے آتے ھیں۔ اس صورت میں بارہ صیغوں کی جگہ صرف چھہ صیغے کافی ھوتے ھیں۔ لیکن فصیحوں کے زبان آشنا وھی بارہ صیغے ھیں [جن کی تفصیل آگے آ چکی ھے]۔

جس مصدر میں علامت مصدری کے حذف کے بعد 'الف' یا 'ہ' یا 'ی' (یاء معروف) باقی رھے تو بعضے اصحاب صیغۂ حال میں 'ے' کے پہلے 'واؤ' بڑھا دیتے ھیں' مثال' آوے ھے' کہوے ھے' لیوے ھے' رھوے ھے' نہ کہ آئے ھے' کہے ھے' لے ھے' رھے ھے۔ یہ واؤ کی زیادتی اگرچہ اردو داں شاہ جہاں آبادیوں کی زبان ھے لیکن واؤ کے بغیر زیادہ فصیح ھے' بہ استثنا 'آوے ھے' کے اگرچہ اس کے بدلے بھی آئے ھے کہہ سکتے ھیں لیکن 'واؤ' کے ساتھ

بھی هرج نہیں - 'رھے' اور 'کہے' بھی صیغۂ حال میں فصاحت سے دور ھے لیکن حرف شرط کے ساتھ فصحا کا روز مرہ ھے' جیسے اس عبارت میں' "اگر تو رھے تو میں بھی رھوں" - صاف ظاھر ھے کہ مذکورۂ عبارت اس عبارت سے بہتر ھے یعنی "اگر تو رھوے تو میں بھی رھوں" - اور بعض موقعوں میں 'ھوے' کی جگہ 'ھو' اور 'لیو' کی جگہ 'لو' اصل سے زیادہ فصیح ھے' جیسے' "اگر تو بھی وھاں ھو تو اچھا ھم بھی آویں" - نہ کہ "اگر تو بھی وھاں ھو وے تو اچھا ھم بھی آویں" - یہ مثال مفرد کی ھے جمع کی مثال یہ ھے :- اگر تم بھی وھاں ھو تو بہتر ھے ھم بھی آویں —

بعضے 'واؤ' کے بدلے الف کے بعد 'ے' کی صورت میں همزہ بڑھاتے ھیں اور 'جاوے' کو 'جائے' 'جاویں' کو 'جائیں' کہتے ھیں اور 'صدائے' [ایک صدا] کا قافیہ 'جائے' [اردو صیغہ] اور 'دعائیں' کا قافیہ 'جائیں' باندھتے ھیں دونوں کی مثالیں ذیل میں دیکھو :—

کیا قہر ھے تو نعش پہ بھی اس کے نہ آئے

گر کشتہ شود در رہ تو بے سر و پائے

اگر تنہا تجھے ہم دیکھہ پائیں
تمنا ھے کہ لیں تیری بلائیں

دوسرے شعر میں 'لیویں' کی جگہ 'لیں' بندھا ھے جو زیادہ فصیح ھے' اسی طرح 'لیوے' سے 'لے' بہتر ھے اور 'جاے' (ے کے ساتھہ بغیر ھمزہ کے) اور 'جائیں' (ھمزہ مکسور اور نون غنہ بغیر ے) بھی فصحا کا مستعمل ھے - مثال

عشق بتاں میں اپنا نکالیں گے نام ہم
جی جائے یا نہ جائے کریں گے یہ کام ہم

بود بہ دیدۂ من ایکہ جاے تو بہتر
مری نظر سے پرے تو نہ جاے تو بہتر

ھے دل میں تیرے مکھڑے کی لیں ھم بلائیں آج
گو اس میں اپنے جی سے گزر کیوں نہ جائیں آج

فعل منفی | یہ لفظ نثر میں بھی مروج ھیں نظم ھی پر موقوف نہیں - جو مثالیں دی گئیں وہ فعل مثبت کی ھیں' حروف نفی مقرر ھیں - ماضی اور مستقبل کے لیے 'نون' مفتوح مع 'ہ' کے - بغیر 'ہ' کے بھی کتابت میں مروج ھے ---

مثال ماضی منفی

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	نہ آیا	نہ آئے	تونہ آیا	تم نہ آئے	میں نہ آیا	ہم نہ آئے
مونث	نہ آئی	نہ آئیں	تو نہ آئی	تم نہ آئیں	میں نہ آئی	ہم نہ آئیں

مثال مستقبل

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	نہ آویگا	نہ آوینگے	تو نہ آویگا	تم نہ آؤگے	میں نہ آؤنگا	ہم نہ آوینگے
مونث	نہ آویگی	نہ آوینگی	تو نہ آویگی	تم نہ آؤگی	میں نہ آؤنگی	ہم نہ آوینگی

مثال نفی حال

اس فعل میں " آتا ھے " میں سے " ھے " حذف کرکے شروع میں " نہیں " بڑھا دیتے ھیں —

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	نہیں آتا	نہیں آتے	تو نہیں آتا	تم نہیں آتے	میں نہیں آتا	هم نہیں آتے
مونث	نہیں آتی	نہیں آتیں	تو نہیں آتی	تم نہیں آتیں	میں نہیں آتی	هم نہیں آتیں

افعال کے فصیح اور غیر فصیح استعمال

بعضے جو ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں ' کہتے ہو ' کی جگھہ ' کہتا ہے ' بولتے ہیں - اسی طرح سب مصدروں میں یہ صیغہ اسی طرح استعمال کرتے ہیں - مثال ' آیتا ہے ' جایتا ہے ' اُڑایتا ہے ' رہیتا ہے - لیکن اردو کے فصحا کے نزدیک یہ لفظ مہمل ہیں ' اور جو شخص اُن کو استعمال کرتے ہیں اُن کو پرانے دقیانوسی اور اُن کی زبان کو سوقیانہ خیال کرتے ہیں -

اکثر اصحاب آویگا کی جگھہ ' آئیگا ' کہتے ہیں ' جمع کے صیغے ' مونث ' حاضر مفرد مذکر و مونث اور جمع متکلم میں اُسی طریق پر بولتے ہیں - اس تبدیلی میں فصیحوں کا اتفاق ہے لیکن بعضے اصحاب کو اختلاف ہے - اور اکثر اردو داں مستقبل منفی کے صیغے میں بجائے نفی کے جس کا ذکر اوپر آچکا ' آنیکا ' اور ' آنیکے ' تمام صیغوں میں استعمال کرتے ہیں - جیسے ' نہیں آنے کا ' نہیں آنے کے ' (مذکر غایب مفرد و جمع) ' نہیں آنے کی ' ' نہیں آنے کیں ' (مونث غایب مفرد و جمع) - ' نہیں آنے کا تو ' - ' نہیں آنے کے تم ' (حاضر مذکر مفرد ' جمع) ' نہیں آنے کی تو ' ' نہیں آنے کی تم ' (حاضر مفرد ' جمع مونث) - ' میں نہیں آنے کا ' ' ' ہم نہیں آنے کے ' (مذکر متکلم

مفرد و جمع) ' میں نہیں آنے کی ' ' ہم نہیں آنے کیں (موقث متکلم مفرد و جمع) - صیغہ فعل پر حاضر اور متکلم کی ضمیر کو مقدم لانا بولنے والے کی پسند پر ہے ' اگر بعد میں ضمیر لاے تو بھی مضایقہ نہیں —

' نہیں ' کا صحیح تلفظ

' نہیں ' کا لفظ ' چنیں ' کے وزن کا ہے ' اکثر اصحاب ' ی ' اور ' نون ' کو ' ہ ' میں غائب کرکے اس کلمہ کو جو کتابت میں چو حرفی اور تلفظ میں سہ حرفی ہے دو حرفی ادا ادا کرتے ہیں ' لیکن چونکہ بیشتر فصیح لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے اس استعمال کو اردو میں داخل کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا ۔

ماضی میں الحاقی اور امدادی ٹکڑے

کبھی صیغہ ماضی میں مصدر کی علامت ' نا ' اُڑانے کے بعد ' دیا ' لگا دیتے ہیں ' جیسے پھینک دیا ' ڈال دیا ' بڑھا دیا ' وغیرہ - یہ مرکب صیغہ فعل کی تکمیل پر دلالت کرتا ہے جو بات پھینکا ' ڈالا ' بڑھایا میں نہیں - چنانچہ اس جملہ میں کہ " فلانے نے جس وقت کہ کوٹھے پر سے روپیہ پھینکا - میں نے زمین پر گرنے نہ دیا ہاتھ میں لیا " پھینک دیا کہنا درست نہیں - جب کہ اس جملہ میں " زید نے مارے غصہ کے عمرو کو مجلس سے اٹھا دیا "

' اٹھایا ' کہنا ٹھیک نہیں بلکہ ' اٹھا دیا ' کہنا ہی درست ہے -

کبھی مصدر کی علامت کے حذف کے بعد ڈالا (دال ہندی) بڑھاتے ہیں اور بعض مصدر تو ایسے ہیں کہ ان کا کوئی صیغہ اس کے بغیر پورے معنی نہیں دیتا اور بعضے ایسے ہیں جن کے ساتھہ اس کا الحاق بے معنی ہے - ' ڈالا ' بھی ' دیا ' کی طرح فعل کی تکمیل پر دلالت کرتا ہے [کبھی امتداد زمانہ کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے] - مثال ' " میرا مٹکا زید نے توڑ ڈالا " یعنی مدت ہوئی کہ توڑ چکا ہے - اس مقام میں ' توڑا ' فصیح نہیں -

کبھی ' لیا ' لگاتے ہیں یہ بھی فعل کی تمامی کے معنی دیتا ہے ' جیسے لکھہ لیا ' مانگ لیا -

یہ صیغے جن کا ذکر اوپر آیا ہے فعل مضارع میں بھی آتے ہیں لیکن حال میں شروع فعل اور مستقبل میں فعل شروع کرنے کے ارادہ پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ حال اور استقبال کا قاعدہ ہے -

' بیٹھا ' اور ' اٹھا ' بھی فعل کے تمام ہونے کے معنی پیدا کرتے ہیں - مثلاً " فلانی رنڈی ناچنے سے ہاتھہ دھو بیٹھی " - ' اٹھی ' بھی یہی معنی دیگا - ' اٹھا ' اکثر اپنے معنی کا ہی مظہر ہے ' جیسے " فلانا سو شعر مجلس میں کہہ اٹھا "

یعنی اس وقت اٹھا جب سو شعر کہہ چکا - چونکہ اس کے دو معنی پیدا ہوتے ہیں اس لئے مذکورہ صیغوں سے مطابقت نہیں کھاتا —

'پڑا' یہ خبر دیتا ہے کہ ایک فعل کے ہوتے ہی ایسا ہو گیا - مثال " زید سے میں نے جس وقت کہا کہ عمرو جو کہے سو کرو مجھ سے الجھ پڑا " یعنی یہ سنتے ہی لڑنے لگا —

امر بنانے کا قاعدہ امر حاضر مفرد مذکر ہو یا مونث اردو میں صرف مصدر کی علامت گرا دینے سے بنجاتا ہے ' جیسے 'کرنا' سے 'کر' - اور اس پر واؤ مجہول بڑھانے سے مذکر اور مونث دونوں کی جمع بن جاتی ہے ' جیسے 'کرو' - لیکن جب امر مفرد کے آخر میں 'واؤ' یا 'ے' (یاء مجہول) ہو تو جمع میں 'واؤ' ہمزہ سے بدلتا ہے اور 'ے' اڑ جاتی ہے جیسے 'بو' 'بوؤ' - 'سو' 'سوؤ' - 'لے' 'لو' - 'دے' 'دو' - لیکن یائے معروف قایم رہتی ہے جیسے 'سی' 'سیو' 'پی' 'پیو' —

کبھی امر حاضر مفرد پر ہمزہ اور یائے مجہول زیادہ کر کے جمع بناتے ہیں جیسے 'اٹھئے' - کبھی ہمزہ سے پہلے جیم مکسور بھی بڑھاتے ہیں ' * جیسے ' کیجئے ' لیجئے '

* جیم کی یہ ایزادی صرف فعل متعدی میں ہوتی ہے - (مترجیم)

دیجئے - 'کیجئے' اصل میں 'کرئیے' تھا ؛ جیم مسکور همزہ پر بڑھا کر 'ر' کو یاے معروف سے بدلا' جیسے ماضی میں 'کرا' کا 'کیا' بنا لیا - کاف کو زیر اس لیے دیا کہ ساکن 'ی' کے پہلے کاف مفتوح ثقالت پیدا کرتا تھا ' اور جیم کے بعد همزہ کا حذف هندی میں جایز بلکہ زیادہ فصیح هے - کیجئے ؛ لیجئے ' دیجئے - امر اور نہی میں ماضی کے صیغوں کے لفظ بھی خاص موقعوں پر بڑھا دیتے ہیں ' جیسے 'پھینک دیے' وغیرہ -

نہی | امر کے پہلے نون مفتوح لگا کر نہی بناتے ہیں ' جیسے ' 'نکر' جمع اور تذکیر و تانیث کے وهی قاعدے نہی میں چلتے ہیں جو امر میں - شاہ جہان آباد کے مکتب کے ملا اور بعضے هندو 'مت' حرف نہی استعمال کرتے ہیں ' جیسے ' 'مت جا' - بعضے یہ کرتے ہیں کہ نون مفتوح پر جو نفی کا حرف هو 'متی' کا اور اضافہ کرتے ہیں - یعنی 'نو متی نجا' یہ [قابل ملنفی] مزید پارچہ کے دلالوں کی اولاد کی زبان هے جو پیدا تو دهلی میں هوے مگر ان کے ماں باپ پنجابی ہیں - مغلپورہ کے بعض رهنے والے بھی نہی کو اسی طرح ادا کرتے ہیں-

اسم فاعل | اسم فاعل کا صیغہ مصدر کے آخری 'الف' کو یاے مجہول سے بدل کر 'والا' بڑھانے

سے بنتا ھے، جیسے 'کرنے والا' - جمع میں 'والا' کے آخری الف کو یاے مجہول سے بدلتے ھیں، مثال، 'کرنے والے' مونث میں 'والا' کی جگھہ 'والی' (یاء معروف) اور جمع مونث میں 'والیاں' بڑھاتے ھیں، مثال، جانے والی، جانے والیاں -

قدیم شہر کے رھنے والے 'والا' کی جگھہ 'ھارا' والے کی جگھہ 'ھارے' مذکر میں اور 'والی' کی جگھہ 'ھاری' اور 'والیاں' کی جگھہ 'ھاریاں' مونث میں بڑھاتے ھیں - لیکن فصحا کی یہ زبان نہیں، مگر بعضے الفاظ میں مصدر سے یاء امالہ اور 'ھارا' اور 'ھارے' سے الف اور یاء امالہ اور 'ھاری' سے یاء معروف اور ھاریاں سے 'یاں' دور جو رہ جاے وہ فصیح اور مقبول شمار ھوتا ھے، مثلاً، ھونہار -

جوگا' صفت مشبہ میں

لفظ "جوگا" کے ساتھہ صفت مشبہ کبھی کبھی غیر فصیحوں کے استعمال میں دیکھا جاتا ھے مگر فصیحوں کا روز مرہ زیادہ تر "لایق" کے ساتھہ ھے، وہ مرنے جوگا، مرنے جوگے، مرنے جوگی، مرنے جوگیاں بولتے ھیں اور یہ "مرنے کے لائق" بولتے ھیں -

صفت مشبہ کی تذکیر و تانیث

صفت مشبہ اور مبالغہ کے بعض صیغے جنسیت میں یکساں ھوتے ھیں، جیسے

'منہال' یہ گھوڑا یا کتا منہال ہے' یہ گھوڑی منہال ہے - بعض صورتوں میں فرق ہوتا ہے' جیسے' پیاسا' پیاسی - بھوکا' بھوکی - رنگیلا' رنگیلی - نکیلا' نکیلی - بھلا' بھلی - چھلا' چھلی - سگھڑ اور پھوڑ معنوی تانیث ہے [اس کا مذکر نہیں] ' یہ مثالیں صفت مشبہ کی ہوئیں-

مبالغہ میں مذکر اور مونث کی ایک ہی شکل ہوتی ہے جیسے بھگو' گایک؛ ھنسوڑ' لڑاک' تڑو' بھگوڑا' یہ صفت مشبہ بھی ہیں -

اسم تفضیل ان لفظوں سے پیدا ہوتا ہے :- کہیں' سوا' بھی' زیادہ - جیسے' تیرا قد سرو سے کہیں اچھا ہے' یا یوں کہو' سوا اچھا ہے'' یا' زیادہ اچھا ہے' یا' سرو سے بھی اچھا ہے-

اسم مفعول | اسم مفعول ماضی کے بعد 'ہوا' لگانے سے بنتا ہے' جیسے مارا ہوا' پھنسا ہوا - جو یہ خیال کرتے ہیں کہ 'ہوا' کے بدلے 'گیا' بھی آسکتا ہے غلطی پر ہیں؛ کیونکہ ماضی کے بعد گیا ماضی مجہول کی علامت ہے' مفعول کی نہیں - دوسری وجہ یہ ہے کہ ھندی میں معتل' مہموز' اور مضاعف بھی مروج ہیں لیکن 'واؤ' کی مثال جو معتل الف ہے یعنی ایسا لفظ جو واؤ سے شروع ہوتا ہو اردو میں شاذ ہے؛ کبھی سننے میں نہیں آیا لیکن پنجابیوں اور دوسروں کی زبان سے

سنی گئی - جیسے 'ویکھا' (واؤ سے) 'دیکھا' (دال سے) کے بدلے - لیکن اجوف واؤ جس کو 'معتل العین' کہتے ہیں یعنی وہ لفظ جس کا درمیانی حرف واؤ ہو خواہ دوسرا یا تیسرا یا چوتھا، کیونکہ دوسرے حرف ہی کو درمیانی حرف (وسطی) کہنا عربی زبان میں ثلاثی مجرد کا قاعدہ ہے جو ہر زبان پر عاید نہیں ہوسکتا - اردو میں یہ اکثر مستعمل ہے، جیسے توڑا، چیرا، پھینکا، دیکھا، نوچا، گاڑا، پھاڑا، کاتا، مارا وغیرہ - اجوف واؤ کی مثال میں اجوف 'ی' اور 'الف' کی مثالیں بھی لکھہ دی ہیں - معتل لام جو ناقص 'واؤ' اور ناقص 'ي' یا ناقص الف کی شکل میں هندي میں مستعمل ہے اردو میں بھی موجود ہے اور ہر خاص و عام کے روز مرہ میں داخل ہے - اگرچہ 'ف'، 'عین'، 'لام' کلمہ ثلاثی میں عربی زبان کے صرفیوں کی اصطلاح کے مطابق ہے لیکن چونکہ هندی میں ان کی تقلید مد نظر ہے ہم ہر کلمہ کے اول حرف کو 'فاکلمہ' اور دوسرے حرف کو 'عین کلمہ' نام دیتے ہیں - یہاں تک ہم صرفیوں کے ساتھہ چلتے ہیں - اور آخری حرف کو خواہ وہ شمار میں تیسرا ہو یا چوتھا یا پانچواں یا اس

بھی زیادہ ' 'لام کلمہ' قرار دیتے ہیں * - اور حذف کئے ہوے حرفوں کو شمار میں نہیں لیتے - جیسے 'کنڈوری' (وزن صبوری) - یہ ایک قسم کی ترکاری ہے - اس لفظ کے چھہ حرف ہیں - نون غنہ جو 'کاف' میں غایب ہو گیا گنتی میں نہیں آتا - غرضکہ 'مہموز الفا' † زبان ہندی میں بہت آتا ہے' جیسے اٹھا' اجڑا' اکھڑا' اور 'مہموز العین' کم آتا ہے' اور اُس میں بھی 'الف' 'واؤ' سے بدلا ہوا ہوتا ہے' جیسے کنوا (جس سے پانی نکالیں) - بوا (بہن کا خطاب)- 'مہموز اللام' سننے میں نہیں آیا —

'مضاعف' کی دو قسمیں ہیں' چو حرفی یا پنج حرفی کلمہ- چوحرفی کلمہ میں دراصل دوسرا اور تیسرا حرف ایک

---

* عربی کے صرفیوں نے لفظ 'فعل' اور اس کے مشتقوں سے مختلف صیغوں وغیرہ کے وزن قرار دیے ہیں - لفظ فعل کے تین حرف ہیں ف' ع' ل - انھیں سے اصطلاح فا کلمہ' عین کلمہ اور لام کلمہ مصطلح ہوا - عربی میں کلمہ کا یہ تجزیہ ثلاثی یعنی تین حرف والے کلموں پر عاید ہے' سید انشا 'لام' کے آخری حرف ہونے کی قید کو ڈھیلا کرکے اسے ہندی الفاظ پر عاید کرتے ہیں - (مترجم) -

† 'مہموز الفا' اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے شروع میں 'الف' ہو - (مترجم) -

ھی جنس کا ھوتا ھے جیسے رکھا ' اس لفظ میں عربی مضاعف کے خلاف کہیں بھی دو کاف الگ الگ نہیں بولے جاتے - اصل اور نقل دونوں پنج حرفی کے برابر ھیں جیسے چیلا - یا یہ کہ کلمہ کے پہلے دو حرف باقی کے دو حرفوں کے مشابہ ھوں [وھی دوبارہ آے ھوں] جیسے ململ ' تھک تھک ' کلکل ' ڈھب ڈھب - ھندی میں کوئی ثنائی یعنی دوحرفی سے کم نہیں ھوتا جیسے 'یہ' 'وہ' - اور کوئی لفظ سداسی یعنی چھہ حرفوں سے زیادہ کا نہیں ھوتا جیسے اتّکانا - املا میں اگر بڑھا کر لکھہ دیا جاے تو اس کی سند نہیں - ورنہ پھر ' رکھا ' کو بھی پنج حرفی کہنا چاھئے کیوں کہ تلفظ کے اعتبار سے 'ہ' کے بغیر چار حرف ھوے جب 'ہ' کو اس میں شامل کیا تو پانچ ھوگئے اس وجہ سے تلفظ معتبر ھے نہ کہ املا -

جس کلمہ کے اول اور آخر میں حرف علت یعنی 'واؤ' یا 'الف' ھو تو اسے 'لفیف' کہتے ھیں - اس کی دو قسمیں ھیں 'مقرون' اور 'مفروق' - مقرون وہ ھے کہ دونوں حروف علت پاس پاس ھوں یعنی بیچ میں کسی اور حرف کے آجانے سے فاصلہ نہ واقع ھوجاے جیسے 'وو' (دونوں واؤ) اور 'او' یا 'گیا' - مفروق وہ لفظ ھے جس میں حروف علت کے درمیان کوئی اور

حرف آگیا ہو جیسے 'وُھی' —

فعل تحریصی | اُردو میں ایک فعل اور بھی ہے جسے فصحا اکثر استعمال کرتے ہیں - راقم نے اس کا نام فعل تحریصی رکھا ہے - اسے فعل ضروری بھی کہہ سکتے ہیں - مثال : "کیا چاھئے" - یہ امر کی جگہ اور ضرورت پر مشتمل ہے - اگر حاضر سے خطاب ہوتو امر حاضر ہے اور اگر غایب سے متعلق ہوتو امر غایب ہے اور اگر متکلم کی طرف اشارہ ہو تو اُس کی خواہش کی ترغیب کی تعبیر کرتا ہے —

ماضی قریب | 'ہے'، 'ہیں'، 'ہو'، 'ہوں' حال کے زمانہ میں ماضی کے فعل کے وجود پر دلالت کرتے ہیں [یعنی جو فعل ابھی یعنی حال ہی میں ختم ہوچکا ہو] جیسے آیا ہے، آے ہیں، آئی ہے، آئیں ہیں، تو آیا ہے، تم آے ہو، تو آئی ہے، تم آئی ہو، میں آیا ہوں، ہم آے ہیں، میں آئی ہوں، ہم آئیں ہیں —

ماضی بعید | 'تھا' اور اس جیسے ملحقات اس گزشتہ فعل پر دلالت کرتے ہیں جس کا وجود زمانۂ حال میں ثابت نہ ہو [یعنی جس فعل کو ختم ہوے کچھہ مدت گزر چکی ہو]—

مثال ماضی

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	آیا تھا	آئے تھے	تو آیا تھا	تم آئے تھے	میں آیا تھا	ہم آئے تھے
مونث	آئی تھی	آئیں تھیں	تو آئی تھی	تم آئیں تھیں	میں آئی تھی	ہم آئیں تھیں

بعضے باشندگان اُردو جو 'ھے' اور 'تھا' کو فعل سے پہلے لاتے ھیں، ایسا کرنا نہایت معیوب اور حسن تلفظ کے منافی ھے - مثال 'فلانا نہیں ھے آیا' 'یا' نہیں تھا آیا' - [مطلب یہ کہ ماضی قریب اور ماضی بعید کے ارکان میں تعقید لفظی سخت مذموم اور ممنوع ھے] —

ماضی استمراری | ماضی کی قسم سے ایک اور فعل بھی ھے جو فاعل سے ایک فعل کے چند بار صادر ھونے پر دلالت کرتا ھے [یہ نفس معنی میں ماضی بعید یعنی آیا تھا سے امتیاز رکھتا ھے] - مثال، آتا تھا، آتی تھی - مخفی نہ رھے کہ یہ جملہ :- " فلانا تمام عمر میں کل فرنگی کی چھاونی گیا تھا "، یہ نہیں ظاھر کرتا کہ وہ تمام عمر میں اس سے پہلے بھی وھاں گیا تھا، جب کہ یہ جملہ :- " فلانا اکثر فرنگی کی چھاؤنی جاتا تھا "، اُس کے مکرر جانے پر دلالت کرتا ھے —

یا اس سے اتفاق کے معنی پاے جاتے ھیں - مثال، " فلانا کل فرنگی کی چھاونی جاتا تھا" یا " ھمارے دروازے کے سامنے سے جاتا تھا" یعنی میں نے اتفاقات [اتفاق ؟] سے اُس کا چھاونی جانا کل دیکھا، یا اُس کا میرے دروازے کے سامنے سے گزرنا اتفاقیہ ھوا —

ماضی شرطی و تمنی

فعل ماضی ' تھا ' کے بغیر شرط اور تمنا کے لئے آتا ھے - شرط اور جزا دونوں کی مثال ' خدا اگر ھمیں بھی دولت دیتا تو کیا دوستوں سے سلوک کرتے - یہ مثال شرط اور جزا کی ھے - تمنی کی یہ مثال ھے :- کاش یہ شخص یمین الدولہ کے پاس گیا ہوتا کہ اماثل واقران اُس کے جاہ و دولت کو دیکھہ کر آتش رشک سے کباب ہوتے —

فعل لازم و متعدی

فعل لازم ھوگا یا متعدی - لازم وہ ھے جو مفعول کو نہ چاھے - جیسے ' زید آیا ' زید گیا ' عمرو ھُوا ' خوب ھوا - متعدی وہ فعل ھے جو مفعول کو چاھے - جیسے ' زید نے مارا عمرو کو - یہ متعدی بہ یک مفعول ھوا - متعدی بہ دو مفعول کی مثال یہ ھے - :- پلایا زید نے عمرو کو پانی ' یا ' دکھایا زید نے عمرو کو بکر کا بیٹا - ' کو ' جو مفعول کی علامت ھے ایک مفعول کے ساتھہ کافی ھے ' اگر دونوں کے ساتھہ استعمال ھو تو عبارت سقیم ھو جاے گی اگرچہ قواعد کی رو سے صحیح ھوگی - مثال ' عمرو نے بکر کے بیٹے کو زید کو دکھایا —

تعدیہ | [تعدیۂ فعل کے معنی ہیں فعل لازم کو متعدی بنانا]
تعدیہ فعل بعض مصدروں میں علامت مصدر کے ما قبل الف بڑھانے سے حاصل ہوتا ہے ' جیسے اٹھنا سے اٹھانا ' بعض صورتوں میں ' الف ' اور ' لام ' کے بڑھانے سے ' جیسے کھنا سے کھلانا - کہانا درست نہیں - یہ مغل پورہ والوں کی زبان ہے - کبھی متعدی اس طرح بناتے ہیں کہ فعل لازم کا دوسرا حرف اگر یاے مجہول * ہو تو اسے اُڑا کر ' لام ' اور ' الف ' یا فقط ' الف ' بڑھاتے ہیں - جیسے دیکھنا سے دکھانا اور دکھلانا ' بیٹھنا سے بٹھانا اور بٹھلانا - ' بٹھانا ' ہندؤں اور مغل پورہ کے باشندوں کی زبان ہے - کہیں ' واؤ ' اور ' الف ' کی زیادتی سے متعدی بناتے ہیں جیسے : کُھلنا سے کھولنا † - بعض مصدروں

* فاضل مصنف نے یہاں یاے کے ساتھ مجہول کی قید غالباً سہو سے لگادی - کیونکہ دوسرا حرف ' ی ' ہو خواہ مجہول یا معروف یا مفتوح ' تعدیہ کا قاعدہ ایک ہی رہیگا - جیسے سیکھنا (یاے معروف) سے سکھانا اور سکھلانا - بیٹھنا (یاے فتوح) سے بٹھانا اور بٹھلانا - آگے چل کر مصنف خود تشریح کرتا ہے جس سے اس مقام میں یائے کے ساتھ مجہول کی قید جو شبہ پیدا کرتی ہے خود حشو ثابت ہوتی ہے —

(مترجم)

† مترجم مستہام کہتا ہے کہ عام قاعدہ تعدیہ کا یہ ہے کہ کسرہ کے اشباع سے " ے "' اور ضمہ کے اشباع سے " و " اور فتحہ کے اشباع سے الف مصدر لازم کے اول حرف کے بعد بڑھانا ' مثال ' پھچنا - بھیچنا- کھلنا ؛ کھولنا - مرنا ' مارنا- (مترجم)

میں 'لام'، 'واؤ' اور 'الف'، یا 'لام' اور 'الف' کی زیادت سے حرف کے حذف کے بعد بناتے ہیں - مثال دینا، دلوانا، دلانا - سینا، سلوانا، سلانا - 'ی' گزشتہ قاعدے کے مطابق حذف ہوگئی، بلکہ ان تمام مصدروں میں جن میں دوسرا حرف 'الف' یا 'واؤ' یا 'ی' ہو تعدیہ کی صورت میں حذف ہوجاتا ہے اور 'واؤ' اور 'الف' جو تعدیہ کی علامت ہے اضافے کئے جاتے ہیں - مثال، پالنا، پلوانا - پھینکنا، پھکوانا - پھونکنا، پھنکوانا - ناچنا نچوانا - گانا، گوانا - ماننا، منوانا - جھانکنا، جھنکوانا - ٹانکنا، ٹنکوانا وغیرہ --

بعضے متعدی مصدر خلاف قیاس بنتے ہیں جیسے اکھڑنا، اکھیڑنا اور اکھاڑنا موافق قیاس اکھڑانا ہونا چاہئے تھا -

تعدیہ کے بعد صیغۂ ماضی وغیرہ

متعدی بنائے ہوے مصدروں کی ماضی حال اور استقبال کے صیغوں کو ان مصدروں کے صیغوں پر قیاس کرنا چاہئے جن میں مصدر کی علامت دور کرنے کے بعد 'الف' رہے - یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جن مصدروں میں علامت مصدری کے حذف کے بعد 'ی' باقی رہے تو اس 'ی' کو حذف کرکے اس کا تعدیہ 'الف' اور لام سے درست ہوگا --

اَوْر فعلوں کے صیغے

ایک اور فعل بھی فارسی اور هندی میں هے کہ اس کا تمام هونا اس کے بعد کی عبارت پر موقوف هوتا هے - مثال فارسی " فلانے را طلبیدہ سرگوشی باید کرد " - مثال هندی " فلانے کو بلا کر سرگوشی کیا چاهئے " - 'کر' 'یا' کے اِس فعل کی علامت هے - اکثر امر کے بعد یاے مجہول سے یا فقط امر سے یہ مطلب نکل آتا هے - مثال ' مجھے چھوڑ کر کہاں جاتے هو ' اور مجھے چھوڑے کہاں جاتے هو ' اور مجھے چھوڑ کہاں جاتے هو -

امر کے آخر " تے هی " (پہلی یاے مجہول دوسری معروف) فوراً کے معنی پر دلالت کرتا هے - مثال " میرے آتے هی تم اُٹھ گئے ' یعنی جونہی میں آیا تم اُٹھ گئے -

بعضے " کیا چاهئے " کی جگہ " کرنا چاهئے " بولتے هیں - یہ وہ لوگ هیں جن کے والدین کشمیر سے آکر شاہ جہان آباد میں بسے هیں اور ان کی پیدایش کا اتفاق شاہ جہان آباد میں هوا هے —

امر غایب کی صورت یہ هے ' مثال ' فلانے سے کہدو کہ وهاں جاوے ' یا کہو یہیں پر رهے - نہی غایب میں 'جاوے' اور ' رهے ' کے بدلے 'نجاوے' اور ' نہ رهے ' آئیگا -

ایک صیغہ بھی هے [امر کا] جو معنی میں فعل

مستقبل مفرد و جمع کے (تعظیم کی رو سے) مشابہ ہے اور فعل ماضی کے ماقبل 'چاہئے' کے معنی میں اور استقبال کے صیغہ مع متکلم مع الغیر کے معنی میں آتا ہے۔ مثال، " آپ آئیے گا یا نہیں " یا " آپ مقرر آئیے گا " یا " اگر حق تعالیٰ فضل کرے تو یہاں مسجد بنائے گا کہ پھر آپ بھی دیکھ کر لوٹ جائیں"۔

فعل مجہول | یہ مثالیں جو لکھی گئیں فعل معروف کی ہیں، اب فعل مجہول کا بیان کیا جاتا ہے۔ معروف وہ فعل ہے جو فاعل سے منسوب ہو، مجہول وہ فعل ہے جو مفعول سے منسوب ہو، جیسے زید نے مارا، اور زید مارا گیا۔

ماضی مجہول کے صیغے

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	مارا گیا	مارے گئے	تو مارا گیا	تم مارے گئے	میں مارا گیا	ہم مارے گئے
مونث	ماری گئی	ماری گئیں	تو ماری گئی	تم ماری گئیں	میں ماری گئی	ہم ماری گئیں

مضارع حال کے صیغے

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	مارا جاتا ھے	مارے جاتے ھیں	تو مارا جاتا ھے	تم مارے جاتے ھو	میں مارا جاتا ھوں	ھم مارے جاتے ھیں
مؤنث	ماری جاتی ھے	ماری جاتی ھیں	تو ماری جاتی ھے	تم ماری جاتی ھو	میں ماری جاتی ھوں	ھم ماری جاتی ھیں

مستقبل کے صیغے

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	مارا جائے گا	مارے جائیں گے	تو مارا جائے گا	تم مارے جاؤگے	میں مارا جاؤں گا	ہم مارے جائنگے
مونث	ماری جائے گی	ماری جائیں گی	تو ماری جاے گی	تم ماری جاؤگی	میں ماری جاؤنگی	ہم ماری جائینگی

امر حاضر

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر			مارا جا	مارے جاؤ		
مونث			ماری جا	ماری جاؤ		

تیسری فصل

حرفوں اور حرکات کی مخالفت اور موافقت

ایک حرف یا حرکت کے اپنی جگھہ پر درست آنے کو موافقت اور اس کے برعکس کو مخالفت کہتے ہیں-

حروف موافقه | حروف موافقه یه هیں ' 'پ' 'ک' مثال ڈھانکنا ' ڈھانپنا - 'لام' 'ر' مثال تلوار ' تروار ['تروار' اب اردو میں نہیں آتا هندی میں آتا هے] ' رو پہلا ' روپہرا - 'م' 'ب' (اگر 'ب' کے پہلے نون غنه هو) ' مثال ' تہا نبنا ' تہامنا - قاف ' کاف مثال' نور کا بکا ' نور کا بقا - چاکو' چاقو - کور فرنگی' قور فرنگی - کدم ' قدم (درخت کا نام) - 'ہ' 'الف' (تمام عربی اور فارسی الفاظ میں) ' ستارہ ' ستارا - هالہ ' هالا - ' کاف ' ' خ ' مثال چٹکارا ' چٹخارا - 'ر' 'ڑ' مثال ' اردو ' اڑدو - ' نون ' ' ڑ ' (اگر ماقبل ' نون غنه هو) ' مثال " کانا ' کانڑا - 'د' 'ت' مثال ' تدبیر ' تتبیر - 'ل' نون' مثال' لون ' نون (نمک) - 'س' 'ج' مثال' مجھه سے' مس سے - ' نون ' 'س' مثال ' اُس نے ' اُن نے - 'س' 'ب' مثال ' بیٹا ' سیٹا (عورتوں کی زبان) - ' نون ' 'ت' مثال

اِتنا ، اِتّا - 'گ ' 'واؤ' مثال ' دوگنا ' دونا - 'دال '
'ب ' مثال کدھو ' کبھو ('ہ ' کے ساتھہ اور اس کے
بغیر) کبھی ' کدھی (یہاں 'ی 'اور واؤ 'ہ ' کے ساتھہ
مخلوط ہوگئے) - 'ر 'ے ' مثال ' جاکر ' جاکے - ، نون '
'د ' مثال فن ' فند - ' الف ' 'ی ' مثال ' دس بار '
دس بیر (قد مائے اردو کی زبان) - 'ب ' 'پھہ ' مثال
دس بیر ' دس پھیر - 'ز ' 'س ' مثال ' ہرگز ' ہرگس
(اگرچہ بعض دہلی والے بھی یہ لفظ بول جاتے ہیں
لیکن غیر فصیح ہے ' غالباً یہ اہل مغل پورہ کی صحبت
کا فیضان ہے) - 'م ' 'پ ' مثال ' طمنچہ ' طپنچہ -
'س ' چھہ ' مثال ' پچھتا نا ' پستا نا ' پچھتولیہ ' پستولیہ -
'کھہ ' 'پ ' مثال ' اکھاڑ نا ' اپاڑنا (اُگنے والی چیزوں کے لئے
جن کی جڑ ہوتی ہے) - 'تھہ ' 'ک ' مثال ' 'کلا ' 'تھلا '
(یہ دونوں لفظ ساتھہ مستعمل ہوتے ہیں الگ الگ سننے میں
نہیں آئے) * 'ت ' 'ب ' مثال ' تالا ' بالا - 'ت '
'ب ' مثال تانا ' بانا [جو ڈورے ایک تھان وغیرہ میں
طولاً پڑے ہوں تانا کہلاتے ہیں اور جو عرضاً پڑے ہوں
بانا ' دونوں الگ الگ مستقل لفظ ہیں موافقت یا بدل

* کلا یقیناً علحدہ بھی استعمال ہوتا ہے ' کلا چلے ستر بلا ٹلے '
ہاں تھلا الگ نہیں بولا جاتا کیونکہ یہ کلا کا تابع مہمل ہے - (مترجم)

کی ذیل میں نہیں آتے] - اگر کوئی یہ کہے کہ تین لفظ جو اوپر آئے اُن میں تینوں جگہہ دوسرا لفظ اول لفظ کا مہمل ہے تو یہ غلطی ہے کیونکہ هندی میں مہمل با معنی لفظ کے اول حرف کو واؤ سے بدل کر بنتا ہے جیسے گھوڑا ووڑا ' لوٹا ووٹا ' آگ واگ ' گیہوں ویہوں ' چنا ونا ' پانی وانی [یہ کلیہ نہیں کہا جاسکتا ' ' تال مٹول بھی تو هندی هی هے] . فارسی میں با معنی لفظ کے اول حرف کو 'م' سے بدلنے سے بنتا ہے ' مثال اسپ مسپ - فیل ' میل - اُشتر ' متر —

نقل ہے کہ جاڑے کی ایک رات ایک نوجوان هندوستانی اپنے ایک ایرانی دوست کے گھر گیا ' جب شام هوئی تو مغل نے کہا - " حالا شما تشریف بہ برید من تو شک ولحاف دیگر ندارم ' مجبور دریک لحاف خوابیدن ضرور خواهد افتاد و الا سردی مردی خواهد شد " ؛ هندوستانی نے جواب دیا " باشد جائے اندیشہ نیست در چادر مادر شما خواهم خوابید " —

پنجابی میں حرف اول کی جگہہ 'الف' آتا ہے جیسے کوتھا ' اوتھا - فیل ایل —

مختصر یہ کہ 'ڈ' ' 'ڑ' سے بدلجاتا ہے ' مثال ' کھانڈ ' کھانڑ - 'ت' ' 'تھ' سے مثال بھتی ' بھتھی - 'ب' ' 'بھ'

سے ' مثال ' بل بے جما تیری دھج ' بھل بے جما تیری دھج - ' عین ' ' م ' سے ' مثال ' جمعا ' جما - چنانچہ بعضے اس عبارت " جمعہ کے دن عید ہوگی " کو " جمے کے دن عید ہوگی " کہتے ہیں ' لیکن " جمے کے دن " زیادہ فصیح ہے اگرچہ لغت میں غلط ہے ' اس کی وجہ یہ کہ اردو میں بلکہ ہر زبان میں استعمال مستند ہوتا ہے ' اصل لفظ چاہے کچھ ہو اور اُسے غلط بھی نہیں بتاتے - ' بھہ ' (سین کے بعد اور نون سے مخلوط) ' ' مھہ ' (سین کے بعد) ' مثال سمھال ' سنبھال - ' کھہ ' ' خ ' مثال : کمر کھہ ' کمرخ - سیکھہ ' سیخ ' ہر چند کم کم اور کبھی کبھی استعمال ہوتا ہے - ' گ ' ' م ' (لیکن دونوں الگ الگ استعمال میں نہیں آتے گول مول [گول یقیناً علحدہ مستعمل ہوتا ہے ' مول یہاں قیمت کے معنی میں نہیں بلکہ مہمل ہے] - ' چھہ ' ' ب ' مثال ' چھل بل - ' گھہ ' ' گ ' مثال ' تانگن تانگھن —

مخالفت حروف

' گاف ' اور ' جیم ' میں مخالفت حروف ہے [یہ آپس میں بدلے نہیں جاسکتے] مثال بھاگا ' بھاجا - بھیگا ' بھیجا - ظاہر ہے کہ ' بھاگا ' اور ' بھیگا ' تو اردو ہے لیکن ' بھاجا ' اور ' بھیجا ' اردو نہیں اگرچہ یہ ہندی میں صحیح ہے ' کیونکہ اہل

هند سواے شاہ جہان آباد کے فصیح مسلمانوں کے ایسے لفظ بولتے ہیں - اور اختلاف 'ی' 'واؤ' کا ہے 'کہیں' تو دهلی کی زبان ہے اور 'کہوں' اکبر آباد کی - 'میچنا' 'موچنا' (آنکھہ بند کرنا) 'موچنا' پورب کی زبان ہے -

'لام' 'س' مثال 'نکلا' 'نکسا' - 'نکسا' غیر فصیحوں اور هندؤں کی زبان ہے ' اور 'نکلا' فصحا کی زبان ہے -

اور خلاف 'کاف' اور 'جیم' کا ہے - کیوں کہ 'بکوانا' تو اُردو ہے اور 'بچوانا' اس کے مخالف ہے - 'ک' اور 'چ' کا بدله بهی اُردو کے روز مرہ سے مخالفت رکھتا ہے - جیسے 'کیچڑ' کو 'چیکڑ' کہنا جیسا کہ اکثر اهل هنود بولتے هیں —

حرکات موافق | یعنی حرکات کا آپس میں بدل جانا ' جیسے هلنا (بالکسر) اور 'هلنا' (بالفتحه) - یہ دونوں تلفظ فصیحوں کی زبان سے سنے گئے * 'گِهسنا' اور 'گَهسنا' میں اول اکثر استعمال هوتا ہے اور دوسرا شاذ و نادر † - 'رلنا' کا زیر اور پیش بهی آپس میں بدلتے هیں - (فلانا خاک میں رلگیا) دوم (پیش) سے

* اب اردو میں بالکسر هی فصیح ہے - پرانا لہجہ صرف 'هلچل' میں باقی رہ گیا - (مترجم)

† حسب صدر - (مترجم)

اول (زبر) بہتر ہے - 'متّی' (بالفتحہ) اور 'متّی' (بالکسر) دونوں فصیح ہیں - 'محلا' کا پیش اور زبر (شہرتدیوں کا محلا' بجواریوں کا محلا) - اور 'نکسک' (سراپا) کا زیر (کسرہ) اور زبر (فتحہ) دونوں ہم معنی - اور 'ہرن' کا فتحہ اور کسرہ' ان سب الفاظ میں حرکات کی موافقت ہے یعنی متبادل ہیں - مج (بالکسر) منج (بالضم) جیسے مجھہ سے کیوں خفا ہو—

حرکات مخالف

'چھپنا' اور 'چھپنا' میں کسرہ اور ضمہ کی مخالفت ہے' فصیح بالکسر ہے - اور ضمہ کے ساتھہ اهل مغل پورہ کا لہجہ ہے - اهل اُردو کی زبان نہیں 'کھلانا' کا کسرہ' فتحہ کے ساتھہ پورب کے زمینداروں کی زبان ہے اور ضمہ کے ساتھہ پنجاب والوں یا بعضے مغل پورہ والوں کی زبان ہے - اور کلمہ 'یہ' (اشارہ قریب) میں بالکسر تو اُردو ہے لیکن بالضم سادات بارهہ کی زبان ہے اور بالفتحہ دهلی کے اطراف میں بولتے ہیں - کلمہ 'وہ' (اشارہ بعید) بالکسر پورب کے فضیلت پناهوں اور شاہ جہان آباد کے مکتبی ملاؤں کی زبان ہے - اور فتحہ سے مزید پارچہ کے دلالوں اور بعضے مسلمانوں کی بھی زبان پر ہے جو بحث سے خارج ہیں - اور ضمہ کے ساتھہ اُردو دانوں

کی زبان ھے —

'یہ' اور 'وہ' کے ساتھہ یہ بھی اکثر ھوتا ھے کہ اول کی 'ہ' کو 'ی' سے بدل کر 'یے' اور دوم کی 'ہ' کو 'واؤ' سے بدل کر 'وو' بنا لیتے ھیں - یہ تبدیلی شہر کے فصحا کے اختیار میں ھے —

'کو' (علامت مفعول) واؤ مجہول کے ساتھہ تو فصیح اردو ھے - مگر واؤ معروف کے ساتھہ باھر والوں یا شہر کے پرانے بوڑھوں کی زبان ھے —

'آیسی' بالفتحہ اُردو ھے اور بالکسر بیرونیوں کی زبان ھے —

'قسم' بالفتحہ دھلی کی زبان ھے اور بالکسر فرخ آباد اور مئو کے افغانوں کی زبان —

'میں' - (حرف ظرف) ' بالکسر اھل اردو کی زبان ھے اور بالفتحہ اتاوہ اور اُس کے گرد و نواح کے لوگوں کی -

'میں' (علامت مفرد متکلم) بالفتحہ شہر کے فصحا کی زبان ھے اور بالکسر دوآبہ گنجم * کے لوگوں کی —

* وہ رقبہ جو گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ھے اس کے لئے میں نے یہ نام یعنی دوآبہ گنجم وضع کیا ھے - (مترجم)

'پلنگ' (جس پر سوتے ہیں) بالفتحہ فصیحوں کی زبان ہے اور بالکسر دہاتی بولتے ہیں —

شیخ - بالفتحہ شہر کے قابل لوگ بولتے ہیں اور عوام بالکسر —

مغل - غین کے ضمہ کے ساتھہ پوربیوں کا مستعمل ہے اور اُس کے فتحہ کے ساتھہ کہ لفظ صحیح ہے اور اسی طرح شاہ جہان آباد والوں کے استعمال میں ہے فصیح ہے اور احتمال ہے کہ لغت کی رو سے بھی غلط نہیں —

حاشیہ - بعض نسخوں میں یہ عبارت اس طرح درج ہے :- و ضمۂ غین مغل کہ لفظ صحیح الاصل یہی ہے پوربیوں میں مستعمل ہے اور اس کا فتحہ کہ لفظ غلط اور شاہ جہان آباد والوں کی زبان ہے فصیح ہے —

ھنتھڑی (بالفتحہ اور نون غنہ' ہاتھی کی مادہ) میواتیوں کی زبان ہے - 'ھِتھنی' (بالکسر) پوربیوں کی زبان ہے' اور ھتھنی (بالفتحہ) فصیح اردو ہے —

مسّر (سین مشدد مفتوح' برھمن کا لقب)' دھلی کا تلفظ ہے' سین مضموم کے ساتھہ پوربیوں کا تلفظ ہے- بعضے دھلی میں شین معجمہ مشدد کے ساتھہ بھی بولتے ہیں-

تم - (بالضم) دھلی کی بولی ہے اور بالفتحہ (تَم) تھانیسر' اندری اور کڑھام کا لہجہ ہے -

تلک (بالفتحہ) فصیح دھلویوں کی زبان ھے اور تُلک (بالضم) اھل مغل پورہ کا لہجہ ھے -

چوتھی فصل
بعض حرفوں کا لفظ سے گر جانا

جاننا چاھئے کہ لفظوں سے حرفوں کا گرنا دو قسم کا ھے ' ایک وہ کہ فصحا نے حرف یا حرفوں کے حذف کے بعد لفظ کو رواج دیا ھے اور دوسرے وہ کہ بعض لوگ بات کرتے وقت جلدی کی وجہ سے کسی حرف کو ارادے کے بغیر گرا دیتے ھیں اور ان کی زبان سے بھلا معلوم ھوتا ھے-

اول قسم | ' واو ' اور ' یائے مجہول ' کا گرانا ' ھووے ' ' نہ ھووے ' سے ' مثال :-

" آپ فلانے شخص کو تعزیہ خانے میں بہت بلاتے ھیں ایسا نہ ھو کہ کوئی تبرّا کرے اور اس کی خاطر آزردہ ھو " -

اس عبارت کے بیچ میں ' نہ ھو ' اور آخر میں ' ھو ' بجائے ' ھووے ' کے آیا ھے ' ورنہ لغت میں ' ھو ' امر کا صیغہ ھے اور ' نہو ' نہی کا صیغہ ھے -

' آکر ' ' جاکر ' ' آکے ' ' جاکے ' جیسے فعلوں سے ' کر '

اور 'کے' کا گرانا' مثال:-

"فلانا ہماری باتیں سن مرزا حسن علی پاس

جا سب کہہ دیتا ہے اور وہاں کی باتیں

یہاں آ بیان کرتا ہے"۔

اس عبارت میں 'سنکر' یا 'سنکے' کی جگہہ 'سن' اور 'جاکر' یا 'جاکے' کی جگہہ 'جا' اور 'آکر' یا آکے' کی جگہہ 'آ' آیا ہے۔

'دیوانہ پن' کی 'ہ' گراکر دیوان پن مستعمل ہے۔

'لڑکا پن' سے الف گراکر لڑکپن ('ڑ' مفتوح 'کاف' ساکن) کہتے ہیں۔

اسی طرح 'شہدا پن' سے الف گراکر 'شہد پن' کہتے ہیں۔

اکثر مصدروں اور مضارع اور امر و نہی کے صیغوں سے 'واو' گرا دیتے ہیں - جیسے ' کھاونا' جاونا' آونا' پیونا اور کھاوتا ہے' پیوتا ہے' جاوتا ہے' آوتا ہے' اور 'آوو' جاوو' نہ آوو' نہ جاوو- آج کل مسلمانوں میں بوڑھے پراتم اور ہندوؤں میں بیشتر اس طرح بولتے ہیں - اور محمد تقی میر سلمہ اللہ شعر میں بھی ایسی شکل استعمال کرگئے ہیں' یہ شاید حفظ وزن کی نظر سے ہوا ہو یا اکبر آباد میں اس کا مضایقہ نہیں -

'والا' (صاحب' مالک' باشندہ) کا آخر کا الف'

لیکن یہ ہر کہیں نہیں بلکہ صرف دو جگہہ حذف کیا جاتا ہے، جیسے 'دلّی وال' یعنی دھلی کا رھنے والا جو اصل میں دلّی والا تھا ' اور 'کوتھی وال' جو اصل میں کوتھی والا تھا یعنی مالدار، ھندی خزانہ والا۔

'لاگا' کا پہلا الف، مثال فلانا دیوار سے لاگا کھڑا ھے' 'لگا کھڑا ھے' فصیح ھے' 'تلک' کا لام یعنی "اب تلک' کی جگہہ "اب تک" - لیکن دونوں اردو میں آتے ھیں۔

'ایدھر' 'کیدھر' 'اودھر' 'پور' کی 'ی' اور 'واو' جیسے شہزاد پور؛ شاہ جہاں پور- کتابت میں ضمہ کی رعایت سے واو اور کسرہ کی رعایت سے 'ی' لکھدیتے ھیں اور بعضے نہیں لکھتے' صحیح وہ ھیں جو نہیں لکھتے؛ کیونکہ اگر ترکی کے قاعدے کے مطابق حرف مضموم کے بعد 'واو' اور حرف مکسور کے بعد 'ی' لکھنا ضروری ھے تو حرف مفتوح کے بعد 'الف' بھی لکھنا چاھئے' اور ایسا نہیں ھوتا، چنانچہ 'رھا' 'کہا' 'چلا' کو بخلاف ترکی راھا' کاھا- چالا ھندی میں نہیں لکھتے' ترکی میں 'ایمدی' کو الف مکسور کے ساتھہ عروض کی رو سے فعلن کے وزن پر 'ی' کے ساتھہ اور 'اوغلان' کو فعلن کے وزن پر واو کے ساتھہ لکھتے ھیں - ضمہ کے بعد واو اور کسرہ کے بعد 'ی' اور فتحہ کے بعد 'الف' اسی مثال میں آتا ھے۔

اس کے سوا ھندی میں ترکی کی ٹانگ توڑنے کے کیا معنی؟ اور حرکت کی رعایت حرف کی ایزادی کی حقیقت یہ ھے کہ ترکی زبان کے فصحا اس مزید حرف کا اعلان تلفظ میں نہیں کرتے [جیسے اردو والے جب اُس کو 'اوس' لکھتے تھے تو بولنے میں واو کا اعلان نہیں ہوتا تھا، تلفظ دونوں صورتوں میں ایک ھی رھتا تھا] حالانکہ وہ کتابت میں موجود ھے - اگر 'اوغلان' بروزن فاعلان موزوں کریں اور 'قاچار' کو پاداش کے وزن پر شعر میں باندھیں تو جایز ھے، لیکن 'اُس' کو جو گُل کے وزن پر ھے حور کے وزن پر موزوں نہیں کرسکتے - اور 'رھا' کو جو فعل کے وزن پر ھے اگر فعلن کے وزن پر 'راھا' نہیں کہہ سکتے، نہ 'مانا' کو فاعلن کے وزن پر باندہ سکتے ھیں، اور یہ بھی ظاھر ھے کہ 'اس' (اشارہ قریب) میں یاء نہیں لکھتے جب کہ 'اُس' میں واو لکھتے ھیں، اس بیچارے نے کیا قصور کیا ھے کہ بغیر یاء کے لکھتے ھیں - اِدھر میں جو یاء نہیں لکھتے اس کی وجہ یہی ھے کہ حرکت کے بعد حرف بڑھانا ضرور نہیں - اس گفتگو سے ثابت ہوتا ھے کہ لفظ 'اُس' اور ایسے تمام ھندی لفظوں میں جن میں ضمہ بغیر واو کے آواز دیتا ھے واو کا لکھنا صحیح نہیں -

ایسا ھی حال 'ی' کا ھے' جس حرف کے بعد تلفظ میں اس کا اظہار ھو تو کتابت میں بھی درست ھے ورنہ غلط - اسی وجہ سے حرف مضموم جو واؤ سے مخلوط ھو گیا اور مکسور جو 'ی' سے مخلوط ھو گیا ھو اور مفتوح جو الف سے مخلوط ھو گیا ھو اُردو کے حروف تہجی میں شامل نہیں کئے گئے ورنہ اس زبان کے حروف تہجی بانوے شمار میں آتے —

اور 'میٹھہ' (دل کے وزن پر) اور 'کونجڑا' (فعلن کے وزن پر) جن کا 'ی' اور واؤ کے ساتھہ لکھنے کا رواج ھے ان میں 'ی' اور 'واؤ' ضروری نہیں —

بانوے حروف کا ذکر ابھی آیا ھے' ان کا حساب اس طرح ھے کہ چھیاسی حرف جن کی تفصیل سابق میں آچکی ھے ان کے علاوہ دلالوں کی زبان کے دو حرف یعنی 'ز' اور نون مخلوط جیسے زنگار (چہار کے وزن پر)' اور 'شین' 'نون' سے ملا ھو جیسے شنگرف (مسطر کے وزن پر)' 'واؤ' لفظ 'اُس' میں اور 'یاء' 'اِس' میں' اور 'الف' 'راما' میں' یہ کُل ھوے اکیانوے — دوسری صنف 'جانمّد' (تشدید میم) اور نور محمّد بجاے جان محمد و نور محمد ھے - اور 'صامرا' بجاے 'صاحب میرا' اور 'بھئی' بجاے بھائی اور باؤجی بجاے باواجی

اور 'جنور' بجاے جانور اور 'شجنا باد' بجاے شاہ جہان آباد اور روشن دولا بجاے روشن الدولہ -

---

پانچویں فصل' مصدروں کا بیان

یاد رکھنا چاہئے کہ جس لفظ کے آخر 'نا' ہو اور اس سے ماضی' حال' استقبال اور امر و نہی کے صیغے بن سکیں وہ مصدر ہے' اور جس لفظ کے آخر 'نا' ہو مگر اس سے صیغے مشتق نہ ہو سکیں وہ مصدر نہیں ہوتا خواہ مصدر کے معنی دیتا بھی ہو - غرض کہ پہلے کو مصدر اور دوسرے کو حاصل مصدر کہیں گے -

مصدر کی قسمیں | صیغوں کے ذکر میں مصدر کی کیفیت کچھہ آ چکی ہے' لیکن اس کی تحقیق اس نہج پر ہے کہ مصدر تین قسموں پر منقسم ہے (۱) جو فعل اُس سے بنے وہ صرف فاعل کو چاہے' اسے لازم کہتے ہیں - (۲) جب فعل کسی کے ہاتھہ سے دوسرے پر واقع ہو یا کسی کے ایما سے کسی کے ہاتھہ سے کسی پر واقع ہو اُسے متعدی کہتے ہیں - (۳) لازم کی ایک اور قسم بھی ہے یعنی لازم سے متعدی کے معنی پیدا ہوں - لازم کی مثال :- آیا زید' گیا زید - متعدی اول کی مثال :- مارا زید نے عمرو کو - متعدی ثانی کی مثال :-

مروایا زید نے عمرو کو بکر سے - تیسرے متعدی کی مثال جس کے معنی لازم سے پیدا ہوں :- آیا زید ساتھ عمرو کے ' یعنی لایا عمرو زید کو -

مصدر متعدّی کا واؤ | اس سے سمجھدار سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی کام کسی کے ایماء سے کسی کے ہاتھ سے کسی پر واقع ہو تو اس کے مصدر میں الف پر واؤ مقدم ہوگا ' اور یہ واؤ کسی جگہ بھی حذف نہیں ہو سکتا بعض لوگ جو اسے حذف کر دیتے ہیں وہ فصیح نہیں ہیں اور ان کی اردو دانی ناقص ہے ' جیسے ' کرانا ' بمعنی کروانا ' کہانا بمعنی کہوانا - اگر چہ ' کہوانا ' کے مقابلہ میں ' کہلانا ' کا استعمال زیادہ ہے لیکن وہ بھی صحیح اور فصیح ہے —

حروف کی تقدیم و تاخیر | بعض الفاظ میں حرفوں کو آگے پیچھے کر دیا ہے ' جیسے ' دابنا ' دبانا - اُلیڈنا ' اُنڈیلنا -

متعدی بنانے کا جو قاعدہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں وہ متعدی ثانی کا ہے متعدی اول کا نہیں ' کیونکہ متعدی اول اس قاعدہ کے خلاف بہت پایا جاتا ہے -

حاصل مصدر | حاصل مصدر کی کئی قسمیں ہیں (۱) تکرار سے ' جیسے آتے آتے ' جاتے جاتے ' کہتے

کھٹے ' اتھٹے (سب میں یاء مجہول) - ان کے معنی
ہیں آنے تک ' جانے تک ' کہنے تک ' اتھنے تک - ' میرے
آتے ' کے معنی ہوے میرے آنے تک - ' تک ' کے معنی
خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں - اور ' آتے ' وغیرہ حاصل مصدر
ہو جاتے ہیں اور ' تک ' کی ضرورت نہیں رہتی -

(۲) ' مری ' بمعنی ' مرنا ' - اور ' رھاؤ ' ' چڑھاؤ ' ' اتار '
کے معنی ہیں رھنا ' سوار ہونا ' نیچے آنا -

(۳) امر کے اکثر صیغوں کا بھی یہی حال ہے ' جیسے ' ناچ '
' پہنچ ' ' سمجھہ ' ' کھینچ ' ' اکڑ ' ' رھا یش ' (رھنا) -

(۴) ' دیوان پن ' مرادف ہے ' دیوانگی ' کا جو فارسی
کا حاصل مصدر ہے -

(۵) ' چالا ' (چلنا) اور ' چل چلاؤ ' (وھی معنی) '
' کس کساؤ ' وغیرہ ان جیسے بہت سے لفظ ہیں [جو
حاصل مصدر کے معنی دیتے ہیں]

(۶) ' گلاپا ' (گول ہونا) ' ' گھلاوت ' ' ' سجاوت '
بمعنی کسی چیز کا پانی میں مخلوط یا حل ہو جانا
اور محبوب سے اختلاط کا لطف ' زیبا ہونا - اور
' مچ مچاھت ' (دل میں خواهش کا اظہار کرنا) '
' لڑگت ' (مقابل ہونا) -

(۷) ' سج ' (زیبایش) ' ' دھج ' (انداز زیبائی سے مراد

ھے) ' ' ڈھب ' بنیاد ڈالنا [کسی کام یا بات کی] '
' کرتب ' (کردار) ' ' کرتوت ' (کردار) ' ' نباہ '
(پورا کرنا) ' یہ سب حاصل مصدر ھیں -

(۸) بعضے مصدر دو لفظوں سے مل کر ایک ھی معنی دیتے ھیں ' جیسے ' دوڑ دھپاڑ ' ریل پیل ' جھانک تاک ' دیکھا داکھی -

(۹) کبھی مبالغہ کے لئے بیچ میں الف اتصال لاکر ایک لفظ کو دوبار بولتے ھیں جیسے دوڑا دوڑ ' بھاگا بھاگ - یہ الف مختلف حروف کے الفاظ میں بعضوں کے نزدیک صحیح ھے اور بعضوں کے نزدیک غلط ' جیسے ' ریلا پیل ' - یہ لفظ راقم کے شعر میں آیا ھے —

— * —

باب پنجم

نحو

— * —

پہلی فصل
اسم کے بیان میں

بول | بک [سنسکرت واکیہ ' بولنا ' لفظ] کی دو قسمیں ھیں با معنی اور بیمعنی - بیمعنی بحث سے خارج

ہے، مطلب با معنی سے ہے، اور اسے ہم 'بول' سے تعبیر کرتے ہیں —

فعل | چونکہ 'بک' با معنی بھی ہے اور بیمعنی بھی اور 'بول' وضع کئے ہوئے مفرد لفظ کا نام ہے پس بول، تین زمانوں یعنی ماضی، حال یا استقبال میں سے کسی ایک زمانے میں شامل ہوگا اور اس کو فعل کہیں گے، جیسے آیا ہے، آتا ہے، آوے گا۔

اسم | یا ایسا نہیں ہوگا [کسی زمانے پر مشتمل نہیں ہوگا] تو اسے اسم کہیں گے، جیسے، سورج، چاند۔ یہ دونوں معنی میں اپنی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور مستقل ہیں۔

حرف | بول کی ایک قسم اور ہے جو اپنی ذات میں مستقل نہیں اور غیر کے واسطہ سے معنی پر دلالت کرے، اس کو 'حرف' کہتے ہیں۔ جیسے 'پر' سے۔ مثال، کوٹھے پر ہم سے چڑھا نہیں جاتا۔ حرف ربط کلام کے لئے عبارتوں میں بہت آتا ہے، ممکن ہے کہ کوئی عبارت اس سے خالی بھی ہو جیسے، زید آیا، کوٹھا گرا۔

اسم کی قسمیں | اسم کی یہ قسمیں ہیں:— جامد، مشتق، تام، ناقص، مفرد، مجموع، مونث، مذکر، فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، موصوف،

صفت، بدل، مکرر، مستثنیٰ، تمیز، مضاف، مضاف الیہ، حال، ذوالحال -

فعل کی قسمیں | فعل کی بھی دو قسمیں ہیں تام، ناقص -

حرف کی قسمیں | حرف کی بھی متعدد قسمیں ہیں جو اپنی جگہہ پر آئیں گی -

بات | دو بولوں کے مجموعے کو 'بات' کہتے ہیں عربی میں جس کا نام کلام ہے - اس میں شرط یہ ہے کہ اسے سن کر سامع کو انتظار نہ رہے، اور یہ فعل اور فاعل، مبتدا اور خبر ہی سے حاصل ہوتا ہے -

جامد | اسم جامد اُس اسم کو کہتے ہیں جو کسی مصدر سے مشتق نہ ہوا ہو اور نہ اس سے کوئی کلمہ مشتق ہوسکے، جیسے، زید، عمرو، گھوڑا، ہاتھی-

مشتق | وہ بول یا کلمہ ہے جو مصدر سے نکلا ہو، جیسے بہلو، بھگوڑا، ہنسوڑ، گاہک، بجویا - اسی قسم میں اسم فاعل اور اسم مفعول داخل ہیں -

اسم تام و ناقص کا بیان بعد میں آئے گا جن کا انحصار علم پر ہے، مثال گل محمد، گلو -

---:*:---

دوسری فصل

مفرد اور جمع

مفرد اور جمع | مثال مفرد :- گھوڑا ' اُونٹ ' گاجر ' مولی۔ جمع کے کئی قاعدے ہیں -

(۱) جب مفرد اسم کے آخر میں الف ہو تو [اور وہ اسم مذکر ہو تو] الف کو یاء مجہول سے بدلتے ہیں ' جیسے پیڑا ' پیڑے کھاے - رنگترا ' رنگترے بیچے - خربوزا ' خربوزے میٹھے نکلے - کیلا ' کیلے بنگالے میں اچھے ہوتے ہیں - چھہارا ' چھہارے اچھے نہیں ہیں - گرم گرم اندرسے کھایا چاہیے - دلی کے کھیرے یاد آتے ہیں - چار نیچے اور پانچ حقے بھائی صاحب نے منگواے ہیں - گھوڑے بھکّر سے آے ہیں ' جناب عالی نے سو چیتے رمنے میں چھڑ واے ہیں - ممولے بول رہے ہیں ' پپیہے برسات میں غضب کرتے ہیں -

(۲) جب مفرد کے آخر یاء معروف ہو مگر مذکر حیوان کا نام نہ ہو جیسے ہاتھی ' نہ علم ہو جیسے دلّی اور نہ اس میں یاء زایدہ ہو جیسے جوگی ' بیراگی ' سنیاسی ' پنجابی ' پوربی - مثال :- مُولی ' مُولیاں- پوری ' پوریاں - کچوری ' کچوریاں - کلی ' کلیاں-

جلیبی ، جلیبیاں - چارپائی ، چارپائیاں - انبرتی انبرتیاں - چوکی ، چوکیاں - دری ، دریاں - شطرنجی ، شطرنجیاں - گولی ، گولیاں - بولی ، بولیاں - جھولی ، جھولیاں - کوڑی ، کوڑیاں - گالی ، گالیاں -

ہم نے یہ قاعدہ اردو الفاظ سے متعلق بیان کیا ہے اور زبانوں کے الفاظ سے سروکار نہیں - اگر لفظ ' کھتّیا ' کی جمع پر وہ قاعدہ جو ' پیڑا ' (خطوں میں پیڑہ لکھدیتے ہیں) کے لئے آگے لکھا ہے عاید نہ ہو تو ہمارا اصول ناقص نہیں ٹھہرتا کیونکہ یہ لفظ اردو نہیں اور اس کے سوا جو لفظ مذکر نہیں جیسے انگیا (عورتوں کا سینہ بند) اس کی جمع تانیث کی وجہ سے اس قاعدے کے تحت درست نہ ہوگی بلکہ فصحا کے نزدیک یہ لفظ مفرد اور جمع میں یکساں رہے گا ، اسی لیے اس بیان کے شروع ہی میں تذکیر کی قید لگادی ہے -

(۳) جس لفظ مونث کے آخر یاء معروف کے سوا کوئی اردو کا حرف ہو اس کی جمع یاء مجہول اور نون غنہ سے بنے گی ، جیسے نائکائیں ، مائیں ، باتیں ، چیتیں ، گھاتیں ، میخیں ، چینیں ، یادیں ، گاجریں ، پیشوازیں ، ہوسیں ، بندشیں ، وراثیں ، رقاصیں ، مرتاضیں ، محتاطیں ، طماعیں ، کمظرفیں ، بدطریقیں ، نازکیں ،

بدرگیں، منحر میں ' ازاریں ' کھڑاویں ' بے راہیں —

(۴) جس مذکر لفظ کے آخر الف اور یاء معروف نہ ہو وہ مفرد اور جمع میں ایک ہی رہے گا ' جیسے پانچ لڈو ' دس کدو، دو پلاؤ ' چار سالن ' آٹھہ تربوز ' پندرہ شلغم ' سات بیگن ' بیس کچالو ' بارہ رتالو —

ان کی مثالیں جن کی جمع مونث یاء مجہول اور نون غنہ سے بنتی ہے : - آپ کی یادیں بہت رہیں' بی گنا نے سات پشوازیں اور نئی سلوائی ہیں ' یہ بندشیں جو آپ نے باندھی ہیں سو ہم سب سمجھتے ہیں' اور رقاصیں جب آویں گی تو سب کے دل مل جاویں گے ' مرتاضیں سب آرزو عذبات کی رکھتی ہیں ' مشتاطیں کب ہندو کی دوکان کی چیز اپنے بچوں کو کھانے دیتی ہیں ' کمظرفیں دم بدم اپنی دوپٹے کی تمامی ہی دکھایا کرتی ہیں ' بد طریقیں بھلے آدمی کے گھر میں آنے کے لایق نہیں ہوتیں' نازکیں موتیوں کو کب خیال میں لاتی ہیں ' بدرگیں ما باپ کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں - یہ جمع کی شکلیں جو ابھی لکھی گئیں ان کلموں پر بھی عاید ہیں جو مفرد اور جمع میں ایک ہی رہتے ہیں جیسے لڈو ' ایسا نہ ہو تو واؤ مجہول اور نون غنہ جمع میں آتا ہے -

اس کے کئی موقعے ہیں مثلاً متعدی یا ' کو ' علامت مفعول

کی صورت میں یا حرف سے تعلق کی صورت میں، مثال :- مولیوں نے آج ہمیں بہت بیمزہ کیا، مولیوں کو ترشوایا، مولیوں کے پتے ہمیں دیجئے، مولیوں سے معدہ خراب ہوتا ہے - یہی حال گاجر، لڈو وغیرہ الفاظ کا ہے - اور ہاتھی، جوگی اور ان کی مانند اور الفاظ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں، مثالیں :- جوگیوں نے آج شہر گھیر لیا ہے، مست ہاتھیوں نے بڑی دھوم مچائی ہے، جوگیوں کو مار کر نکال دو، مست ہاتھیوں کو چرائی پر لے جاؤ، جوگیوں کا یہاں کیا کام ہے، مست ہاتھیوں کا رہنا شہر میں اچھا نہیں، جوگیوں سے خدا پناہ میں رکھے، مست ہاتھیوں سے بھاگا چاہئے —

مفعول علامت (کو) کے بغیر لانا بھی درست ہے، جیسے، مولیاں تراشو، گاجریں لاؤ، لڈو کھاؤ، لیکن ہاتھی، جوگی اور اسی طرح کے اور اسموں کے ساتھ یہ سلوک پسندیدہ اور اردو کا روز مرہ نہیں —

اور جس لفظ کی جمع اردو میں مفرد کے خلاف ہو اس کا مفرد لانا درست نہیں سوائے اس کے کہ وہ کسی فرد واحد کی تمیز کرنے والا ہو، مثال :- ایک گھوڑا، ایک مولی، ایک گاجر، اور دو گھوڑا، تین گھوڑا، دو مولی، تین گاجر کہنا صحیح نہیں، بلکہ لکھنؤ اور پورب

والے اس طرح بولتے ہیں لیکن شاہ جہان آباد میں کوئی اس طرح نہیں کہتا - اس طرح کہنا صحیح ہے :-
دو گھوڑے ' تین گھوڑے ' دو سولیاں ' تین سولیاں ' دو گاجریں ' تین گاجریں —

ایک عزیز مثنوی میں مرزا رفیع (سودا) سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے :-

تم اپنے پیل معنی کو نکالو
مرے ہاتھی سے دو ٹکّر لڑالو

اس شعر میں دو ٹکر' صحیح نہیں ' دو ٹکّریں ' چاہئے - ' ایک ٹکّر ' کہتا تو ٹھیک تھا (ایک ' میں ' ی ' داخل نہیں تلفظ ' اک ' ہے) ' لیکن اسے تو دو ٹکّروں کی خواہش ہے -

جو لفظ مفرد اور جمع میں یکساں ہو جیسے ہاتھی جوگی ' لڈو ' ان میں تعدّد کا امتیاز فرق نہیں پیدا کرتا جیسے ' ایک ہاتھی ' دو ہاتھی ' تین ہاتھی ' ایک جوگی ' دو جوگی ' تین جوگی ' ایک لڈو ' دو لڈو ' تین لڈو -

— * —

تیسری فصل

تذکیر و تانیث

مذکر اور مونث کی کئی قسمیں ہیں ' حقیقی ' سماعی ' تقدیری —

مونث حقیقی مونث حقیقی وہ ہے کہ اس کی ٹکر کا جاندار مذکر موجود ہو۔ انسانوں میں اس کی علامتیں اور القاب ہوتے ہیں جیسے، بیگم، خانم، بی بی، بی جی، بہو، ہمشیرہ، امّاں، باجی، پھوپھی، خالہ، ممانی، انّا، ددا، چھو چھو وغیرہ۔ بعضے الفاظ ایک حرف یا حرکت کے بدلنے سے مذکر اور مونث بناتے ہیں، مثال، پیارا، پیاری، پہلا مذکر ہے اور دوسرا مونث۔ اسی طرح پنجابی، میواتی، بنگالی، مارواڑی، سے پنجابن، میواتن، بنگالن اور مارواڑن مونث بنے۔ یہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مذکر کی یاے معروف کی جگہ نون مونث پر دلالت کرتا ہے، چونکہ پوربی سے پوربن بنانا درست نہیں اس لئے یہاں نون کے بعد یاے معروف اور بڑھاتے ہیں یعنی پوربنی بناتے ہیں، اس لفظ میں 'ر' کے سکون کے ساتھہ 'پور' 'خور' کے وزن پر ہے؛ 'ب' پر پیش ہے نون کے نیچے زیر اور یاے معروف ہے۔ اس طرح خراسانی، صفاھانی، شیرازی وغیرہ فارسی اور عربی الفاظ میں مونث 'یاء' اور 'نون' سے نہیں بنتا بخلاف مذکر کے الف کو یاء سے تبدیل کرنے سے جو مونث کی علامت ہے جیسے پیارا، پیاری جس کا ذکر آگے آیا اور کھٹا، کھٹی۔ کڑوا کڑوی۔ مٹکا، مٹکی وغیرہ۔ اور شیرازن اور اس جیسے

الفاظ کا نون فصحا کی زبان نہیں اگرچہ پنجابن اور بنگالن کے قیاس پر صحیح ہے بلکہ شیرازی کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر روا ہے - مثال یہ مغل شیرازی ہے، یہ مغلانی شیرازی ہے* -

کبھی یاء تانیث الف تذکیر کے مقابل ہوتی ہے، جیسے، پٹھان، پٹھانی - برھمن، برھمنی -

کبھی مذکر کے آخر الف، ن، اور یائے معروف کی زیادتی سے مؤنث بناتے ہیں، جیسے :- مغل، مغلانی سید، سیدانی -

کبھی مذکر کے آخر سے یاے معروف اُڑا کر الف، نون، اور یائے معروف زیادہ کرتے ہیں، جیسے، کھتّری، کھترانی ت کی تشدید تخفیف میں لا کر جیسے 'سیدانی' میں یاء مشدّد کو مخفف کر دیا اور نون لچھمنی میں خلاف قیاس ہے اور ڈومنی میں مناسب ہے کیونکہ اس کا مذکر ڈوم ہے نہ کہ ڈوما کہ اس کا مونث ڈومی بنتا - اور مانسوں کا مونث 'ممانی' بہ نظر چچی اور پھپی کے خلاف قیاس ہے کیونکہ 'مانسوں'

---

* پالتو کبوتروں کی ایک قسم شیرازی کہلاتی ہے، اس کی مادہ کو دھلی میں شیرازن کہتے ہیں، شاید اس خیال سے مصنف نے انسانوں کے لئے یہ لفظ روا نہ رکھا ہو - (مترجم)-

اصل میں 'ماما' تھا' اہل ہند نے 'عمو' کے نمونے پر 'ماما' کے آخری الف کو واو سے بدلا اور نون غنہ کثرت استعمال سے آگیا - اور اہل ہند سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے والدین مغل ہوں' اور یہ تبدیل پرانی ہے' امیر خسرو کے شعر میں بھی ماموں اور ممانی پایا گیا † -

اگر ایک لفظ واو معروف پر ختم ہو تو مذکر ہوگا اور وہی لفظ واو مجہول پر ختم ہو تو مونث ہوگا جیسے کُلّو مذکر ہے اور کلّو (کالی عورت یا عورت کا نام) مونث ہے —

بعضے اسم تذکیر و تانیث میں مشترک ہوتے ہیں - جیسے قطبن' مرادن' جمیعت' کہ ان کی اصل مذکر میں قطب الدین' مراد علی' اور جمیعت تھی اور مونث میں قطبی بیگم' بی مراد بخش اور بی جمعیت ہو گئے - اور امیر بخش' پیر بخش' نور بخش' کریم بخش' حسن

---

† ماما اور چاچا یہ دو رشتوں کے نام پہلے سے رائج تھے - 'ماما' کو ماموں اس لیے بنایا گیا کہ فارسی میں 'ماما' گھر کی خادمہ کو کہتے ہیں' ماں کے بھائی کو خادمہ کا نام دینا مناسب نہ تھا' اسی رعایت سے مامی میں بھی تبدیلی ہوئی' چونکہ شمالی ہند کے لہجے میں آخر کلمہ کے حروف علت کے بعد نون غنہ ناخواندہ مہمان کی طرح آموجود ہوتا ہے اس لئے چاں چاں (قل غپاڑا) سے بچانے کو فصحا چچا کہنے لگے' جس کی تانیث چاچی کی جگہ سہل قاعدے کے تحت چچی بنی - (مترجم)

بخش ، حسین بخش ، مرتضیٰ بخش وغیرہ مذکر اور مونث میں مشترک ہیں - اور ترخیم [کلمہ کا آخری حرف گرادینا] اگر واو مجہول کے ساتھہ ہو تو تانیث پر دال ہوگی جیسے امیرو ، جب کہ بغیر واو کے مذکر ہوگا ، جیسے امیر وغیرہ ، پیر بخش کے مذکر اور مونث میں الف بمنزلہ واو مجہول کے ہے (علامت مذکر) - جیسے ، پیرو ، پیرا ، نور بخش بھی پیر بخش کے قاعدے کے نیچے آتا ہے ، لیکن امیر بخش اور نور بخش میں مونث نون سے بھی بدلتا ہے ، جیسے ، امیرن ، نورن - لیکن ، پیرن ، صحیح نہیں اور سننے میں بھی نہیں آیا ، کریم بخش سے کریمو اور کریمن اکثر سننے میں آتا ہے - اور امام بخش سے امامو (واؤ مجہول) اکثر اور امامن کم بولتے ہیں - اور حسن بخش سے حسنو واو معروف کے ساتھہ مشہور ہے اور واو مجہول سے نہیں سنا گیا - اور حسین بخش سے حسینی (یاء معروف) مذکر اور مونث میں مشترک ہے - مرتضیٰ بخش کی ترخیم نا معلوم ہے ، یہہ نام کسبی عورتوں کے ہیں شریف عورتوں کے نہیں - شرفا کی خواتین کی کنیزوں کے نام ایسے ہوتے ہیں :- منوہر ، یاسمن ، گل اندام ، راے بیل ، موگرا ، چنبیلی ، سیوتی ، موتیا ، نرگس ، سوسن ، ہمیشہ بہار ، صبح دولت ـــــ

نام کے سوا لقب غیر معتبر چیز ھے ' جیسے کلو ' چھنیا '
بنو ' ننھی وغیرہ - کیونکہ شرفا کی عورتیں اور کسبیاں
دونوں اپنی لڑکیوں کو اس لقب سے پکارتی ھیں - شریفوں
میں یہ دستور نہیں کہ صاحبزادیوں کے نام تو رکھیں
ظہورالنسا ' نورالنسا اور ان کو پکاریں ظہورن اور
نورن کے لقب سے —

مونث سماعی *

مصنف کہتا ھے کہ مونث سماعی کی علامت آخر میں یاء معروف ھے اور
یہ کُلیہ ھے کہ جس کلمہ کے آخر یاء معروف ھو وہ اصلی
مونث ھے ' اس میں مستثنیات یہ ھیں :-

(۱) یاء نسبتی یا بمعنی فاعل جیسے پنجابی '
پوربی ' ساتھی ' روگی ' بھوگی ' جوگی ' مالی ' بمعنی
رفاقت کرنے والا ' بیمار ' کھانے والا ' ہنود کا عابد ' اور
باغ کا رکھہ رکھاؤ کرنے والا —

---

* واضح ہو کہ مصنف نے مونثات سماعی کو اپنے بیان کی طرح کتاب میں بے ترتیب اور پراگندہ لکھا تھا چونکہ اردو میں یہ بحث نہایت اہم ھے اس لئے اس کو حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق مرتب کر کے چھاپا گیا تاکہ الفاظ آسانی سے مل سکیں ' اور بعض لفظوں کے معنی بھی لکھہ دئے ھیں - (نوٹ طبع اول مرشدآباد و طبع ثانی انجمن ترقی اردو)

(ب) جب یاء معروف علم کا جز ہو، جیسے ہاتھی۔

(ج) یا انسان کے لقب کا آخر کلمہ ہو، جیسے چودھری۔

(د) یا صفت ہو، جیسے - بھاری - چونکہ صفت جنسیت میں موصوف کی تابع ہوتی ہے اس لئے مذکر کے ساتھہ مذکر اور مونث کے ساتھہ مونث استعمال ہونی چاہئے جیسے ، یہ پتھر بہت بھاری تھا ، یہ گٹھری بہت بھاری تھی -

مثال مونث کی جس کے آخر یاء معروف ہو :-
مولی ، بتّی ، مسی ، ترئی ، کنڈوری ، بوتی ، چوکی ، اساوری ، ساڑی ، پوری ، انگلی ، چھلنی ، چنگاری ، جالی ، بالی ، نالی ، وغیرہ —

' دھی ' پنجاب اور پورب میں مونث بولا جاتا ہے اور اردو میں دونوں طرح —

' موتی ' کی تانیث محض قیاسی ہے ' اس کی تذکیر نرالی طور پر مشہور ہے ' یہی حال ' پانی ' اور گھی کا ہے ' ' گھی ' اصل میں ' گھیو ' تھا ' [گھی دراصل سنسکرت میں ' گھرت ' تھا اور مذکر تھا ' مختلف انقلابات سہتے سہتے گھی بنا ' مگر جنس وہی قایم رہی] -

دوسرے مونثات سماعی بہ کثرت ہیں جو ذیل میں باترتیب درج کئے جاتے ہیں —

الف

آب و تاب ' آبرو ' آتش ' آتشک ' آخور ' آرزو ' آس ' آستین ' آفت ' آگ ' آمد ' آمد آمد ' آمد و رفت ' آنچ ' آنکھ ' آواز ' آیت (بخلاف آیہ) ' ابتدا ' اجل ' اجواین ' اچکن ' اُچھل کود ' ادا ' ازدحام ' [اب مذکر بولا جاتا ھے] ' آزار [بہ شرح صدر] ' اساس ' اسپک (خور جین ' مشترک) ' اطلاع ' اطلس (ازروے تحقیق) ' افیون (نیز افیم جو افیون کا دوسرا نام ھے) ' الخالق ' اکر ' اکسیر ' انبوہ [اب مذکر بولا جاتا ھے] ' انتہا ' انشا ' انگشتری ' انگلیت (جسامت) ' انگھوتھی ' انگیا ' اوجھل ' اوس -

ب

بات ' باد فرنگ ' بادیاں ' بال (گیہوں اور جو کی) کودوں (ایک قسم کا غلہ) ' باگ ' بانگ ' بانک ' بانھہ ' باؤ [ھوا ' اب متروک] ' باہ ' بحر (کشتیاں ' یہ لفظ قدیم اردو نہیں لیکن اھل دھلی پورب میں استعمال کرتے ھیں) ' بخشش ' بد ' مشہور بیماری ' بدھیا (آختہ بیل) ' برف ' برق ' برھیا ' بساط ' بسم اللہ ' بغل ' بکل ' بلا ' بلات (اردو میں بانات کو کہتے ھیں) ' بندش ' بندوق ' بنیاد ' بو ' بو باس ' بود و باش ' بوجھہ ' بوند ' بہار '

بھاگڑ ' بھڑک ' بھنک (خفیف سی آواز) ' بھنگ ' بھوکھ '
بھول چوک ' بھوں ' بھیڑ (انبوہ) ' بہیر (فوج کے همراهی)
بیت (ایک شعر) ' بیٹھک (ایک قسم کی ورزش ' اور
عورتوں کی اوهام پرستی جس کی تشریح زنانه محاوروں
کی ذیل میں آچکی هے) —

پ

پاپوش ' پازیب ' پاکھر (گھوڑے کی زره) ' پاکی
(طینت کی) ' پال (ایک قسم کا چھوٹا خیمه) (مشترک)
[اب یقیناً مونث] ' پخت ' پخت و پز ' پشواز ' پکار ' پکڑ '
پکھاوج ' پلٹن (یه لفظ قدیم اردو نهیں اهل دهلی پورب
میں استعمال کرتے هیں) ' پلک ' پون (هوا) ' پونچھه '
پھبن ' پھکڑ ' پھوٹ (نفاق ' ایک قسم کا گھٹیا خربوزه) '
پیاز ' پیاس ' پیپ ' پیٹھه (دونوں معنی میں یعنی
پشت اور گانو کا بازار) ' پیچا (اُلو کی ایک قسم اور
عورتوں کی اصطلاح میں بمعنی بلا) ' پیزار ' پیشانی '
پیش قبض (اکثر مونث) ' پیک (پان کی) ' پینس '
پینگ ' پیچش —

ت

تاب (طاقت اور چمک) ' تاک (دیکھنا) ' تاکید '
تانت ' تپ ' تپ دق ' تپش ' تحریر ' تدبیر ' ترازو '

تزاش، تربت، ترہ، تیزک [غلط العام تارا تیزا، اور مذکر] تسخیر، تصویر، تقدیر، تقریر، تقصیر، تکرار، تکلّ، تگ و دو، تلوار، تمنا، تمیز، تنبیہ، تواضع، توپ، توجہ، تھاپ [مدھن ساز پر ہاتھ کی ضرب]، تھاہ (دریا وغیرہ کے پانی کی تہ)، تہنیت -

ٹ

ٹکر، ٹوم، ٹھلیا، ٹھوکر، ٹیس، ٹیپ (مہاجنوں)، ٹیپ (آواز) -

ج

جامن، جاگیر، جان (اردو میں مونث، ریختہ گویوں نے مذکر باندھا ہے)، جائداد، جبین، جدول، جڑ، جست و خیز، جستجو، جگت، جگمگاہٹ، جلا، جلد، جمنا، جمیرات، جنس، جوت (شعاع)، جوار، جوارش جھاڑو، جھالر، جھانجھ، جھپک، جھل (عورتوں کا باھم رشک)، جھلک، جھول، جیب -

چ

چادر، چارہ سازی، چال، چاہ [خواهش]، چاء، چپت (دھول)، چپکن، چتون، چٹ (زخم آتشک و داغ)، چڑ (نفرت کا موجب)، چڑیل، چق، چل (هر معنی

میں) ' چلم ' چلمن ' چمکاھٹ ' چنگ (پتنگ کی ایک قسم ' اگرچہ بعضوں کے نزدیک مذکر بھی ھے لیکن فصحا مونث بولتے ھیں) ' چوپڑ ' چوٹ ' چونچ ' چُوک (قصور) ' چوکھٹ ' چھاچھہ ' چھانو ' چھب ' چھت ' چھکڑ ' چھل (مزاح) ' چھوت (نجاست) ' چھوٹ ' چھینٹ (بوند ' ایک قسم کا کپڑا) چیز ' چیستاں –

ح

حکمت ' حمایل ' حنا ' حیا ' حیات –

خ

خاتم ' خارش ' خاک ' خاکستر ' خبر ' خدا ترسی ' خراش ' خرد ' خزاں ' خطا ' خلخال خلق ' خندق ' خواھش ' خیر (عربی) —

د

دارہ ' دانست ' درز ' دریافت ' دستار ' دستک ' دعا ' دکان ' دم (فریب) ' دُم ' دنیا ' دوا ' دواءالمسک ' دوات ' دوبھر ' دوخت ' دون (نون کا اعلان ' سرود کی آواز) ' دھپ ' دھج ' دھرم (تضعیف) ' دھکا پیل ' دھلیز ' دھوپ ' دھول ' دھول (خاک) ' دھوم ' دید ' دیر ' دیوار —

ڈ

ڈاب (کمر بند پر کمر بند)، (ڈاٹ شیشہ کے منھہ بند کرنے کی چیز)، ڈاک (بمعنی چپار)، ڈبیا، ڈاڑھ (آواز سے رونا)، ڈگ (قدم)، ڈھاک (رعب اور نیز شور و غل [اب یہ لفظ اس معنی میں دال ھندی سے نہیں بلکہ دال مہملہ سے مروج ھے] ، ڈھال، ڈھیل، ڈینگ (شیخی، لاف، یہ جدید لفظ ھے اور عوام اردو کی زبان ھے) —

ر

راب (کچی کھانڈ)، رات، راس (گھوڑے کی باگ)، راکھہ، رال (نفط اور منھہ کا لعاب)، راہ، رائی، رچ (خواھش)، رسوت (ایک دوا)، رشوت، رغبت، رفتار، رقم، رکاب، رنگت، رونق، ریاست، ریل پیل -

ز

زبان، زرریزی، زرہ، زکوٰۃ، زلف، زمین، زنجبیل، زنجیر، زندگی، زیر بریاں (پلاؤ کی ایک قسم) —

س

ساگون، ساکھہ (اعتبار)؛ سالگرہ، سانپن، سب [؟] - سبیل (طریقہ، محرم کے دنوں میں خدا کے نام پر

پانی پلانا)، سپر، سج، سجاوٹ، سُدھ (ہوش)، سرسوں،
سرنگ، سطر، سفیل (دراصل فصیل ہے)، سکت (طاقت)،
سکوڑ، سلونو، سمت، سنڈک، سنجاف، سنگت، سوجن،
سوجھ، سورت (قرآن کی بخلاف سورہ)، سوزش، سوسن،
سوگند، سوں (واؤ معروف قسم)، سونٹھ، سونٹ (ہاتھی
کی)، سونف، سپیدہ (خط کی راستی)، سیفا، سیم (سیم
کے بیج کے خلاف) —

ش

شاخ (ڈالی)، شام، شاہ نواز خانی (لباس کی
ایک قسم)، شب، شبنم (ململ کی ایک قسم اور لغوی
معنی میں بھی)، شبیہ (تصویر)، شراب، شرح، شرط،
شرم، شطرنج، شعاع، شفا، شکر، شلک، شمشیر، شمع،
شناخت، شہرت، شیر برنج، شیر مال —

ص

صبا، صبح، صف، صفا، صلح —

ض

ضریح —

ط

طرف، طرز، طرز بیان (بمعنی مصطلح) —

ظ

ظہور برکات (بمعنی مصطلح حروف تہجی میں) —

ع

عادت، عطا، عقل، عید —

غ

غذا، غزل، غلام گردش، غلیل، غور —

ف

فتوت، فرد (اکیلا ایک شعر)، فکر، فوج، فہمید -

ق

قبا، قبر، قبلہ نما، قتل عام (مشہور مونث ہے لیکن ریختہ کے شاعر مذکر بھی باندھتے ہیں) [اب قتل اور قتل عام مذکر ہی مستعمل ہیں]، قدرت، قدغن [اب مذکر]، قطع پارچہ، قسم (بالکسر)، قسم (بہ فتحتین)، قلم تراش، قنات، قندیل، قوت، قوم، قیمت —

ک

کان (معدن)، کاوش، کپٹ (نفاق، اُردو میں کم اِستعمال ہوتا ہے)، کتاب، کچنال، کربلا (جہاں تعزیے دفن کرتے ہیں)، کٹر (جو کبوتروں کو کھلاتے ہیں)-

کساوت ، کسوت ' کشش' کشمش' کفش ' کمر ' کمرکھہ' کمک '
کوچ (واؤ معروف ' پیپا) ' کور (جو ہاتھی کی عماری
اور دوسری چیزوں کے گرد تانکیں) ' کوک (واؤ معروف)'
کوکھہ (واؤ مجہول) ' کونبھل' کھپریل ' کھجلی ' کھر
(بالکسر) ' کھڑاؤں' کھلاوٹ ' کھیر' کیل (لوہے کی چھوٹی
میخ)' کیچڑ ' کیمیا -

گ

گاجر ، گات (عورتوں کا سینہ) ' گانٹھہ ' گت ' گجگاہ (ہاتھی
کی) ' گدھیا ' گرد ' گردن' گرہ ' گز گڑی ' گزک' گفتگو
گفتار ' گدھک ' گوت ' گود' گودی ' گور ' گوگرد ' گولک'
گھاس' گھٹا (ابر)' گیند --

ل

لاکھہ ' لاگ ' لیگ' لت (عادت) ' لٹ (بالوں کی)' لٹیا'
لو' لعن' لوٹ ' لوٹ مار ' لوح ' لہر ' لہد' لیزم -

م

مال (چرخے کی) ' مانگ ' مبارک باد ' مثل ' مجلس'
مچمچاہٹ ' محرم (انگیا کا ایک پارچہ)' محبت ' محلت'
مخمل ' مدح ' مد ' مدد' مرقد * (مشترک)' مسجد' مسرت'

* اب صرف مذکر استعمال ہوتا ہے یہ کُلیہ ہو گیا ہے کہ عربی
کے ظرف مکان جو چوحرفی ہوں اور جن کا پہلا اور تیسرا حرف مفتوح
ہو مذکر آتے ہیں جیسے مکتب ' مجلس ' مہبط ' مقتل وغیرہ (مترجم)

مسطر [اب مذکر ہے]،مشق، مشک (بالضم)، مشک (بالفتحہ، مشکیزہ) ، مصری ، مصیبت ، معاش ، معجون ، مقراض ، مکو، ملک [بالکسر] ، ململ، مقدیر ، منزل ، مذفی، مہندی (بالکسر) ،موج،موچ، موچھہ، مور چھلاں (گانے کی اصطلاح) ، موت مہار ، مہر (محبت)، مہر (خاتم) ، مہنال ، میخ ، میل (بالفتحہ، چرک)، مینا، مینڈ -

ن

ناف ، ناک ، ناؤ ، نبات ، نبض ، نتھہ ، نذر ، نرخ ، نرد، نرگس ، نشست ، نشست و برخاست ، نصیحت ، نظر، نقب ، نکسک ، نگاہ ، نمش، نوبت ، نوش دارو ،نوک ، نہایت ، نہر ، نیاز نیت ، نیم ، نیند -

واو

وبا ، ورزش ، وضع، وعظ (مشترک) ، وفا ، وفات -

ہ

ہانک ، ہجوم [اب مذکر] ، ہڑ ، ہلجان ، ہل چل ، ہمت، ہوا ، ہوس، ہیکل -

ی

یاد ، یاس ، یال ، یخ -

مونث سماعی کے کلیہ قاعدے

ان سماعی مونثوں کے علاوہ ایک کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ کے آخر یاء ہو وہ ہمیشہ مونث ہوگا' اس کے مستثنیات کا ذکر آگے آچکا ہے۔

اسی طرح جس لفظ کے آخر 'ت'، 'ٹ' یا 'ک' ہو' یا آخر میں 'ش' ہو جس کا ما قبل مکسور یا مفتوح ہو وہ مونث ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ حاصل مصدر کے معنی دیتا ہو۔

باز' باشہ' شکرہ وغیرہ تمام شکاری جانوروں کے نام مادہ ہونے کے باوجود مذکر آتے ہیں۔

'بدھیا' اگرچہ بیل ہے مگر استعمال میں مونث ہے۔

عربی کے تمام مصدر جن کے آخر 'ت' ہو اور تمام مصدر جو باب تفعیل سے ہوں ہندی میں ہمیشہ مونث آتے ہیں۔

مونث تقدیری

مونث تقدیری * وہ ہے جس کی تانیث سماعی نہ ہو بلکہ اس میں تانیث کی تقدیر ہو' جیسے عربی میں 'دار' اور 'ارض' جن کی تصغیر 'دویرہ' اور اریضہ آتی ہے' ان کی اصل 'دارہ' اور 'ارضہ' اندازہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان خاص یعنی شاہ جہان آباد میں بعضے لفظوں کی تانیث مترادف لفظوں کے اندازہ اور حروف کی مناسبت کے لحاظ سے ہے' مثال' آنکھ' سے (کہ اس کی اصل انکھڑی مادہ ہے) 'کھال' سے (جس کی اصل کھلڑی ہے) اندازہ کرنا۔

---

* تقدیر کے معنی ہیں اندازہ کرنا (مترجم)۔

تصغیر کی تانیث سماعت کے سوا تصغیر بھی ہندی میں تانیث پر دلالت کرتی ہے - تانیث اور تصغیر دونوں کی علامت 'ڑ' اور 'یاء معروف' ہے لفظ مذکر کے بعد' جیسے' پلنگ' پلنگڑی - لعل' لعلڑی - کبھی کبھی حرکات اور حرفوں کے تغیر سے بھی ایسا ہوتا ہے' جیسے' جھبیا' گڑیا' تھلیا - چونکہ ہندی میں تصغیر کا صیغہ مذکر کو مونث بنا دیتا ہے اور اُس مذکر میں 'ڑ' نہیں پائی جاتی سواے 'ڈوم' اور 'ڈومڑا' کے۔

مشترک الفاظ مشترک الفاظ بھی بہت ہیں' جیسے' پیکان' جان' پال' وعظ' دھی' اسپک' قرآن' سخن' قلم' اوج' بحر (کشتیاں) گیہوں وغیرہ - ان کی تحقیق اس طرح ہے کہ 'پیکاں' کو 'بھال' کے قیاس پر اردو کے عوام مونث بولتے ہیں جب کہ فصحا ہمیشہ مذکر استعمال کرتے ہیں - 'وعظ' کو بیشتر فصحا مونث اور چند شخص مذکر بولتے ہیں - 'دھی' پنجاب اور پورب میں مونث اور شاہ جہان آباد میں اکثر مذکر اور کمتر مونث ہے - 'اسپک' مثل 'پال' کے غالب التذکیر ہے - اسی طرح 'قرآن' جسے کچھ لوگ 'حمایل' کے قیاس پر مونث جانتے ہیں مگر فصیحوں کے استعمال میں مذکر ہے - اور 'سخن' بمعنی 'بات' بعضوں کے

نزدیک مونث ہے - 'قلم' کمتر مونث اور اکثر مذکر بولا جاتا ہے - 'اوج' اور 'بھو' کا بھی یہی حال ہے یعنی بعضے مونث اور بعضے مذکر بولتے ہیں - 'گیہوں' بقالوں کی زبان میں اکثر مونث اور کمتر مذکر ہے لیکن فصحا کی زبان سے مذکر سننے میں آیا -

تانیث معنوی ان تانیثوں کے سوا ایک اور تانیث ہوتی ہے جس کو تانیث معنوی کہتے ہیں - اس کے مقابل مذکر نہیں ہوتا* -

—*—

چوتھی فصل

اسم فاعل

فاعل کی قسمیں فاعل کی کئی قسمیں ہیں، 'اصل' ہوگا یا 'غیر اصل' - اصالت اسم جامد کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتی، جیسے زید آیا، اور جملہ فعلیہ تمام ہوگیا - یا فاعل غیر اصل ہوگا اور وہ اسم فاعل، صفت مشبہ، مبالغہ اور اسم مفعول ہے - مثال، "پارسال مرنے والا بھی کیا خوب اساوری

* جیسے چیل، مینا وغیرہ کہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے یہی ایک لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور ہمیشہ صیغۂ تانیث میں - اسی طرح مذکر معنوی ہے - جیسے کوا، اُلو، خرگوش وغیرہ - (مترجم) -

گایا ہے" - یعنی فلاں گویے نے جسے تم جانتے ہو اور جس نے اس سال قضا کی ہے پچھلے سال کیا اچھی اساوری گائی تھی - یہ مثال اسم فاعل کی ہے - صفت مشبہ کی مثال یہ ہے :- "ہمارا مارا ہوا ہم سے پھر کیا مقابلہ کرتا ہے"- یعنی فلاں شخص جس کو ہم نے کئی بار مارا ہے ہم سے مقابلہ کیا کرے گا - یا "بھگوڑا آیا ہے یا بھگو آیا ہے"- یعنی فلاں شخص آیا ہے جس کی عادت تم جانتے ہو بھاگ جانے کی ہے اسی طرح 'ہنسوڑ' بمعنی بہت ہنسنے والا - 'روؤ' بہت رونے والا - 'دبیل' تابع 'مریل' وہ شخص جسے جو چاہے پیٹ دے - 'گایک' گانے والا- 'چکریا' چاکری پیشہ - لڑاک' بہت لڑنے والا - 'سچکر' بمعنی گردش کرنے والا - یہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں ہوسکتا کیونکہ باب تفعیل کے اسم فاعل کے وزن پر اس کا 'کاف' مکسور چاہیے لیکن یہ لفظ 'کاف' مفتوح سے مشہور ہے' اور مفعول کے معنی کی اس میں گنجایش نہیں' اور اگر اس معنی میں بھی ٹھیک اُترے تو بھی عربی پر ہندی کے قیاس کی کیا ضرورت ہے - 'کھلاڑ' 'کھلنڈرا' دونوں کے معنی کھیلنے والا [کھلاڑ' بالخصوص عورت کے لئے اور دوسرا مرد کے لئے آتا ہے] - نکیلا' رسیلا' رنگیلا' سجیلا' ہٹیلا' روبیں' مرجیورا' جھلا'

اُچکا، وغیرہ۔ صرف میں ان صیغوں کے ذکر نہ کرنے کی یہ وجہ ہے کہ یہ ہر لفظ سے نہیں بن سکتے اور صرف کے بیان میں کلیہ قاعدے ہی مد نظر ہوا کرتے ہیں۔ مثال 'مرنے والا' کہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو ہر صیغہ سے بن سکتا ہے۔ جیسے کھنے والا' جانے والا' آنے والا' اٹھنے والا' بیٹھنے والا' رونے والا' ھنسنے والا۔ جن صیغوں کا اوپر ذکر آیا ان میں ایسا نہیں ہو سکتا' چنانچہ 'بھگوڑا' اور 'بھگو' کے قیاس پر 'ھنسو' اور 'ھنسوڑا'۔ 'پوچھو'' 'پوچھوڑا' بمعنی ھنسنے والا اور پوچھنے والا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح 'دبیل' کے قیاس پر بھگیل' ھنسیل' پچھیل' بمعنی بھاگنے والا' ھنسنے والا' اور پوچھنے والا' کہنا درست نہ ہوگا۔ اور بھاگک' ھنسک' پوچھک' دبک کہنا 'گایک' کے قیاس پر صحیح نہیں۔ ایسا ہی حال اور الفاظ کا ہے۔

مفعول کی مثال :- ماری گئی آج لڑتی ہے۔ یہاں اصالت کے اعتبار سے وہی اسم ہے' چونکہ اس جملہ کے "بھگوڑا آیا ہے" یہ معنی ہیں کہ زید جس کا دستور بھاگ جانا ہے آیا ہے۔ اور یہ کہ "مرنے والا بھی پارسال کیا خوب اساوری گا گیا" اس کی خبر دیتا ہے کہ عمرو نامی گویا جو اس سال مرا ہے پچھلے سال کیا

اچھی استوری کا کیا تھا - اور " ماری گئی آج لڑتی ھے " کے معنی یہ ھیں کہ وہ کنیز جسے میں نے اب سے پہلے پیٹتا تھا آج لڑتی ھے —

— * —

پانچویں فصل

اسم مصدر اور حاصل بالمصدر

اسم مصدر اور حاصل مصدر بھی اسم جامد میں داخل ھیں ، اس کی دلیل یہ ھے کہ مشتق وہ ھے جو مصدر سے نکلے اور مصدر مصدر سے نہیں نکلتا اور اوزان مزید فیہ جو ثلاثی مجرد سے حاصل ھوتے ھیں عربی سے مخصوص ھیں —

مصدر اور حاصل بالمصدر کی مثال :- گانا تمام ھوا ، مری پڑی ھے —

— * —

چھٹی فصل

فعل لازم و متعدی

فعل لازم | فعل یا لازم ھوگا یا متعدی ، لازم وہ ھے جو مفعول کو نہ چاھے اور صرف فاعل سے مطلب پورا ھو جائے ، جیسے زید آیا ، زید گیا ، زید اٹھا ، زید بیٹھا ، زید سوا ، خوب ھوا ، عمرو بولا ، بکر چونکا ، خالد بھاگا ، مینھہ برسا ، فوج پہنچی ، تلوار توٹی ، کھپریل

گری ' کنجوں هنسی ' کلنجڑا رویا ' کپڑا پھٹا ' خربوزہ کٹا ' سیاهی کا غذ سے پھوٹی ' کیاری بلی ' کونپل نکلی ' کا غذ بنا ' کلی کھلی ' موم پگھلا —

فعل متعدی | فعل متعدی وہ هے جو مفعول کو بھی چاهے - اس کی علامت فاعل کے بعد نون اور یاء مجہول (نے) هے - اور بعضوں کے نزدیک نون ' یا واو' نون غنه (نیں) هے لیکن آخری نون کے بغیر بہتر هے ' مثال ' زید نے مارا عمرو کو ' بکر نے کاتا خربوزہ کو ' عمرو نے بیچا کاغذ کو ' اور توڑا ' پھاڑا ' چیرا ' پٹکا ' پچھاڑا ' رکھا ' دیکھا ' کھایا ' چکھا ' پڑھا ' لکھا ' اُکھاڑا ' بویا ' پھینکا ' جھاڑا ' چھانا ' پکایا ' پکارا ' ملایا ' اور بلایا ' یہ سب فعل متعدی هیں - مارا زید عمرو کو ' غلط هے ' مارا زید نے عمرو کو صحیح هے - توڑا زید هانڈی کو ' غلط هے ' توڑا زید نے هانڈی کو صحیح هے - اور هم کہا ' تم کہا ' هم کیا ' تم کیا ' هم دیا تم دیا ' غلط هے ' اور هم نے کہا ' تم نے کہا ' هم نے دیا ' تم نے دیا اصل اردو هے —

افعال لازم میں 'نے' کا استعمال غلط هے - ' زید آیا ' صحیح ' ' زید نے آیا غلط - ' زید موا ' صحیح ' ' زید نے موا ' غلط - اور میں نے کہا ' کے بدلے ' میں

کہا ' فصحا نہیں بولتے ' پرانے شہر کے رہنے والے دقیانوسی بوڑھے ایسا بولتے ہیں -

" نے " جو فعل متعدی پر دلالت کرتا ہے تمام فعلوں میں صیغہ ماضی سے مخصوص ہے مگر ' لایا ' مستثنیٰ ہے - ' لایا ' ظاہر میں متعدی ہے لیکن اصل میں لازم - کہتے ہیں زید لایا عمر کو - یہ جملہ اصل میں ہے زید لے آیا عمرو کو ' اور ' بولنا ' میں خلاف قیاس ہے -

حال اور مستقبل | لازم اور متعدی دونوں کے حال اور استقبال کی ایک ہی صورت ہوتی ہے ' مثال ' زید آتا ہے (لازم) ' زید توڑتا ہے ' زید چھانتا ہے (متعدی) - اور زید جاوے گا ' عمرو آوے گا (لازم) - زید پکڑوے گا ' زید کہے گا (متعدی) -

مبتدا ' خبر | ایک اور اسم فاعل کے مشابہ ہے جسے مبتدا کہتے ہیں اور ایک چیز فعل کے مشابہ ہے جسے خبر کہتے ہیں ' مبتدا اکثر معرفہ ہوتا ہے اور خبر اکثر نکرہ - معرفہ ایک معین چیز کو کہتے ہیں جیسے زید ' عمرو ' اور نکرہ غیر معین کو جیسے آدمی وغیرہ - مبتدا اور خبر کی مثال :- زید منسوز ہے ' اس میں ' زید ' مبتدا ہے اور ' منسوز ہے ' خبر ' یہ صحیح ہے - اور یہ کہنا کہ ' آدمی منسوز ہے ' اس میں سوال

کی جگہ باقی رہتی ہے اور کلام تمام نہیں ہوتا [کیونکہ یہ بدیہی صداقت ہے کہ ہر آدمی ہلسور نہیں ہوتا] - مبتدا اور خبر میں فعل اور فاعل کی طرح بات کا تمام ہونا شرط ہے - اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ خبر اکثر مشتقات سے ہوتی ہے اور کمتر غیر مشتقات سے ' جیسے علی ہمارے امام ہیں ' آدم ہمارا باپ ہے - یہاں کہنے والے کو اختیار ہے کہ جسے چاہے مبتدا بنادے - اگر یوں کہے ہمارے امام علی ہیں ' تو ہمارے ' امام ' مبتدا ہوگا اور ' علی ہیں ' خبر اور اسی طرح ہمارا باپ آدم ہے ' میں ' ہمارا باپ ' مبتدا اور ' آدم ہے ' خبر -

ناچار ' بیمقدور ' بے کس ' بے سامان ' بے حیا ' بے غیرت ' نا آشنا ' بھی مشتق کلمے ہیں کیونکہ ان کے معنی حسب ذیل ہیں ' مجبور ' نادار ' جس کا کوئی نہ ہو ' جس کے پاس کچھہ نہ ہو ' حیا نہ رکھنے والا ' غیرت نہ رکھنے والا ' آشنائی نہ رکھنے والا - اور نکرہ بھی جب موصوف ہو یا خصوصیت رکھتا ہو معرفہ ہو جاتا ہے ' مثال :- " نماز گزار غلام بے نماز میاں سے بہتر ہے " ' صفت نماز گزار نے غلام کو جو نکرہ تھا خاص یعنی معرفہ کر دیا - یا ' کوئی شخص تجھہ سے بہتر نہیں ' اس عبارت میں کوئی شخص عام تھا لفظ ' نہیں ' نے اسے مخصص کر

دیا یعنی جو دنیا میں ہے تجھہ سے بہتر نہیں -

معرفہ | معرفہ کی کئی قسمیں ہیں (۱) ' علم جیسے زید ' عمرو ' (۲) ضمیر ' جیسے میں ' ہم ' تو ' تم ' وہ - میں مجبور ہوں ' اس میں ' میں ' مبتدا ' مجبور ہوں ' خبر - اسی طرح تو مجبور ہے ' وہ مجبور ہے وغیرہ - (۳) '' مبہمات ' اس کی دو قسمیں ہیں ' ' اسم اشارہ ' اور ' موصولات ' اسم اشارہ ' جیسے ' یہ بہت قابل ہے ' یہ ' مبتدا ' قابل ' ہے ' خبر - موصولات جیسے ' جو ' جو کوئی ' جونسا ' جو کچھہ - مثالیں ' جو ہمارا یار ہے وہ سب سے اچھا ہے ' جو کوئی ہمارا یار ہے وہ سب سے بہتر ہے ' جونسا ہمارا یار ہے وہ سب سے اچھا ہے ' جو کچھہ تم کہو وہی ٹھیک ہے —

بعضے بجاے جو کچھہ ' سو جو کچھہ بولتے ہیں ' یہ اُن لوگوں کی زبان ہے جو چالیس برس کے ہوکر بھی انا جان سے شفقت مادری کے طالب ہیں [پہلے بولتے تھے اب متروک ہے] ' مثال ' سو کچھہ تم کہو وہی ٹھیک ہے ' سو تم کہو مبتدا ' وہی ٹھیک ہے خبر ' اور ان کے کلام میں ' وہی ' کی جگہ ' سوئی ' اور ' سو ہی ' بھی آتا ہے اور ' جو کُچھہ ' کی جگہ ' جو ' بھی بولتے ہیں ' اور ' سو کچھہ ' بولنے والے حضرات

اس کو بھی ' سو ' بنا دیتے ہیں - مثال ' سو تم کہو وہی ٹھیک ہے - اور یہی اصحاب ' جونسا ' کو ' کونسا ' ' جہاں ' کو ' کہاں ' اور ' جب ' کو ' کب ' بول جاتے ہیں - مثال ' کونسا ہمارا یار ہے وہی سب سے اچھا ہے ' کب تم کہو تب ہم چلیں ' کہاں شرف جہاں کی مسجد ہے وہیں ہماری حویلی ہے - اور ' جیسا ' کو ' کیسا ' کہہ دیتے ہیں جیسے ' بڑے بول کو ایسا اٹھالیتے ہیں کیسے کوئی چوہے کی دم پکڑ کے اٹھا لیتا ہے ' یعنی جیسے کوئی ... —

(۴) منادی ' مثال ' او بھائی ' او جانے والے ' بھیا ہوت ' جانے والے ہوت —

(۵) جب کئی میں سے ایک کو مضاف بنا لیا جاے ' مثال ' زید کا غلام عمرو کے غلام سے اچھا ہے ' میرا غلام تیرے غلام سے اچھا ہے ' اُس شخص کا بیٹا زید کے باپ سے بہتر ہے ' جو ہمارا یار ہے اس کا غلام بھی سب سے بہتر ہے - ' جو ' کی جگہ ' جو کوئی ' بھی استعمال کرتے ہیں —

--- * ---

ساتویں فصل ' اسم مفعول

اسم مفعول تین قسموں پر منقسم ہے - مفعول مطلق '

مفعول بہ، مفعول لہ —

مفعول بہ | مفعول بہ وہ ہے جس پر فعل واقع ہو، مفعول بہ کی علامت 'کو' (واؤ مجہول) ہے جو اس کے بعد ہی مذکور ہوتی ہے - مثال :- زید نے عمرو کو مارا، اور 'نے' علامت فاعل بھی آتی ہے - مثال :- زید نے پہلوان کشتی میں پچھاڑا - لیکن فعل کے دو مفعول ہوں تو ایک علامت مفعول کا حذف کر دینا فصیح ہوتا ہے - مگر جب ایک ہی مفعول ہو تو علامت قایم رکھنی چاہئے، مثلاً :- 'زید نے گھوڑا دیا عمرو کو' یہ کہنا اس سے بہتر ہے کہ کہیں "زید نے عمرو مارا" -

مفعول مطلق | مفعول مطلق وہ ہے کہ ہر فعل کے بعد اس کا مصدر مذکور ہو - اس کی کئی قسم میں ہیں - (۱) اسی فعل کا مصدر آئے جو مذکور ہوا (۲) اس مصدر کا مترادف کوئی مصدر (۳) تشبیہہ کی رو سے کسی چیز کی طرف مضاف ہو - (۴) تعدد فعل پر دال ہو - (۵) اس معنی میں مصدر کا آنا کہ کسی شخص کو ایسے فعل کا حکم دیا جاے جو اس مصدر سے نکلا ہو - جیسے 'گانا گایا' مفعول بہ کی علامت کے بغیر اور 'گانے کو گایا' مفعول بہ کی علامت کے ساتھہ - اب بالترتیب مثالیں دی جاتی ہیں - مثال (۱) 'بولنا بکی' - مثال

(۲) 'بولنے کو بکی' - لیکن یہ ترکیبیں یعنی بولنا بکی یا بولنے کو بکی فصحا استعمال نہیں کرتے - مثال (۳) آج میں بھی قاری صاحب کا بیٹھنا بیٹھا - اس میں علامت مفعول کا حذف بہتر ہے - 'قاری صاحب کے بیٹھنے کو بیٹھا'، اچھا نہیں معلوم ہوتا - مثال (۴) بیٹھا میں دو بیٹھک یا تین بیٹھک - حاصل مصدر بھی مصدر کے کلموں میں سے ہے یعنی اس مقام پر بیٹھک بہ معنی بیٹھنا اُردومیں مروج ہے - مثال ۵) میاں شکر کچھہ گانا' میاں شکرکچھہ گانا گاؤ —

مفعول بہ اور صیغہ ماضی | مفعول بہ اگر علامت مفعولی کے ساتھہ آے تو اس کا فعل ماضی ہمیشہ مذکرهوگا - خواہ فاعل مذکر ہو یا مونث' مثال' زید نے سپیاری کو کھایا - بی بلو نے الایچی کوکھایا - اگر علامت کو اُڑا دیں تو فعل مفعول بہ کا تابع ہوگا - اس لئے مفعول بہ کی جنس پر غور کرنا چاهئے اگر وہ مونث ہوگا تو فعل ماضی بھی مونث ہوگا اور اگر مذکر ہوگا تو وہ بھی مونث ہوگا - فاعل کی جنس خواہ کچھہ هی ہو- مثال :- زید نے پیڑا کھایا' زید نے برفی کھائی' بی گنا نے لڈو کھایا' بی گنا نے کالپی کی مصری کھائی اسی طرح — رباب بجایا' بین بجائی' میر منور نے پتنگ اُڑیا اور تکل اُڑائی - اور بی فتجا نے پتنگ هاتھہ میں لیا اور تکل هاتھہ میں لی —

مفعول لہ | مفعول لہ وہ ہے جس میں مفعول پر فعل کے واقع ہونے کا سبب بتایا جائے، مثال، تیرے بھلے کو میں کہتا ہوں، یعنی تیرے بھلے کے واسطے میں کہتا ہوں - میں تیرے پڑھنے کو تجھے مارتا ہوں - اور کہیں فعل کی تحریص ہوتی ہے، جس کا ذکر پیچھے آ چکا - اور کہیں فعل کے ترک کا حکم لگایا جاتا ہے، مثال، تیرے بیجا پھرنے کو میں روکتا ہوں، یعنی تیری برائی تیرے بیجا پھرنے کی وجہ سے کرتا ہوں بہتر ہے کہ تو اس سے باز آئے —

— * —

آتھویں فصل

مضاف مضاف الیہ

اردو میں مضاف مضاف الیہ کے بعد آیا کرتا ہے، اس کے برعکس صحیح نہیں نہ فصیح ہے - اضافت کی علامت مذکر کی صورت میں 'کا' اور مونث کی صورت میں 'کی' (یاء معروف) ہے جو مضاف الیہ کے بعد آتی ہے [علامت مذکور کی جنس مضاف کی جنس کے تابع ہوتی ہے]، مثال، زید کا بیٹا، بیٹا زید کا، زید کی بیٹی، بیٹی زید کی —

ضمیر متکلم اور ضمیر حاضر میں اضافت 'کا' اور 'کی' کی محتاج نہیں، ان کی عوض 'را' 'ری' آتا ہے،

جیسے ' میرا بیٹا ' میری بیٹی ' ہمارا بیٹا ' ہماری بیٹی '
تیرا بیٹا ' تیری بیٹی ' تمھارا بیٹا ' تمھاری بیٹی —
میرا ' میری ' تیرا ' تیری ' کو بغیر حرف دوم
(ے) کے اور محض اول حرف کے کسرہ سے بھی لاتے
ہیں ' جیسے ' مرِی ' ' ترِی ' یہ بھی فصیح ہے - ضمیر واحد
غائب میں ' کا ' ' کی ' لانا چاہئے ' جیسے اس کا ' ان کا ؛
اور اُنھوں کا بیٹا اگرچہ لاہور کی زبان ہے لیکن اردو
میں بھی مروج ہے - اسی طرح اس کی بیٹی ' ان کی
بیٹی - ' انھوں کی ' بھی ' انھوں کا ' کی طرح اردو میں
رائج ہے لیکن اردو نہیں —

ٹکسالی اردو

اور کسی لفظ کے اردو نہ ہونے سے یہ
مراد ہے کہ اردو میں حروف کی کمی
بیشی سے وہ خراد پر نہیں چڑھا خواہ دوسری جگہ
مروج ہو - بعضے الفاظ شہر میں اور دوسری جگہ بھی
مشترک ہیں لیکن شاذ و نادر ' جیسے سورج ' تارا ' ساگ '
پان وغیرہ - مختصر یہ کہ ان لفظوں کے سوا جنھیں شہر
کے فصیح اور غیر فصیح اور دوسری جگہ کے باشندے
استعمال کریں ایسا ہر لفظ جس کو اہل شہر دو تلفظوں میں
ادا کریں ان دونوں لفظوں میں جو لفظ کہ دوسری
جگہ تعلیم کے سوا مروج نہ ہو زبان اردو ہے —

اضافت کا فایدہ

اور اضافت کا فایدہ معرفہ میں عرفیت پیدا کرنا ھے یعنی کسی چیز کو کسی کے ساتھہ نامزد کرنا ' مثال ' غلام زید کا عمرو کے بیٹے سے بہتر ھے - اس عبارت میں ' غلام زید کا ' مبتدا ھے اور ' عمرو کے بیٹے سے بہتر ھے ' خبر - اور نکرہ میں اضافت کا فایدہ تخصیص ھے یعنی عام چیز کو خاص کرنا تاکہ معرفہ کے قریب پہنچ جاے - مثال مرد کا غلام رنڈی کے غلام سے بہتر ھے - مرد کا غلام مبتدا ' رنڈی کے غلام سے بہتر ھے ' خبر - اور تعریف اور تخصیص میں فرق یہ ھے کہ تعریف معین ذات پر دلالت کرتی ھے جیسے ' غلام زید کا ' معلوم ھوا کہ زید جسے ھم جانتے ھیں اُس کا غلام عمرو کے بیٹے سے بہتر ھے کہ ھم اسے بھی جانتے ھیں ' یا زید ایک معین شخص ھے اس کا غلام ایک شخص کے بیٹے سے جس کا نام عمرو ھے بہتر ھے - اور تخصیص معین ذات پر دلالت نہیں کرتی - مثال ' ' مرد کا غلام ' سے ھر مرد کا غلام مراد لیں گے کیونکہ اس عبارت میں کہ مرد رنڈی پر ھر صورت میں غالب ھے ' ھر مرد اور ھر رنڈی مراد ھے - اور اگر ایسا نہ ھو تو ' مرد ' جو نکرہ ھے مبتدا کیونکر ھوسکے گا —

' کا ' جو اضافت میں مذکر کی علامت ھے - بعض

جگہ اس کا "الف" یاء مجہول سے بدلتا ہے - اور کئی جگہ مضاف کا الف بھی یاء مجہول ہو جاتا ہے - لیکن 'کی' میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جو اضافت میں مونث کی علامت ہے —

کبھی مضاف کے بعد 'نے' لاتے ہیں اور کبھی 'سے' کہیں 'میں' (حرف ظرف) اور کہیں 'پر' کبھی مفعول بہ کی حالت میں اور کبھی جمع ہونے کی حالت میں دو اضافتیں یعنی مضاف الیہ کا کسی اور چیز سے مضاف ہونے کی صورت میں - مثال اول ' زید کے بیٹے نے آج اپنے باپ پر تلوار کھینچی - مثال دوم ' زید کے بیٹے سے خدا پناہ میں رکھے - مثال سوم ' زید کے بیٹے میں کیا وصف ہے - مثال چہارم ' زید کے بیٹے پر کیوں بہتان باندھتے ہو - مثال پنجم ' زید کے بیٹے کو چھوڑ دو - مثال ششم ' زید کے بیٹے کے گھر میں آگ لگی -

اضافت معنوی اور لفظی — اضافت دو قسم کی ہے معنوی یا لفظی' معنوی وہ کہ مضاف اور مضاف الیہ تعریف خواہ تخصیص سے ملکر مبتدا ہونے کی لیاقت پیدا کرے جیسے زید کا غلام ' مرد کا غلام - اور دوسرے یہ کہ معنوی میں اضافت در اضافت کی گنجایش ہے ' مثال:- "زید کے ماموں کے بھتیجے کے بھانجے کے سالے کا سالا بڑا

جرا مزادہ ہے"—

اضافت لفظی وہ ہے کہ اس کا مضاف اور مضاف الیہ خبر سے گتھہ متھ ہوں- مثال :- زید صورت کا اچھا ہے، عمرو اپنے کام کا پکا ہے، بکر قول کا پورا ہے، خالد بات کا سچا ہے- اسی طرح، تلوار کا دھنی ہے، میدان کا مرد ہے، رن کا ساونت ہے، سبھا کا اندر ہے، وقت کا کنھیا ہے، لاق کا پلا، منہ کا بھونڈا —

جب مضاف مضاف الیہ میں یہ منظور ہو کہ دونوں کلموں کو ترکیب دے کر کسی کا نام بنالیں تو یہ کرتے ہیں کہ اضافت کی علامت دور کرکے مضاف کو مضاف الیہ سے پہلے لاتے ہیں اور تذکیر و تانیث کی علامت مضاف سے چھین کر مضاف الیہ کو دیتے ہیں- مثال :- بڑمُنہا (سور)، بڑمنھی (سورنی)- اور بھنڈ قدما بمعنی نحس قدم مرد، بھنڈ قدمی بمعنی نحس قدم عورت- تھوڑ جیا بمعنی کم حوصلہ مرد، تھوڑ جئی بمعنی کم حوصلہ عورت- بڑمنہا کی اصل ہے منہہ بڑ، اور بڑمنھی کی منہہ کی بڑی-

اضافت کی اقسام فعل منصبی کے لحاظ سے

اور الفاظ کو بھی اسی پر قیاس کیا جاے- خلاصہ یہ کہ اضافت یا

(ا) دو آپس میں ملتی جلتی چیزوں کے درمیان واقع ہوتی ہے جیسے گل رخسار، سنبل زلف، خورشید دولت، ستارۂ

اقبال ، مطلع جبیں ، سرو قامت - هندی میں ، تیرے اقبال کا ستارا چمکتا هے، یعنی تیرا اقبال ستارے کی طرح چمکتا هے ، یا تیرے قد کا سرو بہت بلند هے یعنی تیرا قد سرو جیسا بلند هے - یا (۲) اضافت دو چیزوں کے درمیان آتی هے جن میں ایک دوسرے کا مادہ هو، جیسے مٹی کا گھڑا ، لکڑی کا تخت، ظاهر هے کہ گھڑے کا مادہ مٹی هے اور تخت کا لکڑی - اسی طرح چاندی کا گھڑا ، سونے کی چوکی - یا (۳) مالک اور مملوک کے درمیان آتی هے جیسے زید کا غلام، عمرو کا گھوڑا - یا (۴) محتاج اور محتاج الیہ کے درمیان جیسے گھوڑے کا زین ، هاتھی کی جھول - یا (۵) میں ، [ظرف مکان] کے واسطہ کے معنی میں ، جیسے آج باغ کی سیر کی ، بمعنی باغ میں سیر کی - یا (۶) ادنیٰ علاقہ کے اظہار کے لئے اس کو عربی میں ، بہ ادنیٰ ملابست ، کہتے هیں یعنی بہت کم مناسبت سے مضاف مضاف الیہ کی ملک ظاهر هو ، مثال :- هماری دلی تمهارے لکھنؤ سے بہتر هے ، آغا باقر کے ایران سے خواجہ غلام نقشبند کا توران بہتر هے - ظاهر هے متکلم نمبر ایک کا گھر دهلی کے محلوں میں سے کسی ایک محلہ میں هے اور یہی حال مخاطب کا لکھنؤ میں هے - اس تھوڑی سی مناسبت سے جو ان دو شخصوں کو ان دو شہروں سے هے ایک خود بہ خود دهلی کا

مالک بن بیٹھا اور دوسرا لکھنؤ کا - اسی نسبت سے آغا باقر کی نسبت ایران سے اور خواجہ غلام نقشبند کی توران سے سمجھہ لینی چاھیے - یا (۷) اضافت جو یاء نسبتی کا جواب ہو' جیسے 'خراسان کی تلوار' بجائے شمشیر خراسانی یا 'حجاز کا' بجاے حجازی ''دلی کا'' بجاے دھلوی - حجاز کا بمعنی حجاز کا رھنے والا '' دلی کا'' بمعنی دلی کا رھنے والا —

[نکتہ] فارسی کے طرز پر مضاف کے نیچے کسرۂ اضافت دینا جب کہ دونوں لفظ ھندی ھوں یا ان میں سے ایک ھندی ھو غلط ھے جیسے 'اوسِ برسات' شبنمِ بھادوں' یا اوسِ صبح —

— * —

نویں فصل ، حال

اگر کوئی کہے کہ نحو کے قاعدے کے موافق 'حال' 'مستثنیٰ' اور 'تمیز' کا ذکر مفاعیل کے بعد بہتر ھے' تو اس کا جواب یہ ھے کہ عربی میں ان کا ذکر منسوب ھونے کے سبب سے ایک فصل میں قرار پایا ھے لیکن اردو میں ایک ھی جگہ ان کے ذکر کرنے کا کون سا قاعدہ ھے؟ —

حال کی تعریف | مختصر یہ کہ حال ایک لفظ ھے جو فاعل یا مفعول کی حالت پر دلالت

کرتا ہے ' صاحب حال کو عربی میں ' ذوالحال ' کہتے ہیں اور یہی اصطلاح اردو میں اختیار کرلی گئی ہے - مثال ' آج زید حیران چلا جاتا تھا ' یعنی زید حیرانی کی حالت میں جا رہا تھا - یا ' عمرو روتا ہوا جا رہا تھا - اول جملہ میں ' حیران ' حال ہے اور زید ذوالحال ' دوسرے میں ' روتا ہوا ' حال ہے اور عمرو ذوالحال - مثال مفعول بہ ' زید کو آج میں نے روتا دیکھا ' یا ' عمرو کو آج میں نے ہنستا دیکھا - ان جملوں میں زید اور عمرو دونوں مفعول بہ ذوالحال ہیں ' اور ' روتا ' ' ہنستا ' حال ہے

*

دسویں فصل ' تمیز

' تمیز ' اس لفظ سے مراد ہے جو ابہام [شبہ] کو دور کرے ' مثال ' لیجا چار کوڑی پو سیرا (پوسیری نہیں) یا ' لیجا آدھی کی پاؤ سیر * - ان آوازوں کو سن کر

* آج کل رواج نہیں لیکن چالیس برس پہلے کوڑیاں سکہ کی طرح چلتی تھیں ' ان کا پیمانہ یہ تھا :-

۴ کوڑی کا ایک گنڈا
۲ گنڈوں کی ایک ادھی
۲ آدھی کی ایک دمڑی
۲ دمڑی کا ایک دھیلا
۲ دھیلوں کا ایک پیسہ

(مترجم)

معلوم نہیں ہوا کہ کون سی چیز بکتی ہے، یعنی کس چیز کا یہ بھاؤ پکارا جا رہا ہے، ابہام دور نہیں ہوتا جب تک کہ 'گاجریں' یا 'شاہ مرداں کی لاڑیاں' نہ کہا جائے - اس لیے بیچنے والے کو چاہئے کہ دو دفعہ تو مبہم آواز لگائے اور ایک دفعہ تمیز کے استعمال کے ساتھ، یعنی یہ پکارے :- لیجا چار کوڑی پوسیرا شاہ مرداں کی لالڑیاں، یا 'گاجریں ہیں ادھی کی پاؤ سیر'، اسی طرح یہ پکارھے 'کوڑی کوڑی لیجا' یعنی کھٹے کی پھانک - دمڑی کے دو لیجا' یعنی تربوز کے دو ٹکڑے - اور 'لیجالب دریاؤ کی' (یعنی ککڑیاں) 'لب دریاؤ کی' اشباع اضافت دریا کے 'واؤ' کے بعد غلط ہے' اور 'لب' کی 'ب' کو اتنا لمبا کسرۂ اضافت دیتے ہیں کہ پورا 'لبے' بن جاتا ہے - اور کوڑی کوڑی کنگن منگن' اس میں ممیز 'کوڑی کوڑی' ہے - اور دھیلے دھیلے لگا دیا ہے' یعنی اروی کا ڈھیر - ادھیلے ادھیلے کہنا غلط اور دھیلے دھیلے صحیح ہے' اگرچہ شرفا آدھے پیسے کو ادھیلا کہتے ہیں لیکن سودا بیچنے والوں کی زبان سے یہی بھلا معلوم ہوتا ہے —

--- * ---

گیارھویں فصل

مستثنیٰ

مستثنیٰ متصل بھی ہوتا ہے اور منقطع بھی - متصل مستثنیٰ مِنہ میں داخل ہوتا ہے اور منقطع نہیں ہوتا - مستثنیٰ کے معنی ھے جو کسی چیز سے جدا ہوا ہو' پس جو چیز جدا ہوئی ہو وہ 'مستثنیٰ' ہے اور جو اس کو اُس سے جدا کرے وہ 'مستثنیٰ منہ' ہے - مثال' ساری برادری کے لوگ ھمارے گھر آے الا (یا مگر) حیدر علی —

استثنا کے الفاظ اردو میں یہ ھیں :- الا' مگر' سواے' غیراز' بجز' وراے' نہیں تو - مثال' ساری برادری کے لوگ ھمارے گھر آے سواے مرزا مغل' یا غیرازمرزا مغل' یا بجز مرزا جعفر' یا وراے مرزا عبداللہ' یا نہیں تو مرزا ھادی [آج کل کہیں گے ' نہیں آیا تو مرزا ھادی] - منقطع کی مثال' ساری برادری ھمارے گھر آئی الاموتی کتا' ظاھر ہے کہ کتا برادری میں داخل نہیں ہو سکتا' کہنے والے کی غرض یہ ہے کہ جتنی برادری تھی سب کی سب آئی -

---

بارھویں فصل

منادیٰ

حروف ندا یہ ھیں :- او' ارے' اری' ابے' ابے'

ھوت' اجی' اوجی' اے' اورے' اوری (مونث کے لئے یاء معروف کے ساتھہ)- [اورے = او + رے]-

'اجی' معرفہ کے لئے آتا ھے- مثال 'اجی مرزا محمد علی' اجی بی بندو- باقی سب نکرہ کے لئے یا غیر معلوم معرفہ کے لئے- معرفہ غیر معلوم سے میری مراد یہ ھے کہ کسی شخص کو ایک صفت سے متصف کرنا یا کسی شخص کو دوسروں کا ایک قرار دیے ھوے نشان سے ممتاز کرنا- مثال نکرہ' او بھیا' او میاں' ارے آدمی' اری لڑکی' اورے چھوکرے' اے لڑکے ھوت' اوجی میاں' اوبے لونڈے' یہ مذکر کے لئے- اورنڈي' اری رنڈی' اوری رنڈی' اے رنڈی' اجی بی صاحب' مونث کے لئے —

منادی کی تحقیر اور اس کے ذلیل کرنے کے وقت یا اس کی قدر گھٹانے کے لئے حروف مذکورہ معرفہ کے ساتھہ بھی استعمال کرتے ھیں' جیسے' او رالے بیل' اری رالے بیل' رالے بیل ھوت' یا' اوجی بی مکھو (واؤ مجہول)' اے چنبیلی' اوری یاسمن' مونث کے لئے- اسی طرح مذکر کے لئے :- اومترو ا' اورے کلوا' ابے ٹھکھو [واؤ معروف]' اوبے شمشیر قلی ھوت' اوجی میاں نورا' اے نورا' اورے بختیار- مثال معرفہ غیر معلوم:- او جانے والے' او لال پگڑی والے' ارے انا کے

لڑکے، ککڑیوں والے ہوت، انا جی ہوت، اجی سرخ دوپٹے والے ذرا ادھر تو دیکھو۔ جانے والے، میں اسم فاعل نے، اور لال پگڑی والے ہوت، میں لال پگڑی نے، اور 'ککڑی والے' میں ککڑی نے نکرہ کو علم کے مرتبہ پر پہنچا دیا - اسی طرح انا جی نے اور سرخ دوپٹہ نے کام دیا ھے کیونکہ لقب، صفت، پھبتی، حاصل تحقیر اور ترخیم بھی بمنزلہ علم ھیں، بیشک شخص متعلق کو دوسروں سے ممتاز کردیتے ھیں، مثال :- میاں بھچو، میاں کلو، میاں متر و، میاں فجو، میاں کھو، میاں جھبو، میاں نتھو، میاں چھجو، میاں سمو، میاں شمو، میاں کبو، میاں گبو، میاں سلو، میاں شبن، میاں بھیکھا، میاں چھتو، میاں متھو وغیرہ، ان کے اعلام کچھہ اور ھیں لیکن ان القاب سے مشہور ھیں —

شاعروں کے تخلص بھی اسی ذیل میں آتے ھیں، ایسے تھوڑے شاعر ھوں گے جو اپنے تخلص کے سوا نام سے مشہور ھوں —

بعضوں کے نزدیک بھجو، متر و، چھبو، چھتو، متھو، القاب میں داخل ھیں، باقی سب ترخیم سے بنتے ھیں - اور کہا جاتا ھے کہ کلو کی اصل کالے خان، کلب علی خاں یا میر کلاں یا کچھہ اور ھے - اور بعضوں کی راے میں

کالے رنگ کی وجہ سے بچپن میں یہ نام پڑ جاتا ہے اور اکثر تحقیق ہوا ہے کہ میر کلو، مرزا کلو، شیخ کلو اور کلو خاں اصل میں میر زین العابدین، مرزا عنایت اللہ، شیخ احمد علی، شہاب الدین اور محمد خاں تھے - اس صورت میں ترخیم کی گنجایش نہیں رہتی، یعنی ان کے رنگ کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا - اور اسی طرح فجو کی اصل فضل علی خاں اور فیض علی ہے، لیکن بعض اسے نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ کبھی میر فجو کی اصل میر غلام حیدر بھی ثابت ہوتی ہے - کمو کی اصل کمال الدین، کرم علی اور قمر الدین ہے، بعضے کہتے ہیں کہ کمو لقب مراد علی کا بھی ہے - نتھو کی اصل نتھے خاں بتائی جاتی ہے - بعضے یہ کہتے ہیں کہ لڑکوں کی ناک میں جو بالی پہناتے ہیں اس سے یہ لقب پیدا ہوا - اور سمو کی اصل سلام اللہ، عبدالصمد، صمصام قلی اور سلیمان بیگ ہے، جب کہ بعضے اس کو واجب نہیں قرار دیتے بلکہ مرزا لطف علی بیگ کا لقب سمو قیاس سے بعید نہیں - اور شمو کی اصل شاہم قلی بیگ یا شمس الدین بتاتے ہیں، اور بعضے میر مرتضیٰ کو میر شمو کہہ کر پکارتے ہیں اور گبھو کی اصل گلاب خاں اور کبو کی کلب علی خاں خیال کرتے ہیں - بعضے میر علیم الدین اور میر عتیق اللہ

کو گبو اور کبو سمجھتے ہیں - اور سلو کی اصل سلام اللہ اور سلیم بیگ اور سلامت علی اور سالم علی بتاتے ہیں - بعضے شیخ محمد حیات وغیرہ نام لیتے ہیں - شبن کی اصل شہاب الدین اور شب براتی ثابت کی جاتی ہے - اور بعضے میر مظفر کو میر شبن سے ملقب کرتے ہیں - بھیکھا کی اصل بھیکن خاں اور بعضے اسے درازی عمر کے لئے قطب الدین خاں کا لقب قرار دیتے ہیں - حسو کی اصل حسن علی بتاتے ہیں ' اور بعضے یہ لقب اس کا اس لئے دیتے ہیں بچپن میں بہت ہنسنے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں - 'صاد' اور 'سین' حاء حطی اور ہاء ہوز کی حقیقت بعض مقامات میں اہل اردو کے نزدیک ایک ہی ہے لیکن ریختہ کے شاعر قافیہ کی رعایت سے اس کی تحقیق کو نظر میں رکھتے ہیں —

اور روشن الدولہ کو 'روشن دولا' اور کمال خان کو 'کملو' اور کرم علی کو 'کرمو' اور کلب علی کو 'کلبو' اور فضل علی کو 'فضلو' اور فیض علی کو فیضو' اور قادر بخش کو 'قدرو' کہنا ترخیم [لغوی معنی کلمہ کا آخری حرف گرا دینا ' مجازی ' کلمہ کا اختصار] کی رو سے قطعاً درست ہے —

اور نان بائی ' عطار ' گندھی ' کونجڑا [اب دہلی

میں واؤ کے بغیر بولتے ہیں] ' بساطی ، حلوائی ' حکاک ، تنبولی 'دھوبی اور قصائی وغیرہ جیسے او میاں نان بائی اور او کونجڑے ' یہ سب صفات میں داخل ہیں - اور گھوڑ منہا ، اونٹ ' گدھا ' گینڈا ' ارنا ' ہرن ' خانم صاحب ' کتا ' کپا ' لکڑی ' بڑ منہا ' پکھاوج وغیرہ جیسے :—
اوگھوڑ منہے ' اوگدھے ' او اُونٹ ' او بڑ منہے - یہ سب پھبتیاں ہیں —

تحقیر مذکر میں اکثر 'الف ' سے کم ' ی ' سے ' اور مونث میں اکثر ' ی ' سے اور کم ' الف ' سے پیدا کی جاتی ہے ' مثال ' نورا ' بھیکھا ' جھبا ' رجبی ' قطبی مذکر میں اور رحمانی ' رجبی ' قطبی ' سبحانی ' حفیظا ' پریا ' متھیا ' مدھیا ' ملدھیا ' سدھیا مونث میں - بعضے رحمانی ' رجبی ' قطبی ' سبحانی (مونث) میں تحقیر کے قایل نہیں اور کہتے ہیں کہ رجبی بیگم میں کسی احتمال کا دخل نہیں - اور ایسا ہی حال دوسرے لفظوں کا ہے یعنی رجبی رجب النسا سے نہیں بنا مگر قطبی قطب النسا سے تاویل کیا جا سکتا ہے — رحمانی کو رحمان بخش سے تاویل کرنے میں تکلف ہے - حفیظا کی اصل حفیظہ بتائی جاتی ہے ' کیونکہ ہندی میں آخر کلمہ کی ' ہ ' (ہاء) کو الف سے تبدیل

کرنا تحقیر کا موجب نہیں ۔ 'پریا' پیر بخش کی تحقیر ہے ' اور متھیا کو متھو کا ' مدھیا کو مادھو کا ' منڈیا کو مینڈو کا اور سڈھیا کو سیڈھو کا محقر کہنا صحیح ہے ۔ اور اس محقر میں ' یاء ' سے تحقیر کو معتبر جانتے ہیں ورنہ گلو اور گلا محقر استعمال ہوتے نہ کہ گلیا ' اور سیڈھو سے سیڈھا بلنا نہ کہ سڈھیا ' شاید اہل تحقیق کے نزدیک سڈھیا کی اصل سیڈھی ہے اور منڈیا کی اصل مینڈی ہے اور اس کے آخر ' الف ' فصاحت کے لئے زیادہ کر دیا ۔ اور گلو (واؤ معروف) کی ترخیم گل محمد سے پائی جاتی ہے اور لقب کلو اور کلوا رنگ کے اعتبار سے سمجھنا بہتر ہے ۔

منادیٰ کی علامت کبھی محذوف بھی ہوتی ہے جیسے مرزا محمد علی ادھر آو ' دائی خیرن بات سنو ۔

' لقب ' ' ترخیم ' اور ' علم ' شاہ جہان آباد میں ہر فرقہ سے جداگانہ مخصوص ہیں ' لیکن فتجو ' بھجو ' کبو ' میاں جان ' جھبو ' شبن ' ابو ' مچھو ' لبو ' منو ' مدرو ' قدرو ' عظمو ' عصمو ' نصرو ' کھو ' حفظو ' کلو ' اچھن ' یہ بیشتر کشمیری بچوں کے لقب اور ترخیم ہیں ۔ لیکن اچھن بھچو ' جھبو ' کلو ' حفظو شاید غیر کشمیری بچوں کے بھی نام ہیں ۔ مگر زندو ' جیون ' سوندھا ' کلو ' بھاگو '

چھنگا ، للو ، دوستی ، کرمو ، رحمو ، دھنو ، سمو ، شمو ، پدو ، چنو ، دھنا ، شکرو ، سوندھی ، گاماں ، جھنڈو ، بھلا ، صلا ، لدھا ، ملکو ، جملو ، حبا ، بولا ، کھما ، ھیلگا ، بھلو ، رانجھا ، شبو ، صوبا وغیرہ اکثر لقب اور ترخیم پنجابیوں کی اولاد کی ھے - ان القاب اور ترخیم میں جیون ، کلو ، حفظو ، بولا ، جملو ، گاماں ، شکرو ، دھنا ، دوسری جگہ بھی ملتے ھیں - اور سمو اور چدو اور جس جگہ ھیں پنجابیوں کی نقل ھیں کیونکہ باگڑی بچوں کا لقب بھی سمو سنا جاتا ھے —

اور چھدئی ، منذئی ، بچئی ، بھکھئی ، قدرت ، نصرت ، اطہر ، اظہر ، برکت ، مہدن ، وصفن ، مکرما مکا ، الفت ، بھگن ، چھگن وغیرہ پوربیوں کی اولاد کے لقب اور ترخیم ھیں —

چلو ، ننھو ، نتھو ، مکھو ، گلو ، کمو ، فضلو ، فیضو ، فخرو ، الفو ، عزو ، حسو ، حسنو ، جما ، خیرو ، خیرا ، چھبا ، بندو ، کلو (واؤ معروف) ، تنو ، چھنگا ، جیون ، شب براتی ، منگلی ، عیدو ، رمضو ، سدو ، نجو ، پدو ، بھچو ، جھمو ، پیازو ، نوراً ، فتو وغیرہ اردو دانوں کے فرزندوں کے لقب اور ترخیم ھیں - ان میں فخرو ، فضلو ، بھچو ، جھبو ، مکھو ، اور جھمو مشترک ھیں باقی دھلویوں سے

مخصوص ھیں - یہ اور بات ھے کہ دوسرے لوگ اپنی اولاد کو دلی والوں کے مخصوص لقبوں سے پکاریں —

پنجابیوں کے لڑکوں کے اعلام [نام] یہ ھیں :- نور محمد، عبد الحفیظ، محمد اعظم، محمد حنیف، عصمت اللہ، نعمت اللہ، فیض اللہ، عبد الحق، عبد الکریم، محمد جمال۔ اور کبھی پیر محمد، نور العین، امانت اللہ، قل احمد، عبد الحکیم، عبد الصمد، عبد الاحد، عبد القادر، محمد غوث، غلام محی الدین، نیاز محی الدین، قل محمد، نظر محمد، محمد مظہر، عبد القدوس، یونس محمد، محمد افضل - اھل پنجاب کے بعض ناموں میں پورب والوں کے ناموں کا شمول اور عکس بھی پایا جاتا ھے —

اھل پورب کے لڑکوں کے نام :- غلام قطب الدین، علم الہدیٰ، نور البقا، نجدت ارتقا، شیخ مزمل، الم ترکیف، میر طہٰ، شیخ یسین، غلام فاروق، کرم صفی، غلام سادات، عبد الجامع، عبد الواسع، غلام ولایت، وصف اللہ، من اللہ، میر کرم قلی، امانت حسین، برکات اللہ، ابن علی، کرم الرحمن، حمید اشرف، مرید اشرف، شمیم اللہ، صبغت اللہ، واحد علی، ورد علی، غلام مخدوم، غلام زکریا، غلام عثمان، مولا بخش، پیر بخش —

اھل توران کے مخصوص اعلام :—

یارانی بیگ ، هانی بیگ ، جانی بیگ ، نوری بیگ تلنگری قلی بیگ ، خواجه خوانم قل ، خواجه غلام نقشبند، میدقا بیگ نیاز ، خواجه نثار ، خواجه نقشبند تلنگری وردی بیگ ، میر چالش ، خواجه فضایل ، میر بلاق لالا بیگ ، توتا بیگ ، پیرا بیگ ، بچاق بیگ ، توخمش خاں ، اشکر بیگ ، تراب بیگ ، ابدال بیگ ، میر بدل، میر ساقی ، اغر بیگ ، چاغر بیگ ، قرا خاں - ان ناموں میں سے ایک دو نام اور فرقوں میں بھی سنے جاتے هیں - یه ان کی تقلید میں هونگے یا اصل مسمی اسی جماعت سے هوگا - اور ان صاحبوں کے هاں بڑے بھائی کو 'آکا ' اور بزرگ کو 'ایشان ' ولی کو 'حضرت ایشان ' کہتے هیں اور عالی قدر مخاطب کو حضرت سے خطاب کرتے هیں، اور هر بات کے شروع میں تقصیر کا لفظ زبان پر لاتے هیں جیسا که سرنگ پٹن اور مدراج (مدراس) میں کرتے هیں -

اعلام جو اهل ایران سے مخصوص هیں :—

جعفر قلی بیگ ، رضا قلی بیگ ، حسن قلی بیگ ، زین العابدین بیگ ، عسکری بیگ ، مهدی قلی بیگ ، عباس قلی بیگ ، آغائی بیگ مرزائی بیگ ، مرزا محسن - ان ناموں میں سے مرزائی بیگ تورانیوں میں بھی پایا جاتا هے ،

اور چڈی بل [کشمیر میں؟] کے رہنے والے بھی اپنے لڑکوں کے یہ نام اکثر رکھتے ہیں اہل ایران کی طرف سے اجازت ہے۔

اعلام جو اولاد کشمیر سے مخصوص ہیں :—

محمد اکبر ' محمد آکرم ' محمد ضیا ' محمد کاظم محمد عابد ' محمد باقر ' محمد صادق ' محمد جعفر ' محمد عسکری ۔ ذیل کے نام مشترک ہیں :۔ محمد علی محمد حسین ' محمد حسن ' محمد رضا ' محمد تقی ' علی نقی ۔ اور کشمیری نام یہ ہیں ' محمد صابر ؛ محمد صبور ' عبدالشکور ' عبدالغفور ' ان کے ہاں اکثر اور دوسروں کے ہاں کم مستعمل ہیں۔ اور یہ نام ہیں :۔ 'محمد مقیم' محمد سخی اور فرقوں میں شاذ ملتے ہیں' سوائے محمد لیث اور محمد صبور کے ۔ اور دوسرے اعلام جن کے اول ' محمد ' آتا ہے اہل خطہ سے مخصوص ہیں۔ رواج تو ان کا اور جگہ بھی ہے لیکن نام کا اول جزو میرزا ' یا 'میر ' ہوتا ہے نہ کہ ' محمد ' جیسے مرزا کاظم مرزا جعفر ' مرزا علی اکبر ' آغا علی اکبر ' یہ نام ایران میں بہت ملتے ہیں لیکن؟ محمد اکبر حضرت کشمیر سے خصوصیت رکھتا ہے —

تیرھویں فصل

بدل مبدل منہ

ایک اسم دوسرے اسم کے تابع اور متبوع کے بعد

مذکور ہوتا ہے، ان میں سے ایک علم شخص ہوتا ہے جو اوصاف کے بعد مذکور ہوتا ہے - ان اوصاف کو مبدل منہ کہتے اور علم کو بدل - مثال، آج ہمارے گھر داناؤں کا تاج اور فصیحوں کا سر آمد میر محمد علی آویگا - 'داناؤں کا تاج سر' صفت اول، فصیحوں کا سر آمد صفت دوم، یہ دونوں مبدل منہ ہوے، میر محمد علی علم اور بدل ہوا —

— * —

چودھویں فصل

صفت موصوف

صفت امور ذیل میں موصوف کے تابع ہوتی ہے- تعدد، جنس، فاعلیت و مفعولیت، اور حروف مغیرہ کے اثر میں - مثال، بری رنڈی، برا مرد، بری رنڈیوں نے بڑی دھوم مچائی ہے، برے آدمیوں نے شہر گھیر لیا ہے، بری رنڈیوں کو شہر سے نکال دو، برے آدمیوں سے ڈریے، بری رنڈیوں سے ڈریے، برے آدمی سے ڈریے، بری رنڈی سے ڈریے —

کسرۂ اضافت کا جواز اور عدم جواز | موصوف کے آخر کا کسرۂ اضافت ھندی میں جایز نہیں، وہ فارسی سے خصوصیت رکھتا ہے - 'اوسِ بسیار'، پھولِ خوب' کہنا غلط ہے-

لیکن کسرۂ اضافت ایسے لفظ کے آخر استعمال کرسکتے ہیں جس کے لئے فارسی میں کوئی لفظ نہ ہو۔ مثل 'پھلکاریِ نادر'، 'چھینٹِ بوتہ دار' ایسا لفظ عطف اور اضافت دونوں میں فارسی کا حکم رکھتا ہے۔

تکرار تاکید کے لئے

تاکید کے لئے کبھی ایک لفظ کبھی دو لفظ کو مکرر لاتے ہیں اور کبھی اسم کبھی فعل کو، مثال' کون آیا ؟ جواب ' 'زید زید- مثال' زید کیا آیا؟ جواب' 'آیا آیا' یا 'سرور کی حالت میں آیا' یا' 'زید آیا زید'—

'بہت سی' وغیرہ

'بہت سی' اور 'بہت سیاں' مونث میں' 'بہت سا' 'بہت سے' مذکر میں' 'اکٹھا' 'اکٹھے' (یاء مجہول) مذکر میں اور 'اکٹھی' 'اکٹھیاں' مونث میں بھی تکرار کا حکم رکھتے ہیں اور 'سارا' 'سارے' 'ساری' 'ساریاں' بھی اسی قبیل سے ہیں۔ مثال' نورن خفا ہوئی بہت سی' امیر بخش اور ظہورن اور حسینی آج ہم سے خفا ہوئیں بہت سی۔ 'بہت سیاں' بھی صحیح ہے لیکن بعضے فصحا کے نزدیک مفرد اور جمع دونوں میں ایک ہی لفظ 'بہت سی' لانا چاہئے' جیسے: آج ہم سے 'بہت سی' رنڈیاں خفا ہوگئیں- لیکن مذکر و جمع میں الگ الگ

آتے ہیں- مثال' آج فلانا ہم سے 'بہت سا' خفا ہوا، عمرو اور زید اور بکر آج ہم سے 'بہت سے' خفا ہوے- 'اکٹھا' اور 'اکٹھے' [یاء مجہول) جمع مذکر کے لئے دونوں کا استعمال درست ہے، لیکن 'اکٹھے' زیادہ فصیح ہے- 'اکٹھی' (یاء معروف) جمع مؤنث کے لئے اور نیز 'اکٹھیاں' درست ہے لیکن اول لفظ زیادہ فصیح ہے- مثالیں' کئی اکٹھے ہوے' یہ فصیح ہے- کئی مرد اکٹھا ہوے- یہ صحیح ہے مگر فصیح نہیں- کئی رنڈیاں اکٹھی ہوئیں، فصیح- کئی رنڈیاں اکٹھیاں ہوئیں یا' کئی رنڈیاں اکٹھا ہوئیں' یہ دونوں غیر فصیح —

بعضے مفرد کے لئے بھی 'اکٹھا' اور 'اکٹھی' تجویز کرتے ہیں' اور اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ عبارت پیش کرتے ہیں- زید چوتوں کے ساتھہ اکٹھا ہوگیا' ھندہ سینگی والیوں کے ساتھہ اکٹھی ہوگئی- لیکن یہ عبارتیں فصحا کی زبان نہیں- اور' زید پانی سے تر ہوگیا سارا' عمرو تالاب میں ڈوب گیا سارا' لوگ دریا میں ڈوب گئے سارے- لیکن 'دریا' کو اردو میں اکثر 'دریاؤ' بولتے ہیں اگرچہ بغیر 'واؤ' کے بھی بعضوں کی زبان سے سننے میں آتا ہے- اور ھندہ پانی سے تر ہوگئی ساری' یا ھندہ دریا میں ڈوب گئی ساری'' یا'

رنڈیاں دریاؤ میں ڈوب گئیں ساری (یا ساریاں) '
'ساری' فصیح ہے —

*

پندرھویں فصل
عطف

'عطف' کی علامت 'اور' (بر وزن غور) ہے - بعض موقعوں پر 'واؤ' 'الف' میں غایب ہو جاتا ہے اور الف کا فتحہ قایم رہتا ہے اور اس حرف کا اردو کے داخل نہ کرنا اصالت کا ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہے' اس لئے کہ بعض اوقات ہی اس کا استعمال معتبر نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ' بخلاف گھر و بھر' بندرابن و پنڈول وغیرہ کے جو ہر موقع پر دو حرفوں کے ساتھہ بمنزلہ ایک حرف کے استعمال ہوتے ہیں- مثال زید آیا اور عمرو' یعنی دونوں آے - 'زید آیا اور عمرو آیا' بھی صحیح ہے - اور اگر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فعل یا اسم فاعل یا ایسے اور کلمے فاصلہ ڈال دیں تو فعل میں جمع کے صیغے کا استعمال ضروری ہے - مثال' زید اور عمرو آے اور نورن اور ظہورن آئیں (یا آئیاں)' اور زید آیا اور عمرو' عمرو معطوف ہے اور زید معطوف علیہ' یہ مثال فاعل کی ہے - مثال مفعول' زید و عمرو

کو دس اشرفیاں دو' یا زید اور عمرو کو دس اشرفیاں
ور دس روپئے دو- زید اور عمرو مفعول اول اور دس اشرفیاں اور
دس روپئے مفعول دوم اور معطوف و معطوف علیہ میں فعل کا
فاعل معطوف کا تابع ہوتا ہے- جیسے زید کے دس روپئے
ور پانچ اشرفیاں جاتی رہیں' یا' پانچ اشرفیاں اور
دس روپے جاتے رہے- اور پانچ عورتیں اور چار مرد آے'
یا' چار مرد اور پانچ عورتیں آئیں- مثال حرف کی'
یہاں معطوف کے علاوہ معطوف علیہ کی بھی جمع آتی
ہے' جیسے تین رنڈیاں اور دو ڈومنیوں کا آج مجرا
ہوا' اور یہی قاعدہ مفعول میں بھی جاری ہے' مثال'
تین رنڈیاں اور دو ڈومنیوں کو آج زید نے اشرفیاں
دیں- اور بعضوں کے نزدیک موافقت لازمی ہے*
جیسے تین رنڈیوں اور دو ڈومنیوں کا آج مجرا
ہوا- لیکن عدم موافقت زیادہ فصیح ہے- مثال مفعول:-
تین رنڈیوں اور چار ڈومنیوں کو آج دیکھا' یہ پہلی
مثال سے بہتر ہے- اور معطوف علیہ میں صیغۂ جمع کا ذکر
نہ کرنا بھی جایز ہے' مثال' تین دھوبن اور چار مالنوں
کو تنخواہ دی- یا' دو مزدور اور چار معماروں سے آج

---

* آج کل یہی کلیۂ قاعدہ ہے' اس ذکر میں حرف سے مراد
حرف مغیرہ ہے- (مترجم)

کام لیا - باقی قاعدے فاعل، مذکر و مونث، مفعول علامت کے ساتھہ اور اس کے بغیر اسی پر قیاس کیے جائیں —

تنبیہ :- دو ھندی لفظوں میں یا ایک ھندی اور ایک فارسی کے درمیان واؤ عاطفہ کا لانا اچھا نہیں، جیسے یہ کہنا، جھاڑو و توکرا، یا، جاروب و توکرا —

— * —

سولھویں فصل
عطف بیان

ایک چیز کے علم کو جو کسی چیز کے بعد آئے جو علم کی مانند کنیت وغیرہ کی قسم سے ھو عطف بیان کہتے ھیں - مثال، ابوالحسن، ابوالقاسم محمد عربی میں، پدر میرزا محسن فارسی میں اور میلتو کا باپ نور خاں ھندی میں —

عطف بیان اور بدل کا فرق

عطف بیان اور بدل میں بہت نازک فرق ھے کیونکہ دونوں ایک جیسے معلوم ھوتے ھیں۔ مثلاً، میں رستم کی ناک مروڑنے والا حسن بیگ ھوں، یا، میں حسن بیگ کا بیٹا محمد بیگ ھوں، یہ تو ھوا عطف بیان - اور، زید بھائی تیرا آیا، یا، بھائی تیرا زید آیا، اور، تیرے بھائی زید نے عمرو کو مارا، یہ بدل ھے - ان عبارتوں میں غور کے بعد جاننا چاھئے

کہ فرق کیا ہے - راقم کے گمان میں فرق یہ ہے کہ عطف بیان میں علمیت کی قید لازمی ہوتی ہے جیسے ابوالحسن علی' اور بدل میں ایسا نہیں ہوتا - کیونکہ تیرا بھائی زید آیا' اور' زید بھائی تیرا آیا' دونوں برابر ہیں- اول جملہ میں زید بدل ہے اور' تیرا بھائی' مبدل منہ' دوسرے جملہ میں زید مبدل منہ ہے اور' بھائی تیرا' بدل - لیکن اس قدر فرق طلبہ کی تشفی کا موجب نہیں ہو سکتا' کیونکہ اس عبارت میں' میں رستم کی ناک مروڑنے والا حسن بیگ ہوں' حسن بیگ کو کہ عطف بیان آکے پڑا ہے بدل بھی کہہ سکتے ہیں

— * —

سترھویں فصل

تمیز

تمیز کی علامتیں یہ ہیں' کتنا' کتنے' کے' کتی' عدد' اور کتنی (یاء معروف) مفرد مونث کے لیے اور جمع مونث کے لیے کتنیاں اور مفرد مونث کی جمع - کتنا ! کثرت' بڑائی چھٹائی [یا قلت و کثرت] وزن اور کمی کے لیے سوال کی طور پر آتا ہے - مثال' یہ ڈھیر کتنا ہے' یہ ٹکڑا کتنا ہے- اور کبھی سوال پر متضمن نہیں ہوتا - مثال' تو بھی کتنا بےحیا ہے - کتنے (یاء مجہول) عدد دریافت

کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے، کتنے آدمی تمھارے ساتھ گئے تھے - کبھی ایسا نہیں ہوتا، جیسے، تم لوگ بھی کتنے بے مروت ہو - ایک آدمی کے لیے بھی تعظیماً آتا ہے - اور کے (ک مفتوح) ہمیشہ سوال ہی میں آتا ہے، مثال، کے آدمی تمھارے ساتھ گئے تھے - کئی ہمیشہ سوال کی قید سے بری ہے، مثال، کئی آدمی ان کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں —

واحد کے عدد [یعنی جب ایک متنفس سے مراد ہو] مذکر اور مونث کی تمیز نہیں، جیسے، ایک عورت، ایک مرد - ایک سے زاید کی صورت میں عورت کے لیے جمع کا صیغہ درکار ہے اور مرد کے لیے مفرد کا - مثال، دو عورتیں، دو مرد، تین رنڈیاں اور تین مرد —

اور بعضے جو یہ کہتے ہیں کہ مرد فارسی لفظ ہے اور ان لفظوں میں سے ہے جن کے مفرد اور جمع یکساں حیثیت رکھتے ہیں مثلاً لڈو، ہاتھی، انار، سیب، اس صورت میں مرد اور عورت میں وہی فرق باقی رہتا ہے، ورنہ چاہیئے کہ لفظ جو عورت کے معنی میں مفرد کے سوا ہو اس کی جمع استعمال ہو اور جو مرد کے معنی دے اس کی نہیں لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ مردوا بھی مرد کے معنی رکھتا ہے [یعنی مذکر ہے]، دو مردوا، تین

مردوا کہنا صحیح نہیں بلکہ دو مردوے اور تین مردوے کہنا صحیح ھے - معترض کا کمزور جواب یہ ھے کہ لفظ سے مراد وہ لفظ ھے جو فصیح مردوں میں رائج ھو نہ وہ جو عورتوں کے استعمال سے مخصوص ھو - پس اُس قاعدے کے موافق جس کا ذکر اُوپر آیا مردوں کی زبان میں عورت کے لئے ھندی میں یہ لفظ ھیں :- رنڈی، عورت، کسبی، خانگی، کنچنی، دومنی، رام جنی، نیک بخت وغیرہ، اور مرد کے معنی میں :- مرد، آدمی، اور شخص ---

حصر | ایک کے سوا اور اعداد کے آخر 'واؤ' اور 'نون غنہ' حصر کے لیے آتا ھے، جیسے 'تینوں روپے زید کو دیے' چاروں تربوز عمرو نے کھائے - صدھا اور ھزارھا میں 'واو' اور 'نون' عدد کی کثرت پر دلالت کرتا ھے، جیسے 'سیکڑوں اشرفیاں عمرو کو بخشیں' ھزاروں روپے زید سے لیے - لاکھ اور کروڑ بھی سو اور ھزار کی طرح مسلوک ھوتے ھیں ---

--- * ---

اٹھارھویں فصل

معرب *

معرب اس لفظ کو کہتے ھیں جس کے آخر میں کسی

* معرب کے معنی ھیں اعراب دیا ھوا یعنی زیر، زبر، پیش دیا ھوا، یہاں اس سے مراد ھے جس میں اعراب کا تغیر کسی نحوی سبب سے واقع ھو یا کسی حرف کی ایزادی کی وجہ سے - (مترجم)

وجہ سے تغیر واقع ہو، جیسے (۱) بہ جنس و حرکت چیزوں کی جمع میں جب آخر میں الف ہو اور فاعل، مفعول، اضافت یا تعلق کی حالت ہو، یا (۲) بہ جنس و حرکت مفرد چیزوں میں فاعل، مفعول، مضاف، اور حرف سے متعلق ہونے کی صورت میں اس صورت میں کہ فعل متعدی ہو اور جمع مذکور ہو، اور (۳) جمع میں مبتدا ہونے کے وقت بھی یہی قاعدہ عاید ہوگا۔ مثالیں، پیڑا، جب اس کی جمع کو فاعل استعمال کریں تو الف کو یاے مجہول سے بدلیں گے۔ جیسے پانچ پیڑے میرے ہاتھ سے گرے۔ اور اگر مفعول استعمال ہو مع علامت مفعول کے تو مفرد "کے" کو جمع میں 'واؤ' اور 'نون' سے بدلیں گے' جیسے، آج سات پیڑوں کو میں نے کھایا۔ جب مفعول کی علامت استعمال نہ ہو تو وہی 'الف' کو یاء مجہول بدلنا کافی ہوگا، جیسے، چار پیڑے آج میں نے کھاے۔ اضافت اور حروف [حروف سے مراد حروف مغیرہ ہے جنھیں حروف معنوی بھی کہتے ہیں] کے ساتھ تعلق ہونے کی صورت میں بھی 'الف' کی جگہ واؤ اور نون لانا صحیح ہوگا ورنہ غلط۔ مثال پیڑوں کا مزا کچھ اور ہے، پیڑوں سے ہرگز جلیبیاں بہتر نہیں۔ مبتدا کی مثال' دو پیڑے ٹوکری میں اور ہیں، تین پیڑے ٹوکری میں

اور باقی ہیں —

مفرد کی مثال | جب وہ فعل متعدی کا فاعل ہو اور اس کے ساتھہ ہی علامت تعدیہ (نے) فاصلہ کے بغیر مذکور ہو تو 'الف' کو 'ی' سے بدلیں گے، جیسے، ایک پیڑے نے میرا معدہ خراب کیا۔ اور فعل لازم کی صورت میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، جیسے، ایک پیڑا توکری سے گر پڑا۔ مفعول کی حالت میں بھی الف کو یاء مجہول سے بدلتے ہیں، جیسے، ایک پیڑے کو میں نہیں کھاتا چار پانچ ہوں تو کھاوں۔ اگر علامت مفعول مذکور نہ ہو تو الف قایم رهے گا، مثال، ایک پیڑا میں نہیں کھاتا —

مضاف کی مثال۔ ایک پیڑے کا ٹکڑا میں نہیں کھاتا۔ مثال حرف سے متعلق کی، ایک پیڑے سے اپنا پیٹ کب بھرتا ہے —

جمع کا 'الف اور نون غنہ' اور 'یاء اور نون غنہ' فاعل یا مبتدا ہونے کی حالت میں فاعل یا مبتدا ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے، گاجریں چلیں، گاجریں توکری میں ہیں، مُولیاں بازار میں آئیں، مولیاں کڑوی ہیں —

مفعول، مضاف اور حرف سے متعلق ہونے کی صورت میں 'الف'، 'نون' اور 'یاء' 'نون' اور علامت مفعول

کے ساتھہ ' واؤ ' ' نون ' مستعمل ہوتا ہے ' جیسے ' گاجروں کو مول لو ' مولیوں کو بیچ ڈالو - بغیر علامت کے اپنی حالت پر قایم رہے گا ' جیسے ' گاجریں مول لاؤ ' مولیاں بیچ ڈالو —

دوسری صورت میں ہمیشہ ' واؤ ' ' نون ' مذکور ہوگا - مثال ' گاجروں کا مول ' مولیوں کا مزا ' گاجروں سے پیٹ دکھتا ہے ' مولیوں سے طبیعت سیر ہوگئی —

مضاف بھی مفرد چیز کی طرح بیحس و حرکت ہوتا ہے ' مثال ' زید کا بیٹا گھوڑے سے گر پڑا - یہ فعل لازم تھا اس لئے تغیر کا عمل نہ ہوا ' فعل متعدی کی مثال زید کے بیٹے نے آج گھوڑا دوڑایا ' زید کے بیٹے نے عمرو کے بھانجے کو مار ڈالا ' زید کے بیٹے سے مجھے نفرت ہے - مفعول کی حالت میں جب کہ علامت مفعولی مذکور نہ ہو کوئی تغیر نہیں ہوتا ' جیسے - زید نے عمرو کا بیٹا مار ڈالا -

[بعد کے صرفیوں نے ان تفصیلوں کے بغیر جو اوپر درج ہوئیں ان تمام تغیرات کو حروف مغیرہ کے اثر اور نتیجے کے کلیہ کی ذیل میں لے لیا ہے ' حروف مغیرہ یہ ہیں :- میں ' سے ' کو ' تک ' تلک ' پر ' کا ' کی ' کے ' نے ' والا - مترجم] —

مبنی

مبنی وہ ہے جس میں ہرگز کوئی تغیر واقع نہ ہو جیسے فارسی میں مضاف الیہ کے مضاف کی

جگهه پر لانے کے وقت اضافت کا فک کسرہ اسی طرح اردو میں مثل، هندوستان کا والی، زید کا غلام، ان کا الٹ، غلام زید کا، والی هندوستان کا، ان فقروں میں 'غلام' یا 'والی' کے آخر کسرہ لگانا اس خیال سے که اصل غلام زید اور والئی هندوستان تها غلط هے —

صفت موصوف	صفت موصوف سے پہلے آتی هے، جیسے برا آدمی، بهلا آدمی - صفت کا الف،

مفعول اور جمع وغیرہ کی حالت میں یاء مجهول سے بدل جاتا هے، جیسے، برے آدمیوں سے خدا پناہ میں رکھے، برے آدمیوں کو خدا غارت کرے، برے آدمیوں نے گهر خراب کئے هیں، بروں سے ڈریے، برے سب زمانے میں کامیاب هوتے هیں - عدم تغیر سے هماری غرض صفت سے پہلے موصوف کا لانا هے —

وہ الفاظ جو جمع اور مفرد میں ایک هی هیں - جیسے، لڈو، کدو، شلغم، هاتهی وغیرہ —

اور وہ حاصل مصدر جو 'پن' سے بنایا جاے، جیسے شهدپن، لڑکپن، دیوانپن، بچپن که اصل میں شهداپن لڑکاپن، دیوانہ پن (یا دیوانا پن) اور بچه پن (یا بچا پن) تهے - یعنی لازم هے حروف محذوف کا ماقبل سکون پر مبنی هو —

اور مرکب اعلام یعنی نام جو کئی کلموں سے مرکب ہوں ان میں اول کلمہ کے آخر کا حرف ہمیشہ ساکن ہوگا، جیسے احمد علی، حیدر علی، محمد حسین، احمد حسین، محمد جعفر، مرتضی حسین - اسی طرح مبدل منہ کی صورت میں جیسے، مرزا کلو بیگ، میر منو، شیخ مکھو، وغیرہ، مرزا، میر اور شیخ اور اسی قسم کے اور کلمے جیسے امام جعفر صادق میں 'امام' اور شاہ کلو میں 'شاہ' بابا فغانی میں 'بابا' اور لالا بہاری میں 'لالا' مسر کرپارام میں 'مسر' پنڈت منسارام میں 'پنڈت' کاکا سندر داس میں 'کاکا' نواب نظام الملک میں نواب وغیرہ وغیرہ یہ سب 'سکون' پر مبنی ہیں - اس صورت میں خواجۂ نقشبند (مع ہمزۂ مکسور) اور شاہ کلو (مع کسرۂ ہاء) اور بابا ے فغانی (مع یاء مسکور) غلط ہے محض ہے - ایسا ہی حال باقی کے الفاظ کا ہے - مختصر یہ کہ نحویوں نے 'مبنی' کی آٹھ قسمیں قرار دی ہیں' ان میں سے ایک مرکب ہے جس کی مثالیں ابھی دی گئیں - [اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ علم یعنی نام میں کسرۂ اضافت متروک نہیں ممنوع ہے' حال کی قواعد کی کتابوں میں بھی یہ ممانعت قایم ہے] —

*

انیسویں فصل ' ضمیریں

اب ضمیروں کا ذکر کرتے ہیں ' یہ عربی میں بہتّر اور ہندی میں پینتیس ہیں —

ضمیروں کی تفصیل

پانچ منفصل فاعل کے لئے 'وہ' 'یا' 'وو' مفرد غایب مذکر و مونث کے لئے ' اور بعضوں کے نزدیک جمع کے لئے 'وے' (یاء مجہول) ' لیکن 'وے' کو فصحا استعمال نہیں کرتے اور اسے مکتب کے مُلّاؤں کی زبان سمجھتے ہیں - مذکر اور مونث مفرد حاضر کے لئے 'تو' فصیح ہے اور اردو متقدمین کی زبان میں 'تیں' ہے - اور تم مذکر و مونث جمع حاضر کے لئے - متکلم مفرد مذکر و مونث کے لئے 'میں' اور دونوں کی جمع میں 'ہم' —

مفعول کی منفصل ضمیریں

چھہ منفصل ضمیریں مفعول کے لئے ہیں (۱) مذکر و مونث واحد حاضر کے لئے ' جیسے ' تجھے میں ماروں گا (۲) مذکر و مونث جمع حاضر کے لئے ' جیسے ' تمھیں میں ماروں گا (۳) واحد متکلم مذکر و مونث کے لئے ' جیسے ' مجھے تو مارے گا (۴) جمع متکلم مذکر و مونث کے لئے ' جیسے ' ہمیں تو مارے گا (۵) واحد غایب مذکر و مونث کے لئے ' جیسے ' اُسے تو مارے گا (۶) جمع غایب مذکر و مونث

کے لیے ' جیسے ' انھیں تو مارے گا۔

فاعل کی متصل ضمیریں

چھہ متصل ضمیریں فاعل کی ھیں (۱) کیا 'اُس نے ' اور 'اُنّے ' اُنّے (نون مشدد) بھی صحیح ھے ' یہ مثال مفرد غایب کی ھے (۲) جمع غایب ' کیا انھوں نے (۳) واحد حاضر ' کیا تو نے (۴) جمع حاضر ' کیا تم نے (۵) واحد متکلم ' کیا میں نے (۶) جمع متکلم ' کیا ھم نے - ان ضمیروں میں تذکیر و تانیث کا امتیاز نہیں -

'میں نے کیا ' یا ' کیا میں نے ' کی جگہ ' میں کیا ' یا ' کیا میں ' [علامت فاعل کے اظہار کے بغیر] وغیرہ شہر کے غیر فصیحوں کی زبان ھے —

مفعول کی متصل ضمیریں

چھہ ضمیریں متصل مفعول کی ھیں ' اور یہ وھی منفصل ضمیریں ھیں جن کا ذکر آگے آیا ' اور ' مجھے ' کی جگہ ' مجھکو ' ' ھمیں ' کی جگہ ' ھم کو ' ' اسے ' کی جگہ ' اُس کو ' ' انھیں ' کی جگہ ' ان کو ' ' تجھے ' کی جگہ ' تجھکو ' ' ھمیں ' کی جگہ ' ھم کو ' بھی ٹھیک ھے - خوا یہ کہو ' مجھے مارا ' یا ' مجھکو مارا ' دونوں برابر ھیں —

حرف کے متعلق متصل ضمیریں

چھہ اور متصل ضمیریں حرف کے متعلق ھیں ' مثال مفرد غایب مذکر

و مونث ' ' اُس سے ' اور اُن کی جمع ' اُن سے '' - مفرد حاضر هر دو جنس ' ' تجھه سے ' اور اُن کی جمع ' تم سے ' - مفرد متکلم هر دو جنس ' ' مجھه سے ' اور جمع هم سے —

اضافت کی متصل ضمیریں

اضافت کے لئے بھی چھہ متصل ضمیریں هیں - مفرد متکلم دونوں جنس ' غلام میرا ' اس کی جمع ' ' غلام همارا ' - مفرد حاضر دونوں جنس کے لئے ' ' غلام تیرا ' ' غلام تمهارا ' - مفرد و جمع غایب هر دو جنس ' غلام اُس کا ' غلام اُن کا -

ضمیروں کی تعداد

فصحا کے نزدیک ضمایر کی میزان پینتیس هے اور غیر فصیح چھتیس بتاتے هیں کیونکه یه جماعت ضمیر منفصل غایب فاعل کے لئے جمع میں ' وے ' (واؤ ' یاء مجہول) قرار دیتے هیں - یه میزان ایک اور حساب سے غیر فصیحوں کے نزدیک تیس ٹهرتی هے اور فصیحوں کے نزدیک انتیس ' اور اُس صورت میں که ضمیر متصل مفعول کو شمار میں نه لیا جاے اور ضمیر منفصل مفعول هی کو کافی سمجھا جاے — ' تیں ' (تو) کو حساب میں داخل نہیں کر سکتے ' اُس کی دو وجه هیں ' ایک تو یه که یه فصحا کی زبان نہیں اور دوسرے یه دو مترادف الفاظ ایک لفظ کے مساوی هوتے هیں —

اور 'واسطے' 'لئے' اور 'خاطر' کے ساتھہ جو ضمیریں آتی هیں باوجود اس کے کہ اُن میں 'الف' یاء' مجهول سے تبدیل هوتا هے وہ اضافت کی ضمیروں میں داخل هیں، جیسے 'تیرے واسطے' تیرے لیے' (یاء مجهول سے الف بدلا گیا) اور تیری خاطر' (یہاں یاء معروف سے تبدیل هوا)۔ اسی طرح تمھارے واسطے' تمھارے لئے' تمھاری خاطر' اور' اس کے واسطے' اُس کے لئے' اُس کی خاطر' اور اُن کے واسطے' اُن کے لیے' اُن کی خاطر' اور میرے واسطے' میرے لئے میری خاطر' اور' همارے واسطے' همارے لئے' هماری خاطر ـــ

'انهوں کے واسطے' یا 'لئے' اور 'انهوں کی خاطر' غیر فصیحوں کی زبان هے جب کہ 'اُن کے واسطے' یا 'لئے' اور 'اُن کی خاطر' فصیح هے ـــ

'کنے' (یاء مجهول) بمعنی نزدیک بهی 'واسطے' اور 'لئے' کے طریق پر مستعمل هے' جیسے میرے کنے۔ اور 'واسطے' اور 'لئے' اردو اور فارسی میں مضاف شمار هوتے هیں اور عربی میں حروف جار ـــ

'انهیں سے' اصل میں 'اُن هی سے' هے' لیکن اب نقل کا استعمال اصل سے بهتر سمجها جاتا هے ـــ

'میرا' 'تیرا' کا جو 'میرے تیرے' بدا هے متغیرات میں

داخل نہیں سنجھا جاسکتا کیونکو متغیر وہ ھے جس میں کسی متغیر کے سبب تغیر واقع ھوا ھو اور یہ اول دن ھی سے ایسا واقع ھوا ھے کسی کے تاثر کا اس میں دخل نہیں جیسے 'نے' 'پیڑا' کو 'پیڑے' بدلا دیتا ھے اور یہ جمع نہیں بلکہ مفرد ھونے کی حالت میں ' مثال ایک پیڑے نے میرا معدہ خراب کیا ھے ' یا 'کو' جو مفعولیت کی حالت میں مفعول کے بعد آتا ھے ' مثال' ایک پیڑے کو بھی کھا نہیں سکتا ھوں - یا 'سے' مثال' ایک پیڑے سے ھمارا پیٹ کب بھرتا ھے - یا 'کا' (اضافت کے لئے) ایک پیڑے کا بھی پچانا تو مجھے دوبھر ھے —

— * —

بیسوین فصل اسم اشارہ

اسماء اشارہ مبتدا کے لئے مفرد میں 'یہ' اور 'یے' مقرر ھیں اور جمع کے لئے 'یہ لوگ' اور 'یے لوگ - مثال ' یہ برا ھے (مفرد مذکر کے لئے) ' یہ بری ھے (مفرد مونث کے لئے) - مثال جمع مذکر ' یہ لوگ سب اچھے ھیں ' مثال جمع مونث ' یہ سب اچھی ھیں - فعل لازم کے فاعل کے لئے بھی اسی طرح 'یہ' 'یے' 'یہ لوگ' 'یے لوگ' آتے ھیں' مثال' یہ موا ' یے جیا ' یہ موئی ' یے اچھی ھوئی ' یہ لوگ سب مرگئے ' یہ سب مرگئیں - کبھی 'یہ

یہ لوگ، کی جگہ صرف 'یہ' استعمال ہوتا ہے ' جیسے ' یہ سب مرگئے - متعدی کے فاعل ' یا چیز متعلق حرف کے ساتھہ اگر مفرد ہو تو 'اُس' مقرر ہے اور مفعول کے لئے بھی وہی 'اُس' آتا ہے - مثال فاعل ' اس نے مجھے بہت ستایا ہے - مثال مفعول : اُس کو میں بہت چاہتا ہوں - مثال متعلق حرف کے ساتھہ ' اس سے مجھے کچھہ غرض نہیں ' اور اگر جمع ہو تو فاعل کے لئے 'انھوں نے' مفعول کے لئے 'انھوں کو' 'اُن کو' (دوسرا فصیح) متعلق مع حرف کے لئے 'انھوں سے' 'اُن سے' (اُن سے زیادہ فصیح ہے) - مثالیں ' انھوں نے ہمیں بہت عاجز کیا ہے 'ان کو خوب سا میں بھی خراب کرونگا ' اُن سے خدا پناہ میں رکھے - 'اس نے' فصحا کے روز مرہ میں 'اُنے' بن جاتا ہے جو کچھہ فاعل، مفعول اور متعلق مع حرف کے بارے میں ابھی کہا گیا اس میں مذکر اور مونث کی تمیز نہیں -

— * —

اکیسوین فصل

موصولات

موصول جملہ کا ایک جز بمنزلۂ مبتدا کے ہوتا ہے اگرچہ ٹھیٹھہ مبتدا نہیں ہوتا ' کیونکہ مبتدا تو اصلی جز ہوتا ہے مگر موصول غیر اصلی جز ہوتا ہے اور اصلی جز کی طرف راجع ہوتا ہے - موصول مفرد مذکر کے لئے 'جونسا'

اور 'جو' اور جمع مذکر کے لئے 'جونسے' (یاء مجہول) اور 'جو' آتا ہے - اور مفرد مونث کے لئے جونسی (یاء معروف) اور 'جو' اور جمع میں 'جونسیاں' اور 'جو' - فصحا جمع میں بھی 'جونسی' استعمال کرتے ہیں ' 'جونسیاں' محتاط فصیحوں کے استعمال سے خارج ہے بلکہ اس کی جگہ 'جو' ان زبان پر ہے ' لیکن اردو کے خلاف نہیں - اور اسمائے موصول 'جس نے' 'جنھّے' 'جنھوں نے' 'جسن کو' 'جن کو' 'جس سے' 'جن سے' مذکر اور مونث کے لئے یکساں آتے ہیں - اور بعض عورتیں اور زنان سلٹری [زن سیرت مرد] ہرجگہ 'جیم' کے بدلے 'کاف' بولتے ہیں ' اگرچہ یہ لوگ اہل اردو میں داخل ہیں مگر ایسا کرنا غلط ہے - یہاں تک جو ذکر موصول کا ہوا وہ سب صرف ذوی العقول سے متعلق ہے —

'جس' کی جگہ 'جس کسی' بھی صحیح ہے [بلکہ کسی قدر عمومیت کا رنگ تیز کر دیتا ہے] ' مثال ' ہم قایل اس رئیس کے ہیں جونسا رعیت پرور ہے ' ہم قایل اُس سردار کے ہیں جو رعیت پرور ہے - یہ مثال مفرد مذکر مبتدا کی ہے - مثال مونث مفرد مبتدا کی :- ہم قایل اس بیوی کے ہیں جونسی مفلس شوہر کی چاھنے والی ہے ' ہم قایل اس بیوی کے ہیں جو مفلوک شوہر کی چاھنے

والی ہے - مثال جمع مذکر مبتدا کی :- ہم قایل ان لوگوں کے ہیں جونسے مفلس آشنا پر فدا ہیں ، یا جو مفلس آشنا پر فدا ہیں - مثال جمع مونث مبتدا کی :- میں قایل ان بیبیوں کا ہوں جونسی (یا جونسیاں ، یا جو) اپنے فقیر شوہر کی بادشاہ سے زیادہ چاہنے والی ہوں - فعل لازم کے مونث فاعل کی مثال (کیونکہ فعل لازم بمنزلہ خبر کے ہے) :- میں قایل اس رنڈی کا ہوں جو کل فیض آباد سے آئی ہے یا دلی کو گئی ہے - مذکر کی مثال :- میں قایل اس گوئیے کا ہوں جو کل قدم شریف میں آیا تھا —

اگر کوئی کہے کہ فعل لازم میں اس خصوصیت کا حصر کیوں رکھا گیا فعل متعدی بھی بمنزلہ خبر کے ہوسکتا ہے ، جیسے ' میں قایل اس کلاونت کا ہوں جو مظفر خاں کے سامنے بیٹھا کل گاتا تھا دھرپت کو ' اس کا جواب یہ ہے کہ فعل متعدی کا عمل صیغۂ ماضی میں (جیسے مارا ، لایا) زیادہ قوی ہے بمقابلہ ایسے صیغۂ ماضی میں جیسے ' لاتا ' اور ' لاتا تھا ' ہے ، اور حال و مستقبل تو داخل حساب ہی نہیں جس کی بحث صرف میں گزر چکی ہے - اور ہماری مراد بھی فعل متعدی سے وہ صیغۂ ماضی ہے جس کے ساتھ ' نے ' آے —

حاصل کلام ' جس نے ' فاعل مذکر و مونث مفرد کے

لئے ('جس نے' کی بجاے 'جنّے' بھی صحیح ہے)۔ اور جنھوں نے' جمع میں آتا ہے' مثال' قربان ان دوستوں کے ہوجیئے جنھوں نے دوستوں کے واسطے جان دی ہو- مونث کی بھی یہی مثال ہے - 'جس کو' اور 'جن کو' مفعولیت کے لئے بلا تمیز تذکیر و تانیث' پہلا مفرد اور دوسرا جمع کے لئے آتا ہے' مثال' آج خلعت دیا جناب عالی نے جس کو کل میاں آفریں اور میاں تحسین حضور میں لاے تھے' اور' آج میاں تحسین اور میاں آفرین حضور میں لاے اُن دونوں غریبوں کو کہ جن کو 'پرسوں جناب عالی نے برج پر سے دیکھہ کر فرمایا تھا کہ یہ دو شخص نئے اس شہر میں نظر آے ہیں - مثال مونث :- آج دس ہزار روپے کا جواہر حضور سے اس رنڈی کو ملا جس کو پرسوں سونے کے کڑے عنایت ہوے تھے' اور' آج حکم حضور سے میر مینڈھا کو یوں پہنچا کہ چار گھڑی دن رہے ان رنڈیوں کو لے کر آؤ جن کو وارث علی مراد آباد سے ساتھہ لے کر آیا تھا- 'جسے' اور 'جن سے' حرف سے متعلق ہوتا ہے' اس میں بھی مذکر اور مونث برابر ہیں' مثال مفرد مونث کی :- وہ رنڈی آج حضور میں خوب گائی جس سے پرسوں کلو خوب لڑی تھی- جمع مونث کی مثال :-

دو رنڈیاں آج حضور میں میر میڈھا کی نالش لائی تھیں جن سے قلندر و منیا کو لاگ ہے - مفرد مذکر کی مثال :- آج وہ گویا حضور میں آیا ہے جس سے شکر مکھن ہمیشہ برسر خساب تھے - جمع مذکر کی مثال :- آج دو گویے حضور میں حاضر ہیں کہ جن سے میر بولا قوال کے بیٹے دلی میں کبھی مقابلہ نہ کرسکتے تھے ---

انہیں موقعوں پر 'جس' کی جگہ 'جس کسی' ٹھیک استعمال ہوتا ہے لیکن یہ صرف فاعل کی حالت میں اور 'جن کلھی' بھی - مثال ' جن کلھی نے ہمیں دو روپے دئے ہم نے اسے دس روپے دیے - اور یہ اردو کے فصیحوں کی بھی زبان ہے [اب کوئی نہیں بولتا] ---

الفاظ مذکور عربی کے الذی ' التی ' اللذان ' الذین' اللذین ' اللتان ' اللتین اور اللاتی کے مقابل ہیں ---

' جو کوئی ' ' جو صاحب ' ' جو لوگ ' فاعل کے لئے آتے ہیں ' اور بہتر یہ ہے کہ تذکیر و تانیث اور مفرد و جمع کی حالت میں فعل میں ضمیر مذکر ہو ' مثال مفرد :- جو کوئی ہمارے پاس آوے گا ہم بھی اس کے پاس جائیں گے خواہ چنگیز خاں خواہ بذو ڈومنی ہو - 'جو ہمارے پاس آوے گا ' کے ساتھہ بھی جملہ یونہی رہے گا ' اور ' جو لوگ یا جو صاحب ہمارے پاس بیٹھیں گے خواہ ہفت ہزاری

امیر اور ساھوکار ھوں خواہ مُثنا اور مہتاب' ۔

اور اگر فعل میں ضمیر مونث لانا ضرور ھو تو مونث میں ' جو ' یا ' کوئی ' کے بعد اسم مونث کا اظہار ھونا چاھیئے (جو 'کوئی' سے ' جو ' بہتر ھے) مثال ' جو عورت ھمیں چاھے گی ھم بھی اوسے چاھیں گے - اور یہ کہنا :- " جو ھمیں چاھے گی ھم بھی اُسے چاھیں گے " بلاغت سے دور ھے - اور جمع جو 'عورتیں' کہنا چاھیئے ' یہ ذوی العقل کے لئے ھے اور مفعولیت اور حرف کے تعلق میں بھی مستعمل ھے ' جس ' اور ' جس کسی ' بھی اس جگھہ مناسب ھے - مثال مفعول ' مفرد مذکر ھو یا مونث :- جس کو ھم کچھہ بیجا کہیں گے وہ بھی ھمیں کہیگا ' جس کسی کو ھم کچھہ بیجا کہیں گے وہ بھی ھمیں بیجا کہیگا- حرف کے ساتھہ متعلق کی مثال مفرد مذکر خواہ مونث' جس (یا جس کسی) سے ھم بیزار ھیں وہ بھی ھم سے بیزار ھے - مثال مفعول جمع مذکر یا مونث :- جنھوں کو ھم ذلیل جانیں‌گے وہ بھی ھمیں ذلیل جانیں‌گے ' 'جنھوں' کی‌جگھہ 'جن لوگوں' یا 'جن صاحبوں'کہنابھی درست ھے - مثال متعلق حرف جمع مذکر یا مونث:- جنھوں سے ھم الفت رکھتے ھیں وہ بھی ھم سے الفت رکھتےھیں- بعض شخص ان لفظوں میں ' ہ ' کو حذف کر دیتے ھیں یعنی جنھوں ' انھوں ' جنھیں ' تمھیں ' تمھارا ' ھاتھہ ' ساتھہ ' ھونٹھہ

کے بدلے' جنوں ' انوں ' جنہیں ' انہیں ' تمہیں ' تمارا ' ہات' سات ' ھونت کہتے ھیں [اول الذکر الفاظ میں سے ' ھونتھ ' اب نہیں بولا جاتا ' ' ھونت ' ھی اس کا فصیح تلفظ ھے] ' بعد کے سلسلے میں شروع کے چار پنجابیوں سے مخصوص بتاتے ھیں اور آخر کے پانچ خاص اُردو خیال کرتے ھیں ' بعض شاعروں نے بھی ان کی پیروی اختیار کی ھے اور بعضوں نے ' انھوں ' کو بھی ان الفاظ میں داخل کیا ھے - اور کوئی ' ہ ' کو مسلم جانتا ھے ' کوئی نہیں - ' سبھوں ' بھی ' انھوں ' کی طرح ' ہ ' کے ساتھہ اور اس کے بغیر بھی بتاتے ھیں - یہ لفظ ' ہ ' بغیر اگرچہ بعض اھل اردو کے نزدیک درست نہیں لیکن ' انھوں ' سے زیادہ فصیح اور دلچسپ ھے - عربی میں ان سب لفظوں کے مقابل ' من ' موصولہ ھی مستعمل ھے - زناخی اور دوگانا جان [عورتیں ' ھمجولیاں] ' جو کوئی ' اور ' جو ' میں ' جیم ' کو ' سین ' سے بدلے بغیر نہیں رہ سکتیں ' مثال ' سو کوئی چاھے ھمیں کہہ لے ھم کچھہ کہتے نہیں ' یا ' سو بات تم نے کہی سو میں نے سنی ' یا ' سو چاھے سو یہاں کام الکا ھو -

' جو کچھہ ' اور ' جو ' فارسی کے ' ھر چہ ' اور ' آنچہ ' کا اور عربی کے ' ما ' کا قایم مقام ھے ' مثال ' جو کچھہ تم چاھو سو فرماو ' جو تم چاھتے ھو سو کرتے ھو ' یہ مثالیں ذوی العقول کی ھیں '

زناخیاں ان میں بھی 'جیم' کو 'سین' سے بدل ڈالتی ہیں ـ

'کوئی سا' مفرد مذکر اور 'کوئی سی' مفرد مونث اور دونوں ذوی‌العقول کے لئے آتے ہیں' جیسے' دونوں گھوڑوں میں سے کوئی سا پسند کرو سو لو' شبلموں میں سے کوئی سی پسند کرو سو لو - ان جملوں میں 'سو' کے بدلے 'تو' بھی کہہ سکتے ہیں —

— * —

بائیسویں فصل
کنایے

کنایہ عدد یعنی 'کتنے'، 'کئی'، 'کے' کے لئے ہوتا ہے' اس کی تفصیل آگے آچکی ہے - بعضے 'کتنے' کا نون اڑا کر اور 'ت' کو مشدد کرکے 'کِتّے' بھی بولتے ہیں - 'کئی' اور 'کے' جمع پر دلالت کرتا ہے - 'کتنے' فرع ہے اور 'کتنا' اصل' اور اسی طرح 'کتنی' (یاء معروف)' کیوں کہ 'کتنے' جمع کے لئے آتا ہے اور جمع مفرد کی فرع ہے - 'کس قدر' بھی 'کتنے'، 'کتنی' یا 'کتنا' کا مرادف ہے —

— * —

تیئسویں فصل
اسم بہ معنی فعل

چند لفظ ایسے ہیں جو ہیں تو اسم مگر معنی فعل

کے دیتے ہیں - جیسے '' ' ہاں جی ' یعنی جلدی کرو- مثلاً زید کو باندھ کر عمرو کے سامنے لاے ' عمرو اپنے نوکروں سے کہتا ہے ' ہاں جی ' یعنی دیر کیوں کرتے ہو ' جلدی اس کو پیٹو - اور " بیتا بیتا " سائیسوں کے الفاظ ہیں جو وہ گھوڑے کی شوخی کے وقت کہتے ہیں (جن سے مراد ہوتی ہے) "شوخی نہ کر" - بعضوں کے نزدیک یہ الفاظ اسماء افعال میں داخل نہیں بلکہ اس جگہ وہ حذف یا تقدیر کی صورت بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "بیتا بیتا" میں "شوخی نہ کر ' محذوف ہے یا مقدر - اسی طرح "بھائی میرا" میں "اپنا کام کر" مقدر یا محذوف ہے - اسی طرح "ہاں جی" میں "جلدی کرو"—

اور اسماء افعال مرد کی زبان سے صادر ہوتے ہیں' اور "اوۂ" [اُوئی ؟] عورتوں کی زبان سے جس کے معنی ہوتے ہیں "ٹھرو" اور 'آیں ' ' ہیں ' خواہ مرد کہے خواہ عورت ' بمعنی "چپ رہو یہ کیا اختلاط ہے" یا "بس کرو یہ کیا حرکت ہے"- اور ' بھلا ' بمعنی ' سمجھونگا ' اور ' بہت خوب ' (اُسی معنی میں) ' اور ' کہاں ' بمعنی ' یہاں نہ آنا ' اور ' ہوں ' بمعنی چپ رہو-

— ✻ —

چوبیسویں فصل

اسم صوت

صوت محض آواز کو کہتے ہیں جیسے 'تو' پودنہ کے لئے تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے' کوے کی جورو' کویل کو بولنے کی تحریک ہے' بچے کویل کو یہ کہہ کر اُکساتے ہیں - 'آیں آیں' ماں باپ کو اپنے حال سے خبردار کرنے کے لئے بچوں کی آواز ہے - 'میل میل' 'بری بری' 'دھت دھت' مہاوتوں کی آواز ہے —

[نوٹ' اس کے بعد مصنف نے ظرف کا ذکر کیا ہے' جیسے آگے (پہلے)' پیچھے (بعد میں)' جب' جوں (یہ اب متروک ہے)' جوھیں (جونہی یا جونہیں)' جبھی' جس وقت' جس گھڑی- یہ سب ظرف زماں ہیں] -

—*—

پچیسویں فصل

اسماء تعظیمی

اسماء تعظیمی یہ ہیں' 'جان' عورتوں کے القاب کے ساتھ آتا ہے اعلام [ناموں] کے ساتھ نہیں کیونکہ " بیگمی جان آئی" کہتے ہیں [یہاں جان علم کے ساتھ مربوط ہوا ہے] اور اگر کوئی تعظیماً 'آئیں' کہے تو یہ اس کی تواضع ہے ورنہ فصحا کے روز مرہ کے خلاف ہے' جب

کہ 'اماں جان' 'انا جان' 'باجی جان' 'خالا جان'
'چچی جان' 'ممانی جان' 'پھپھی جان' میں تعظیماً
"آئیں" کہنا فصیح ہے اور "آئی" سے بہتر ہے - 'بی'
'بیا' 'بی بی' جب تمام کے پہلے آئے تو فعل جمع لانا
چاہئے جیسے 'بی بلّو آئیں' بی بی گنّا آئیں —
'جان' اور 'جی' مذکر میں بھی تعظیم کا فائدہ
دیتا ہے 'جیسے' باوا جان' چچا جان' عمو جان' خالو جان'
پھپھا جان' بھائی جان' اور باوا جی' اخون جی'
اُستاد جی' میاں جی - "باوا جان" دوسرے مرکبوں کے
ساتھ "آیا" وغیرہ فعل مفرد کا استعمال معیوب ہے'
بلکہ "آئے" وغیرہ استعمال کرنا چاہئے —

اور 'صاحب' کا لفظ مذکر اور مونث دونوں میں
تعظیم کا فایدہ دیتا ہے اور اس کے ساتھ فعل وغیرہ
سب جمع آتے ہیں مثلاً' باوا صاحب' بھائی صاحب'
اما صاحب' خالا صاحب' پھپھی صاحب' بیگم صاحب'
خانم صاحب آئے' کہنا چاہئے' 'آیا' نہیں - اسی طرح
'بیگم صاحب آئی' کہنا درست نہیں 'آئیں' کہنا
چاہئے جو اُردو کا روز مرہ ہے —

میاں' قبلہ' سائیں' یہ فقیروں کے لقب ہیں- ان
کے ساتھ بھی فعل جمع آتا ہے —

'اجی' مرد اور عورت کے لئے مشترک ہے۔ 'اجی اٹھو' کہنا صحیح ہے، اور 'اجی اُٹھ' غلط۔ کیوں کہ اس میں تحقیر پائی جاتی ہے —

مذکر ہو یا مونث جب اُس کے ساتھ 'جان' یا 'جی' نہ ہو تو فعل تعظیمی جمع کے صیغہ میں نہ ہوگا، جیسے، اس کا باوا آیا، زید کا باپ آیا، عمرو کی ماں آئی، فلانے کی بہن آئی۔[آج کل اُردو کا یہ روز مرہ نہیں، اب کہتے ہیں، زید کے والد جنت کو سدھارے، عمرو کے چچا اب اچھے ہیں، کہو بھئی اب بھابی کیسی ہیں، خالد کی ماں دہلی سے آگئیں، بھائی ابھی لکھنؤ نہیں گئے] —

لالہ، چچا، بھیا، بھائی فعل میں مشترک ہیں، 'لالہ آیا'، اور 'لالہ آئے'، دونوں یکساں ہیں۔

باقی القاب 'لالہ' کے سے مثل میر، مرزا، شیخ، نواب، مولوی، ملا، میاں (لقب کی طور پر نہ بمعنی 'والد'، جیسا کہ بعض بیرونی استعمال کرتے ہیں)، میراں مہاراج، رائے وغیرہ تعظیمی جمع فعل میں چاہتے ہیں، جیسے، شیخ ولی محمد آئے، نواب احترام الدولہ آئے۔ لیکن ولی محمد آیا، احترام الدولہ آیا، نہ کہ آئے * اور مولوی مبین آئے، میراں سید بڑے آئے۔ مہاراج

* آج کل کہیں گے، احترام الدولہ آئے، آسماں جاہ گئے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

آئے، رائے گمانی مل آئے —

دھقانی میر گھسیٹا اور میر مسیتا کو میر گھسیٹے اور میر مسیتے کہتے ہیں —

— * —

باب ششم

فعل

پہلی فصل

فعل ناقص

فعل لازم و متعدی

فعل کی کئی قسمیں ہیں، ایک وہ جو صرف فاعل کو چاھے، اسے فعل لازم کہتے ہیں، جیسے، آیا زید - دوسرا وہ جو فاعل اور مفعول کو چاھے، اسے فعل متعدی کہتے ہیں، جیسے؛ مارا زید نے عمرو کو - ان کی تفصیل آگے آ چکی ہے —

فعل ناقص

فعل ناقص وہ فعل ہے جس کا فاعل مبتدا سے وابستہ ہو اور اس کی خبر اسم فاعل

(بہ سلسلۂ گذشتہ)

یمین السلطنت حیدر آباد میں ہیں - آج کل بڑوں کی تعظیم کا احساس سید انشا کے زمانے کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہو گیا ہے، مگر شکایت تو یہ سنی جاتی ہے کہ اب بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم وہ نہیں رہی جو پہلے تھی - یہ کچھ ہی ہو عہد حاضر کا روز مرہ یہی ہے - (مترجم)

یا مفعول یا اس کے مشابہ مثلاً صفت مشبہ وغیرہ ہو اور شاذ و نادر اسم جامد ہو ' افعال تام کا ذکر اور مثالیں پہلے کافی آچکی ہیں جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں - لہٰذا افعال ناقص کا ذکر کیا جاتا ھے —

اردو میں چند لفظ ہیں جیسے ' تھا ' ہوا ' ہو گیا ' بنا ' واقع ہوا ' ٹھہرا ' مقرر ہوا ' ٹھہر گیا ' بن گیا ' مقرر ہو گیا ' نکلا ' اور نکل پڑا ' یہ افعال ناقصہ ہیں - مثال :— تھا زید بیٹھا ' ہوا زید ذلیل ' ہو گیا زید تباہ ' بنا زید سانگ ہولی کا ' واقع ہوا زید مسخرا ' ٹھہرا زید لڑکوں کا کھلونا ' مقرر ہوا زید یاروں کا بھڑوا ' ٹھہر گیا زید گانے سے ڈومڑا ' بن گیا زید بھانڈ ' مقرر ہو گیا زید بھانستا ' نکلا زید شہدا ' نکل پڑا زید لچا - جامد کی مثال ' ہوا زید عمرو - یہ ہندی میں عربی کے لفظی ترجمے ہیں ورنہ ہندی میں فعل ناقص مبتدا اور خبر کے بعد آتا ھے ' مثال :- زید بیٹھا ہوا تھا ' زید ذلیل ہوا ' زید تباہ ہو گیا ' زید ہولی کا سانگ بنا ' زید مسخرا واقع ہوا ' زید لڑکوں کا کھلونا ٹھہرا ' زید یاروں کا بھڑوا مقرر ہوا ' زید گانے سے ڈومڑا ٹھہر گیا ' زید بھانڈ بن گیا ' زید بھانستا مقرر ہوا ' زید شہدا نکلا ' زید لچا نکل پڑا —

ان کے سوا بھی افعال ناقصہ کا استعمال درست ہے لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا گیا - عرب کے نحویوں کی اصطلاح سے مجبوری ہے ورنہ راقم آثم کے نزدیک فعل متعدی اور جس کو 'حال' کی احتیاج ہو وہ بھی ناقص ہے کیونکہ تمام افعال متعدی مفعول بہ کے ذکر کے بغیر اور جملہ جو حال کا محتاج ہو حال کے ذکر کے بغیر تمام نہیں ہوتے —

فعل تام | فعل تام وہ ہے جس کا جملہ کسی چیز کا محتاج نہ ہو، جیسے 'آیا زید' جو فعل لازم ہے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ جب 'مارا زید نے' کہا جائے گا تو جب 'عمرو کو' نہ کہیں جملہ پورا نہ ہوگا، اس لیے 'مارا زید نے' فعل ناقص ہوا - اور 'اٹھا زید روتا ہوا'؛ 'دیکھا میں نے زید کو ہنستا ہوا' - پہلا جملہ بغیر 'روتا ہوا' کے اور دوسرا 'ہنستا ہوا' کے نا تمام رہتا ہے - جملہ ہندی میں 'بات' اور عربی میں 'کلام' ہے -

افعال مقاربت | افعال مقاربت امید وغیرہ کے اظہار کے لیے آتے ہیں، جیسے 'ایسا ہووے'؛ 'یوں ہووے'؛ 'اس طرح ہووے'، 'دیکھیے' 'خدا جانے'، 'کون جانتا ہے' - شرط یہ ہے کہ اس جملہ فعلیہ میں جو ان فعلوں کے بعد مذکور ہوتا ہے 'کان بیانیہ' ضرور آئے، مثال'

ایسا ہووے کہ زید آج آوے، یوں ہووے کہ عمرو کل گھر جاوے، اس طرح ہووے کہ بکر کو تپ دق ہو جاوے، دیکھیے کہ آج فیض آباد سے بہلیں آتی ہیں یا نہیں، خدا جانے کہ آج فیض آباد سے چھکڑے روپے کے آتے ہیں یا نہیں، کون جانے کہ فیض آباد سے روپے کے چھکڑے کل آویں گے یا نہیں، کون جانتا ہے (کیا جانیے) کہ میوہ ولایت کا دلی میں آچکا یا نہیں - بعضے باہر والے 'کیا جانیے' کی جگہ 'کیا جانے' بولتے ہیں —

حرف نفی جو حرف تردید یعنی 'یا' کے بعد آتا ہے اردو کے روز مرہ کی رعایت سے ہے یا نسبت کے ثبوت کا کام دیتا ہے اور وہ حرف تردید یا حرف نفی کے بغیر بھی حاصل ہے —

افعال مدح و ذم

افعال مدح و ذم یہ ہیں :- پڑھا، گھلا، کُھلا، مُوا، توتا، پھٹا، لٹّا، چھکا، دھوا، چمکا، بگڑا، کِھلا - یہ سب ماضی کے صیغے ہیں، ان میں سے بعضے مدح اور بعضے ذم کے مقام میں آتے ہیں - یہ چھہ مدح کے لئے ہیں :- پڑھا، گھلا، کُھلا، کِھلا، ھوا، چمکا - مثال، پڑھا آدمی ہے زید، گھلا آدمی ہے زید؛ کُھلا مکان ہے صحرا، دھوا [اب دھویا کہیں گے] کپڑا ہے بدن زید کا، چمکا ستارا ہے مکھڑا گُلنا کا، کِھلا پھول ہے دھانا

بلو کا۔ ذم کے افعال بھی چھہ ہیں یعنی ' مُوا ' توتا '
پھٹا ' لٹا ' چھکا ' بگڑا - مثال :- مُوئی جوں ھے زید ' توتا
حقه ھے سرزید کا ' پھٹا دود ھے بدن عمرو کا ' لٹا مغل
ھے زید ' چھکا اونٹ ھے زید ' بگڑا ھاتھی ھے زید —

ایسے ھی اور بہت سے الفاظ مدح اور ذم کے لئے ہیں ' جیسے ' ' پھلا پھولا ' مدح کے لئے اور ' سوجا پھولا ' ذم کے لئے ' مثال ' پھلا پھولا درخت زید ھے ' سوجا پھولا بیل عمرو ھے ' علیٰ هذا القیاس —

بحث | بعضے اس قول کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ جو شکل میں ماضی جیسے دکھائی دیتے ہیں مدح اور ذم کے الفاظ نہیں کہے جا سکتے کیونکہ وہ اصل میں صفت مشبہ ہیں اور صفت مشبہ کو فعل نہیں کہتے بلکہ وہ اسم کی ایک قسم ھے ' اور اس طرح کے الفاظ ھر مادہ سے ' ھوا ' کے حذف کے بعد جو فعل ماضی میں صفت مشبہ کی علامت ھے پیدا ھو سکتے ہیں ' اس وجہ سے کہ ' چمکا ' کے معنی ہیں چمکا ھوا اور ' پڑھا ' کے معنی ہیں پڑھا ھوا ' ' گھلا ' کے معنی ہیں گھلا ھوا ' علیٰ هذا القیاس - پس مدح اور ذم کے الفاظ سے وہ چند الفاظ مراد ہیں جو اوپر لکھے گئے نہ یہ کہ وہ صفت مشبہ کے صیغوں کی طرح جو فعل کے مشابہ ھے

بے شمار ہیں —

مختصر یہ کہ اس فرقہ کے نزدیک مدح اور ذم کے فعل چار سے زیادہ نہیں اور یہ ہیں' اچھا' اور 'بھلا' مدح کےلئے جیسے اچھا آدمی ہے زید' بھلا آدمی ہے زید- اور دو ذم کےلئے 'برا' اور 'بھونڈا' جیسے برا آدمی ہے زید' بھونڈا آدمی ہے زید - جو اور لفظ ان لفظوں کے معنی اور آخر میں ان سے شباہت رکھتے ہوں وہ بھی ان میں داخل ہیں' جیسے' کھوٹا آدمی ہے زید - اس فرقہ کی رائے فرقۂ اول الذکر کی نسبت صحت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ایسے الفاظ بے شمار نہیں بلکہ کم ہیں' چنانچہ عربی میں چار سے زیادہ نہیں یعنی' نعم' حبّذا' بئس' ساء - شاید لغت یا کتابوں میں ان کے سوا بھی الفاظ ملیں لیکن وہ ماضی کے صیغوں سے نکلے ہوئے صفت مشبہ نہیں ہوں گے —

لیکن فرقۂ اول جو ان الفاظ پر معترض ہے اپنے دعوے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ صفت مشبہ' ہوا' کے بغیر ثابت نہیں ہوتی جیسے' چوکا ہوا' بغیر' ہوا' کے ماضی کا صیغہ ہے' اور فعل میں حذف کے قاعدہ کا بیان اس مقام میں ضرور نہیں - اردو میں ان لفظوں کی کثرت کو عربی میں ان کی قلت سے مقابل کرنا بھی بیجا بحث ہے اور اچھا' بھلا' برا' بھونڈا' کو جو مدح اور ذم

کے لئے اسماے موضوعہ ہیں افعال قرار دینا محض تکلف ہے - 'بھلا' کب ماضی کا صیغہ تھا اور کون اردو داں اس کو ماضی سمجھتا ہے' یہی حال 'اچھا' 'برا' اور 'بھونڈا' کا ہے' جب کہ 'چمکا' 'کھلا' دونوں ماضی کے صیغے ہیں' مثال' آج اور ہی ستارا چمکا' آج نیا پھول کِھلا - اگرچہ بادی النظر میں یہ اعتراض مضبوط معلوم ہوتا ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک بہت کمزور ہے کیونکہ 'نعم' 'حبذّا' 'بِئسَ' اور 'ساء' بھی اسم سے جداگانہ جو مدح اور ذم سے مخصوص ہو استعمال میں نہیں آتے جیسے نعم الرجل زید' 'نعم' فعل 'رجل' فاعل زید مخصوص بالمدح' اسی طرح باقی کے الفاظ - اور مدح یا ذم سے مخصوص اسم کے بغیر ان کا استعمال ماضی ہونے کی قید سے ان الفاظ کو آزاد نہیں کرتا - اور جب کہ یہ چاروں لفظ عربی میں ہرگز ماضی کے صیغے میں یا اس کی مثال مستعمل نہیں ہیں اور اگر فعل ماضی قبول کرلیا جاے تو 'بھلا' 'اچھا' 'برا' 'بھونڈا' نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کو اردو میں صیغہ ماضی نہ کہیں کیونکہ 'الف' جو ان کلموں کے آخر میں ہے صیغہ ماضی کی علامت ہے بلکہ یہ الفاظ عربی کے مذکورہ چار الفاظ کی نسبت ماضی کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں اس وجہ

سے کہ عربی میں ابواب ثلاثی مجرد میں صیغۂ ماضی معروف کا اول حرف مفتوح ہوا کرتا ہے اور 'نعم' میں اس کے خلاف ہے اگرچہ یہ لفظ اصل نعم (نون مفتوح اور عین مکسور) تھا' لیکن استدلال مشہور اور مستعمل سے ہوا کرتا ہے - اور اردو میں یہ قیدیں عاید نہیں ہوتیں - اور اردو میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماضی کا اول حرف مفتوح ہو یا مضموم یا مکسور ہو' اس لئے 'ہوا' کے وزن کے برابر ماضی کا صیغہ بغیر نقل کے ہے اور 'نعم' نقل ہے' اور اصیل لفظ کی ترجیح غیر اصیل لفظ پر جو نقل سے حاصل ہوا ہو ظاہر ہے بحث کی محتاج نہیں —

افعال قلوب | دوسرے افعال قلوب ہیں یہ ہمیشہ دو مفعول کو چاہتے ہیں' جیسے 'جانا میں نے زید کو فاضل' پہچانا میں نے زید کو غنی (یا عاقل)' سمجھا میں نے زید کو احمق' دریافت کیا میں نے زید کو چھچھورا' معلوم کیا میں نے زید کو بیہدیا' پایا میں نے زید کو نا آشنا - اور دوسرے افعال جن سے یہ معنی پیدا ہوں —

دوسری فصل

اُن حروف کا بیان جن کے بغیر اکثر موضوعوں میں کلام کا ربط ناممکن ہے

اردو کے طالبوں پر واضح ہو کہ حرف اصل میں وہی حرف ہیں جن کا ذکر کتاب کے شروع میں آ چکا ہے، لیکن نحویوں کی اصطلاح میں اس چیز سے عبارت ہے جس سے کلام کا ربط درست ہو - بعض کلام اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے، زید آیا، عمرو گیا '- لیکن متکلم کو ان کی ضرورت اکثر ہوا کرتی ہے-

سے | اُن میں سے ایک حرف 'سے' (یاء مجہول) ہے، مثال' ہم سے آپ کیوں خفا ہیں - یہ لفظ تو فصحا بولتے ہیں، غیر فصیح اس کو کئی شکلیں دیتے ہیں:-

ہندو 'سیں' (سین مفتوح نون غنہ) بولتے ہیں اور سیں (سین مکسور نون غنہ) وہ لوگ بھی اور بعضے مسلمان بھی بولتے ہیں —

'سوں' (وزن چوں) سادات بارھہ کی اولاد وغیرہ کی زبان ہے —

'ستی' (سین مکسور یاء معروف اور 'سیتی' (یاء اول مجہول) اردو کے متقدمین کی زبان ہے —

میں | میں (یاء مجہول نون غنہ) فصحا کی زبان ہے —

'میں' (میم مفتوح) اسی ظرفیت کے معنی میں ہندو بولتے ہیں —

'موں' (واو مجہول) شہر کے قدیموں کی زبان ہے -

پر	'پر' جیسے 'میں گھوڑے پر خوب چڑھتا ہوں' بعض فصحا اس پر الف اور واؤ معروف بڑھا کر اُوپر

بولتے ہیں' بعضے واو کو الف میں غایب کر کے 'اُپر' (وزن ہنر) تلفظ کرتے ہیں اور شعر میں باندھتے ہیں' ان کی گردن پر فصاحت کا خون ثابت ہے —

'پر' لیکن کے معنی میں بھی آتا ہے' مثال میں آپ کے گھر چلتا ہوں پر ایک شرط سے کہ بتکلف پیش نہ آؤ - مُل (میم مضموم) بھی یہی معنی دیتا ہے - [مُل اس معنی میں مدت ہوئی اردو سے خارج ہے] -

تک	'تک' (بالفتحہ) انتہا کے لئے آتا ہے' 'تلک' (لام کی زیادتی سے) بھی اسی معنی میں آتا ہے-

یہ دونوں لفظ فصحا کی زبان پر جاری ہیں —

'لگ' غیر فصیح ہے' 'تلگ' بھی بعضے بولتے ہیں جو غیر فصیح ہے-

حروف ایجاب	حروف ایجاب یہ ہیں :- ہاں' کیوں' ہوں' کیا ہے' نہیں کیوں' کیوں نہیں'

کس واسطے نہیں' ٹھیک' ہاں جی' جی' جی صاحب' جی ہاں-

'ہاں' ندا کے جواب میں کہا جاتا ہے اگر ندا کرنے

والا منادیٰ کا ھمسر اور ھم رتبہ ھو —

'ھوں' 'ھاں' کی مثل ھے —

'کیوں' 'کیا ھے' بھی منادیٰ کا جواب ھے اگر وہ رتبہ میں کم ھو —

'نہیں کیوں' 'کیوں نہیں' عربی کے 'بلے' کے قایم مقام ھیں' اگر کوئی کسی سے کہے :— کیا میں تمہارا دوست اور غمخوار نہیں ھوں تو جواب میں کہنا چاھئے "کیوں نہیں" یا "نہیں کیوں" یعنی 'تم ھو' اگر اُس کی جگہ اس شخص کے دل میں ھو —

'کسواسطے نہیں' 'نہیں کس واسطے' 'کس لئے نہیں' 'نہیں کس لئے' 'کیونکر نہیں' 'نہیں کیونکر' 'کس طرح نہیں' 'نہیں کس طرح' 'کس طرح سے نہیں' 'نہیں کس طرح سے' اور جوان کے مرادف ھوں یا وھی مطلب رکھتے ھوں جیسے 'یہ کیا بات ھے' یہ سب "نہیں کیوں" کی طرح طرف ثانی کے کلام سے نفی کا رد کرتے ھیں - اور 'کس واسطے' بغیر 'نہیں' کے بھی حرف نفی ھے اور "کس واسطے نہیں" کا قایم مقام ھے —

'ٹھیک' دوسرے موضوع کی تصدیق کرتا ھے' مثال' "جو نجیب زادہ ھوگا وہ ماں باپ کا ادب کرے گا" یہ قایل کا کلام ھے' سامع اس کا جواب دیتا ھے "ٹھیک"۔

یعنی تم سچ کہتے ہو —

'ہاں جی' ندا کرنے والے کو جواب ہے جو منادی سے رتبہ میں بڑا ہے —

'ہاں جی ہاں' 'ہاں ہاں' 'ہوں ہوں' 'آں' 'اُوں' (یہ سب نون غنہ کے ساتھہ) 'آرے' اور 'بلے' کے معنی رکھتے ہیں - اور فقط 'ہاں' ہوں' ہاں جی' بھی اسی معنی میں بولتے ہیں —

'جی' 'جی صاحب' بھی سامع کی طرف سے اس سے بڑے رتبہ والے کو جواب ہے —

'جی ہاں' تصدیق کے لئے نہایت مجبوری کی حالت میں تکلف کے ساتھہ آتا ہے —

'بیچ' ظرفیت کے لئے آتا ہے' لیکن فصحا اس سے پہلے 'کے' (یاء مجہول) ضرور لاتے ہیں' جیسے' چمن کے بیچ - اگرچہ "چمن بیچ" بھی شہر کی زبان ہے لیکن زیادہ فصیح وہی ہے - اور' 'چمن میں' دونوں سے بہتر ہے - اور شہر کے بعض رہنے والے "چمن کے بیچ میں" بھی بول جاتے ہیں' یہ بہت ہی قبیح ہے - "گھر بیچ میں" بھی دہلی کے ہندؤں کی زبان ہے —

'کاہے کو' 'کیوں' 'کس سبب سے' 'کس جہت سے' 'کسواسطے' 'کسلئے' فارسی کے 'چوں' و' 'چرا' کے معنی

دیتے هیں - ان میں سے ' کیوں ' اور ' کس واسطے ' زیادہ فصیح هیں - ' کاهیکو ' اور دوسرے الفاظ بهی فصیح هیں - ' جوں ' (واؤ مجهول نون غنه) اس معنی میں اکبر آبادی هندؤں اور شہر کے بعض پاجیوں کی زبان هے —

' سا ' حرف تشبیه هے ' مثال ' چنار سا بڑا درخت هندوستان میں کوئی نہیں - مفرد کے لئے ' سا ' جمع کے لئے ' سے ' (یاء مجہول) آتا هے ' مثال ' چنار سے درخت هندوستان میں هزاروں هیں - مونث کے لئے ' سی ' (یاء معروف) آتا هے ' مثال ' گلاسی پری اندر کے اکهاڑے میں ایک بهی نہیں - جمع مونث کے لئے بهی ' سی ' زیادہ فصیح هے ' ' سیاں ' بهی بولتے هیں ' مثال ' بنو یا مغلو سی ' یا ' بنو یا مغلو سیاں پریاں اندر کے اکهاڑے میں کسی نے دیکهی هیں - ' سا ' غیر ذوی العقول کے آخر کے الف کو یاء مجہول سے بدل دیتا هے ' مثال ' خربوزے سا لذیذ میوہ میرے نزدیک دوسرا نہیں - خربوزہ هندی کے قاعدے کے موافق خربوزا هوا ' جب حرف تشبیه اُس سے آکر ملا تو ' الف ' یاء مجہول سے بدل گیا - اور جس جگه ' الف ' قایم رهتا هے وهاں مشبه اور مشبه به کی صورت هوگی ' مثال ' وہ بوٹا سا قد کیا جانے که کیا قیامت برپا کرے گا - یعنی وہ قد که ایک بوٹا هے کیا

جانے کہ کیا قیامت برپا کریگا ' قد مشبہ یعنی جس کو تشبیہہ دی گئی ' بوتا مشبہ بہ یعنی جس سے تشبیہ دی گئی - مشبہ اور مشبہ بہ کی بحث فن بیان میں مفصل آئیگی ' یہاں یہی خیال رکھنا چاھیئے کہ شعرا جو یار کے رخسارے کو سورج ' چاند ' پھول ' آئینہ اور مصحف کے برابر کہتے ہیں ' اس میں رخسارہ مشبہ ھے اور سورج وغیرہ مشبہ بہ ہیں —

یہ بھی قاعدہ ھے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کئی درجہ اعلی اور بہتر تلاش کیا جاتا ھے ' اس صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ کا تقابل مشبہ کے کہ علوئے مرتبہ کا باعث ھوتا ھے اس سبب سے اردو کے بلیغ اصحاب کے نزدیک حرف تشبیہہ کا عمل یعنی آخر لفظ کے ' الف ' کو یاء مجہول سے بدلنا واھیات ھے کیونکہ ' سا ' اس کی اجازت نہیں دیتا اس وجہ سے کہ وہ حرف تشبیہ ھے اور وہ دونوں لفظوں [بوتا اور قد] کے درمیاں حرف تشبیہ واقع ہوا ھے ' بلکہ ایک دوسرے کی مانند سمجھا جاتا ھے —

' جیسا ' مفرد مذکر کے لئیے ' ' جیسے ' ' جمع مذکر کے لئیے - ' جیسی ' (یاء معروف) مفرد مونث کے لئیے اور ' جیسیاں ' جمع مونث کے لئیے ' سا ' حرف تشبیہہ کی مثل آتے ہیں - مثال ' تیرے قد جیسا ایک بوتا باغ میں نہیں ' باقی

کو بھی اس پر قیاس کرلیا جائے -

'ایسا'، 'ویسا'، 'کیسا' - مغل پورہ والے 'ایسا' کو 'اس سا' اور 'اس' 'جیسا' کہتے ہیں یہ بھی اُردو دانوں کے نزدیک فصیح اور صحیح ہے - 'ویسا' کو 'اوس سا' بولتے ہیں یہ اُردو نہیں پنجاب کا لفظ ہے —

'گویا'، 'کاش'، 'شاید'، 'اگر' - یہ بالترتیب حروف تشبیہہ و تمنی و ترجی [امید، توقع رکھنا] و شرط ہیں - اور فارسی ہیں - 'اگر' - کا یہ حال ہے کہ کبھی تو وہ استعمال کیا جاتاہےاور 'کبھی'جو' مثال جو' (یا' اگر) تم ہمیں دوست رکھوگے تو ہم بھی تمہیں دوست رکھیں گے - باقی کے تینوں حرف اردو میں اسی طرح اور اسی محل پر استعمال ہوتے ہیں جس طرح فارسی میں - ان کے مقابل حروف اردو میں نہیں ہیں - مگر اهل دارالخلافہ نے 'شاید' کی جگہ 'چاهئے' تراشا ہے - مثال بڑے بھائی بھی چاهئے کہ شام تک آویں - لیکن 'شاید' اکثر استعمال ہوتا ہے -

'گویا' اور 'کاش' اردو میں مثل فارسی کے استعمال ہوتے ہیں 'کہے تو' - اور 'تو کہئے' جو 'تو گوئی' اور 'گوئی' 'تو' کا ترجمہ ہے میر محمد تقی میر کی ایجاد ہے' یہ اردو لفظ نہیں' شعر میں میر [صاحب] کی تقلید اور تتبع میں باندہ سکتے ہیں' روز مرہ

میں داخل نہیں —

' چوں ' (واؤ مجہول) حرف تشبیہہ ھے - بمعنی گویا ہو سکتا ھے لیکن ' گویا ' کی جگه اس کا استعمال صاحبان اردو کے نزدیک ثابت نہیں بلکه حرف تشبیہه کے معنی میں بھی شاہ جہان آباد میں مستعمل نہیں ' ریختہ گویوں نے زبر دستی اس کو اردو بنا لیا ھے - لیکن بولتا اس کو کوئی نہیں ' ممکن ھے اردو ہو —

اور بعضوں کے نزدیک ' جیسے ' ' گویا ' کا مرادف ھے ' مثال ' فلانا ایسا غراتا ھے جیسے شیر - لیکن سمجھدار اس کو بھی ایک حرف تشبیہہ جانتے ھیں - اگرچه ' گویا ' بھی اسی قبیل سے ھے لیکن استعمال کے موقع جدا جدا ھیں - فارسی میں جہاں ' چوں ' استعمال ہوگا وھاں ' گویا ' نہیں کھپ سکیگا - اور جو [اردو کا لفظ] ' چوں ' کا مرادف ہو وہ ' چوں ' کا قایم مقام ھے - مثلاً یه جو جمله ھے - فلانے چوں شیر ژیاں می غرد ' اس میں ' بسان شیر ژیاں ' برنگِ شیر ژیاں ' مثل شیر ژیاں ' شیر ژیاں آسا ' شیر ژیاں وار ' بھی بجاے ' چوں ' شیر ژیاں آسکتا ھے ' بخلاف اس کے کہ ' فلانے گویا شیر ژیاں می غرد ' یا ' فلانے پنداری شیر ژیاں می غرد - اور اس عبارت میں :— " از پردہ بر انداختن فلانے خانۂ تاریک جگر سوختگاں روشن می

شود گویا رویش شمع فروزاں است '' 'گویا' 'گویا' کو حرف تشبیہہ بتانا بیجا ہے - 'اگر گویا' کی جگہ 'چوں' رکھدیں اور کہیں - رویش چوں شمع فروزان است ' تو مطلب خبط ہو جائیگا - دوسرا فقرہ [جس میں چوں داخل ہے] شروع میں 'کاف بیانی مانگتا ہے تاکہ مطلب پورا ہو - پس اس سے ثابت ہے کہ 'گویا کے استعمال کا محل تشبیہہ کا مقام نہیں - اور بعضے فصیح گویا کے بدلے کوئی جانے کہتے ہیں اور بعضے کوئی کہے - مثال آپ تو ہم سے اس قدر اکڑتے ہیں کہ جس کا ٹھکانا نہیں کوئی جانے ہم تمہارے زرخرید غلام ہیں - یا کوئی کہے ہم تمہارے زرخرید غلام ہیں - اس عبارت میں کوئی جانے کی جگہ حرف تشبیہہ کا استعمال مفسد عبارت ہے ' تم بھی مجھہ سے اتنا اکڑتے ہو کہ جس کا حساب نہیں تمہارے باپ کا غلام جیسا (یا ' غلام سا) ہوں - اور بعض جاہل لوگ کوئی جانے کی جگہ 'جانو' اور جانئے بولتے ہیں - مختصر یہ کہ کوئی جانے شہر کے فصحا کی زبان ہے اور اہل اردو کی زبان پر جاری ہے * - لیکن چونکہ فارسی

* گویا ' گوئیا - توگوئی فارسی کلموں کا مرادف ہندی کا ایک چھوٹا اور سہانا لفظ 'مانو' (واؤ مجہول) ہے جو عین اسی محل پر بولتے ہیں 'جہاں 'گویا استعمال ہوتا ہے ' کیوں نہ اُسے اُردو میں لیا جاے ماننا اور جاننا میں جو فرق ہے ظاہر ہے - نفس معنی کے اعتبار سے بھلا پلا تمام اردو کلموں کے 'مانو گویا کے قریب ترین ہے (مترجم) -

میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے " کسے پنداردُ " بعضے ہندوستان زایوں نے جو ایک حرف کو نہیں جانتے اسی 'گویا' 'ہو بہو' اور 'بعینہ' کو گفتگو میں داخل کر لیا ہے —

'گویا' بیان کی مشابہت کے لیے آتا ہے، جیسے 'زید ایسا غصہ سے چلا آتا ہے گویا کہ شیر چلا آتا ہے' یعنی سر، کلہ، ہاتھ، بازو، گردن، شانہ، زور اور شجاعت میں شیر سے بہت ملتا ہے لیکن آدمی ہے شیر نہیں ہے —

'ہو بہو' دو چیزوں کے بالکل یکساں ہونے پر دلالت کرتا ہے، مثال، زید بھی ہو بہو شیر ہے، یعنی آدمی نہیں شیر ہے نہ یہ کہ شیر کی مانند ہے —

'بعینہ' ہو بہو کا مترادف ہے، اس پر بعضوں کا یہ اعتراض ہے کہ لفظ میں ترکیب معتبر نہیں، کیونکہ جب لفظ کا جزو معنی کے جزو پر دلالت کرے اور وہ ترکیبی معنی ایک معنی میں منتقل نہ ہوں تو لفظ اور معنی میں ترکیب معتبر ہے، اور جب ایسا نہ ہو بلکہ ترکیبی معنی بہ ہئیت مجموعی ایک معنی کے قایم مقام ہوں تو ترکیب لفظی و معنوی دونوں غیر معتبر ہو جائیں گی، جیسے: 'کوئی جانے' بمعنی 'گویا' اور اگر ترکیب لفظی باوجود اس علت کے بھی فصیح

اور بلیغ لوگوں کے نزدیک مستند ہے تو لفظ 'ہو بہو' جو دو اسموں یعنی منفصل غایب کی دو ضمیروں سے مرکب ہے حروف میں داخل نہیں ہو سکتا - یہی حال 'بعینہ' کا ہے —

اوپر طرفین کی بحث تمام ہوئی' اب میں کہتا ہوں کہ 'ہو بہو' اور 'بعینہ' اپنے موقعوں پر استعمال ہوتے ہیں اور 'گویا' کے مترادف نہیں ہیں - یہ دونوں لفظ وہ لوگ بولتے ہیں جو عربی سے خوب واقف ہیں یا علما کی صحبت میں بیٹھتے اٹھتے ہیں' ورنہ اردو میں 'ھُوَ ھُوَ' کی جگہ 'ہو بہو' ہو بر ہو' ہر شخص کی زبان پر ہے' اور 'گویا' اردو کے فصیحوں کا لفظ ہے' اور 'گویا' کی جگہ 'کوئی جانے' استعمال میں نسبتاً کم آتا ہے' اس کے استعمال کرنے والے بھی فصیح آدمی ہیں —

'کاش' کی جگہ کوئی لفظ اردو میں سننے میں نہیں آیا مگر بندیل کھنڈ میں اس مقام پر ایک لفظ 'کجات' مستعمل ہے' لیکن ہم کو بندیل کھنڈ کے لغت سے کیا واسطہ؟ یہ دہلی والوں کا لفظ نہیں ہے' ان کے ہاں 'کاش' ہی مشہور ہے' مثال' لکھنؤ کی رنڈیاں جوانوں پر غش کرتی ہیں کیا ہوتا جو ہم بھی جوان ہوتے - یعنی کاش ہم بھی جوان ہوتے —

'کون' 'کس' 'کن' 'کنھوں' 'کونسا' یہ پانچ لفظ استفہام کے لیے آتے ھیں، لیکن 'کون' ذوی العقول مفرد کے سوال کے لیے حرف ربط 'ھے' کے ساتھ آتا ھے اور جمع میں 'ھیں' کے ساتھ، مثال یہ عزیز کون ھے؟ یا ' یہ تینوں صاحب کون ھیں؟ یہ کہنا کہ ' یہ خربوزہ کون ھے' غلط ھے - فعل لازم کے فاعل کی حالت میں فعل کے بعد 'ھے' اور 'ھیں' لاتے ھیں' مثال کون آیا ھے؟ اور ' کون آئے ھیں؟ اور اسی طرح مضارع میں مثال 'کون آتا ھے' کون آتے ھیں' - مستقبل میں 'گا' 'گے' بجائے 'ھے' اور 'ھیں' کے آتا ھے' جیسے' کون آوے گا' کون آویں گے - جب سوال فعل متعدی کے فاعل سے ھو تو ماضی کے خلاف حال اور مستقبل میں یہ لفظ آتا ھے۔ مثال حال' اس لڑکے کو کون مارتا ھے' یا' اس لڑکے کو کون (یا کون لوگ) مارتے ھیں' - مثال مستقبل' اس لڑکے کو کون مارے گا' اس لڑکے کو کون (یا کون لوگ) ماریں گے' - جمع میں 'کون' سے ' کون لوگ' زیادہ فصیح ھے

ماضی میں یہ کہنا کہ اس لڑکے کو کون مارا ھے' غلط ھے ۔ اور کون نے مارا ھے' بھی غلط ھے - اول لفظ کی غلطی اس وجہ سے ثابت ھے کہ فعل متعدی کی

ماضی میں 'نے' فاعل کی علامت ہے جو فوراً ہی فاعل کے بعد آتی ہے، جیسے 'زید نے مارا عمرو کو - پس 'کون مارا ہے' غلط ہے - اور 'کون نے مارا ہے' اس لیے غلط ہے کہ یہ اردو کا محاورہ نہیں، اس مقام پر 'کس نے مارا ہے' بولتے ہیں - اگر کوئی غیر ذوی العقول کے لیے 'کون' کے استعمال کے حق میں حجت کرے اور کہے "یہ کتاب کون کتاب ہے" - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زبان اُن گنواروں کی ہے جنھوں نے ابھی اردو شروع کی ہے * -

'کس' بھی سوال کے لیے آتا ہے جب کہ ذوی العقول مفرد سے مراد ہو لیکن شرط یہ ہے کہ فعل ماضی متعدی کے فاعل کی نسبت سوال ہو، مثال، اس لڑکے کو کس نے مارا ہے - اور ظاہر ہے کہ فعل لازم میں 'کس' مستعمل نہیں ہوتا، کیونکہ یوں کہنا کہ، کس آیا ہے، کس آتا ہے، کس آویگا، یہ کسی کی زبان نہیں - اور اسی طرح فعل متعدی یا حال یا مستقبل میں بھی اس کا عدم استعمال دلیل کا محتاج نہیں، کیونکہ 'کس مارتا ہے'، کس مارے گا، کس نے مارتا ہے'

* دھلی میں غیر ذوالعقول کے لیے 'کون' کے بعد 'سا' اور 'سی' بڑھا دیتے ہیں، مثال، یہ کونسا رسالہ ہے، یہ کون سی کتاب ہے - (مترجم)

کس نے مارے گا، کبھی کسی کی زبان سے سنا نہیں گیا - اگر سوال مفعول کی ذات سے ہو تو 'کس' کا استعمال تینوں فعلوں میں درست ہے کیونکہ فاعل دوسرا شخص ہے' جیسے' زید نے کس کو مارا' زید کس کو مارتا ہے' زید کس کو مارے گا - مضاف الیہ کی نسبت سوال ہو تو بھی 'کس' کا استعمال صحیح ہے' مثال' زید کس کا بیٹا ہے - اور حرف کے ساتھ 'کس' سوال میں درست ہے جب فعل ماضی یا مضارع ہو' مثال' زید کس سے لڑا ہے' زید کس سے لڑتا ہے' زید کس سے لڑے گا -

الفاظ مذکورہ میں مونث کا حال بھی مذکر کا سا ہے' یعنی جس جگہہ مذکر آیا ہے اگر اس کے صیغہ کی رعایت کے ساتھہ مونث لائیں تو بھی صحیح ہوگا -

اکیلا 'کس' غیر ذوی العقول کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں' اور اگر ایک اور لفظ اس کے بعد ہی لے آئیں تو پھر وہی صورت ہوجائے گی جو ذوی العقول کی حالت میں تھی' مثال' کس 'لکڑی' سے میں اس لڑکے کو ماروں' کس 'چیز' سے میں اسے ڈراؤں' کس 'مصیبت' سے میں نے اسے پرورش کیا ہے' کس 'ڈھب' سے میں نے اس وحشی کو رام کیا ہے -

'کن' 'کس' کے معنی میں اس وقت بولتے ہیں جب سوال میں فعل متعدی کی ماضی کے فاعل کا سوال ہو، مثال، عمرو کو کن نے مارا ہے، یعنی کس نے مارا ہے۔ [یہ 'کن نے' اور 'اُنھے' (بجاے 'اس نے') اب متروک ہیں] —

'کن' ('کس' کی جمع)' جمع کے لئے آتا ہے جب سوال کا مطلب مفعول یا اضافت سے ہو یا لفظ حرف سے وابستہ ہو، مثال، جناب عالی نے آج کن کو خلعت دیے' یعنی کن لوگوں کو' کوئی کیا جانے یہ کن کا باعث ہے کہ ہم یہ تیری باتیں سنتے ہیں اور دم نہیں مارتے (یعنی کن صاحبوں یا لوگوں کا)' کن سے شکوہ کیجئے زمانے کا بخدا کہ جو اپنے دوست جانی ہیں وہ بھی ان دنوں ہمارے لہو کے پیاسے ہیں —

'کن' ذوی العقول اور غیر ذوی العقول میں مشترک ہے' اور 'کس' محض ذوی العقول کے لئے آتا ہے' لیکن ایک ضمیمہ کے لفظ کے ساتھہ اور مکرر مذکور ہوکر ' مثال' کن کن چیزوں سے دنیا میں رہ کے پرهیز کیجئے' تیری کن کن باتوں کا گلا لے بیٹھیے - [یہی صورت ' کس کی ہے مثال' کس کس بات کا رونا روئیں وہ تو مارے اور رونے نہ دے] —

' کنھوں ' ' ذوی العقول کی جمع سے مخصوص ہے ' فاعل کی مثال ' مغلوں کی جو آپ ھجو کرتے ھیں یہ فرمائیے ھندوستان کو ان کے سوا کنھوں نے سر کیا ہے ' شیخوں نے تلوار ماری ھے یا اور قوم نے - حرف کی مثال ' تم مغلوں سے توقع کس بات کی نہیں رکھتے ھو تو کنھوں سے رکھتے ھو - دراصل یہ لفظ پنجابی ھے اردو کے اکثر فصحا اس سے پرھیز کرتے ھیں اور اس کی جگھہ 'کن' اور ' کس ' استعمال کرتے ھیں ' مثال فاعل ' مغلوں کی جو آپ اس قدر ھجو کرتے ھیں یہ فرمائیے کہ ھندوستان کو ان کے سوا کن نے سر کیا ھے (یا ' کس نے سر کیا ہے) -

' کون سا ' یہ لفظ غیر ذوی العقول سے خصوصیت رکھتا ہے مگر ایک اور لفظ اس کے ساتھہ ملایا جاے تو ذوی العقول کے لئے بھی آتا ہے ' مثال ' کونسا شخص (یا ' آدمی) ہے کہ آپ کی ذات سے کامیاب نہیں ' کونسی چیز روے زمین پر ہے کہ نواب یمین الدولہ کی سرکار عالی میں موجود نہیں حق تعالیٰ ھمیشہ تا قیام قیامت اس گھر کی دولت کو روز افزوں رکھے - دوسرے لفظ کے پیوند کے بغیر ذوی العقول کے لئے اس کا استعمال درست نہیں ' اور غیر ذوی العقول کے لئے اس کا اس طرح استعمال ٹھیک ہے ' جیسے ' یہ کونسا مینڈھا ہے ' یہ کونسا مرقع تصاویر

ہے - 'ہے' حرف رابط ہے' اور اس کی جمع 'ہیں' یہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے آتے ہیں —

'ہیگا' یہ لفظ بھی 'ہے' کا مرادف ہے اور اردو ہے لیکن فصحا اسے استعمال نہیں کرتے ' اس کی جمع 'ہیگے' اور مونث کے لئے مفرد و جمع 'ہیگی' (یاء معروف) اور 'ہینگی' (یاء معروف) - بعضے 'ہینگیاں' بھی فرماتے ہیں مگر یہ مغل پورہ کے حضرات کی زبان ہے —

'کوئی' بمعنی تنکیر چیز اور انسان دونوں کے لئے آتا ہے' مثال' گھر میں کوئی نہیں' ٹوکری میں تو کوئی نہیں' یعنی کوئی خربوزہ نہیں * اسم جنس کی صورت میں صیغۂ واحد میں بھی مستعمل ہے' جیسے' کوئی خربوزہ یا کوئی تربوز ہمیں بھی دو - اور 'ہرگز' کے معنی میں بھی آتا ہے' مثال' میں کوئی نہ جاؤں گا (یعنی ہرگز نہ جاؤں گا)' لیکن یہ فصیحوں کی زبان نہیں —

حرف عطف | حروف عطف بہت ہیں —
'اور' غور کے وزن پر ہے لیکن کبھی

* یہ دونوں مثالیں جو فاضل مصنف نے دیں آپس میں امتیاز رکھتی ہیں' پہلی میں جملہ تام ہے' دوسرا جملہ محض اس امر کا جواب ہے :- ٹوکری میں سے دو خربوزے اٹھا لاؤ - چنانچہ مصنف کو خود تشریح کرنی پڑی " یعنی کوئی خربوزہ نہیں " - مختصر یہ کہ اس کا حال بھی 'کس' کا سا ہے - (مترجم) -

'واؤ' 'الف' میں غایب ہو جاتا ھے [اُر - رہ جاتا ھے]
مثال :- مصرع ' تم اور ھم بہم یار جانی ھیں دونوں-

اس کا حذف کردینا بھی درست ھے ' مثال :—

سیر کو کرتھی کی بی بی پور روانہ ہو گئیں
دامڑی سندری الٰہی بخش رتھہ میں بیٹھہ کر

یعنی دامڑی اور سندری اور الٰہی بخش - یہاں حرف عطف کا حذف اور ضرورت شعری کی بنا پر نہ سمجھنا چاھئے بلکہ یہ نثر میں بھی جائز ھے' مثال' گنا' بنو' مغلو' چبلا ' چاروں حضور میں مجرا کرنے گئیں ھیں - یعنی گنا اور بنو اور مغلو اور چبلا —

'کیا' جو حرف استفہام اور غیر ذوی العقول کے لئے مخصوص ھے 'اور' کی جگہ استعمال ھوتا ھے' مثال' گنا کیا مغلو کیا بنو کیا چبلا کیا حسینی کیا الفو سب حضور میں گئیں ھیں [ایک 'کیا' کتابت میں رہ گیا- اب بولتے ھیں 'گئی ھیں'] —

'ھوا' 'ھوے' (مفرد اور جمع مذکر)' 'ھوئی' 'ھوئیں' (مفرد اور جمع مونث) بھی 'اور' کے قایم مقام آتے ھیں' مثال مفرد مونث' گنا ھوئی بنو ھوئی مغلو ھوئی یہ سب رنڈیاں حضور میں ھیں' یعنی گنا اور بنو وغیرہ- مثال جمع مونث' ڈومنیاں ھوئیں

کنچنیاں ہوئیں رام جنیاں ہوئیں سب آپس میں ایک ہیں گھونگھرو کی باندھنے والیاں وہ بھی یہ بھی- یعنی ڈومنیاں اور کنچنیاں اور رام جنیاں- مذکر کو مونث پر قیاس کیا جاے —

'یا' تردید کے لئے آتا ہے' مثال' یہاں تم بیٹھو یا میں بیٹھوں - یعنی اگر تم بیٹھو تو میں چلا جاؤں' اور اگر میں بیٹھوں تو تم چلے جاؤ' نہ دونوں چلے جائیں نہ دونوں بیٹھیں —

'کہ' بھی 'یا' کے معنی دیتا ہے' مثال' تم کل آؤگے کہ پرسوں' یہاں تم بیٹھو کہ میں - [متقدمین 'یا' اور 'کہ' کی جگہ ان دونوں کو ملا کر 'یا کہ' باندھ جاتے تھے' یہ مرکب اب متروک ہے] —

'نہیں تو' یہ بھی تردید کے معنی دیتا ہے' مثال' فلانا میر جعفر کا بیٹا نہیں تو میر بدیع الزماں کا بیٹا ہے' یعنی یا میر جعفر کا بیٹا ہے یا میر بدیع الزماں کا * —

* یہ اصل میں ایک جملہ شرطیہ سے ماخوذ ہے' ایک جملہ شرطیہ ہے' اگر محنت' نہیں' کروگے' تو' امتحان میں فیل ہو جاوگے- اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں : محنت کرو' نہیں تو' امتحان میں فیل ہو جاوگے' نہیں تو' فارسی کے' ورنہ' کا مترادف ہے — (مترجم)

'کیا' یہ بھی اسی معنی میں آتا ہے ' مثال '
کیا میں جاوں کیا تم جاؤ - یہ ان لوگوں کی زبان ہے جو 'جہاں' کو 'کہاں' 'جیسا' کو 'کیسا' 'جب' کو 'کب' اور 'جو' کو 'سو' بولتے ہیں —
میری رائے میں استفہام اور غیر استفہام دونوں موقعوں پر 'یا' کا استعمال مناسب ہے ' مثال استفہامی ' آج صبح تم دریا گئے تھے یا کسی آشنا کی ملاقات کو - مثال غیر استفہامی ' آج زید سے دو ہزار روپے نقد لیتا ہوں یا سبزہ گھوڑا - [حرف ایراد کہیے یا حرف مساوات 'کیا' کا یہ استعمال بالکل صحیح اور فصیح ہے ' مثال ' کیا مرد کیا عورت دونوں کے لئے عصمت ضروری ہے -]

نوٹ | 'کہ' استفہام میں خوش نما معلوم ہوتا ہے ' مثال ' تم آج دریا جاؤگے کہ اور جگہ ؟ -

' نہیں تو ' ہمیشہ غیر استفہامی ہے —

'پھر' اس کے معنی ہیں ' اس کے بعد ' مثال '
آپ کی شادی میں یہ فرمائیے کہ کونسا طائفہ اچھا نہیں آیا گنا آئی پتر بنو آئی پھر کلو آئی پھر مانی والی نورن آئی پھر عاشورن . غلام علی والی آئی —

اس کے پیچھے ' مثال ' پہلے شبراتن والی گئا ناچی اُس کے پیچھے محبوبن —

' نہیں ' کل حضور میں تو گئا آئی تھی بدو نہیں - [یہ ' نہیں ' مخفف ہے ' نہیں آئی تھی ' کا] ' بلکہ ' یہ ترقی کے لئے آتا ہے ' مثال ' گئا شام کو چاندنی دیکھنے جاوے گی بلکہ شبراتن بھی - ' یہاں تک ' مثال ' کل کے جلسہ میں شہر کے سب لوگ آئے تھے یہاں تک کہ اعلحضرت بھی - ' لیکن ' استثنا کے لئے آتا ہے ' مثال ' جو رنڈی تھی شہر میں سو کل کربلا گئی تھی لیکن گئا —

معطوف اور معطوف علیہ سے یہ مراد ہے کہ فعل اور خبر میں دونوں کی شرکت ہوتی ہے —

ندا کے حرف چند حرف ندا کے لئے آتے ہیں ' ان کی تفصیل آگے آچکی ہے ' یہاں اسے پھر لکھتے ہیں کیونکہ حروف کا ذکر حروف کی بحث میں ہونا چاہئے ' مختصر یہ کہ یہ حرف حسب ذیل ہیں :- ابے ' اوبے ' اوجی ' اجی ' ارے (مذکر کے لئے یاء مجہول) ' اری (مونث کے لئے یاء معروف) - باقی کے حرف ندا دونوں جنسوں میں مشترک ہیں سوائے ' ابے ' اور ' اوبے ' کے جو مذکر سے مخصوص

ہیں - 'اے' بھی مشترک ہے - 'اے بی' مونث کے لئے آتا ہے - 'اومیاں' مذکر کے لئے - 'ہوت' اور 'او ہو' بھی مشترک ہیں' جیسے 'بھیا ہوت' مادھو ہوت' بنو اوھو' بخشو اوھو —

حروف تحسین | چند حروف تحسین کے لئے آتے ہیں' جیسے' 'آھا'

'اھاھا' 'بل بے' 'بل رے' 'اوھو' 'ھسی بے' 'کچھ نہ پوچھو' - مثال' آھا (یا اھاھا) کس دھج سے چلی آتی ہے 'ھُئی' ['اُوھی' یا 'اُوئی' ؟] بے کافر ذرا ادھر تو دیکھ' اوھو جی ذرا ادھر تو دیکھیے' بل بے تیری سج مار ڈالا کافر نے' بلہ رے تیری آمد ہم تو وھیں تمام ھوگئے - گل گدا کو دیکھا ہے کہ کچھ نہ پوچھو - ['بل بے' اور 'بل رے' اب متروک ہیں]

حروف مذمت | چند حروف مذمت کے لئے آتے ہیں' جیسے 'چخے' 'چھیا' 'دور پار'

'درگور' 'اے ہے' 'صدقے کیا تھا' 'نوج ھوا' یہ سب عورتیں بولتی ہیں - 'تبرا ہے' 'لعنت ہے' 'پناہ بخدا' 'کتے کا گُوہ' یہ شہر کے مرد بولتے ہیں —

باب هفتم

پہلی فصل

چند ضروری فوائد کے بیان میں

— * —

حرکت و سکون

۱ - اردو کے طالبوں سے پوشیدہ نہ رہے کہ عربی اور فارسی کے بعض سہ حرفی الفاظ کے درمیانی حرف کو اردو میں ساکن سے متحرک بنا دیتے ہیں - جیسے 'شرم' اور 'گرم' کی 'ر' کو جو ساکن تھی مفتوح کر دیا ' اسی طرح کبر نرم، صبر، علم، ظلم، عقل، قبر، جبر، شکل، فکر، اجر، فخر، صلح- ظاہر ہے کہ مذکورہ الفاظ جو سب ساکن الاوسط اور 'برف' 'صرف' یا 'شُکر' کے وزن پر ہیں اردو میں بعض قابل لوگوں کے روز مرہ کے سوا جو [عام] استعمال کا لحاظ نہ کر کے تحقیق پر نظر رکھتے ہیں متحرک الاوسط تلفظ میں آتے ہیں - اسی طرح بعض متحرک حرفوں کو ساکن کر دیا گیا ہے، جیسے 'بشریت' سب جانتے ہیں کہ اس لفظ میں 'شین' مفتوح ہے مگر اس کے تلفظ میں شین ساکن بولا جاتا ہے —

۲ - 'محل' اور 'نظر' میں بیچ کا حرف مفتوح ہے اور مفرد حالت میں اسی طرح ادا ہوتا ہے لیکن جمع کی

حالت میں یہ فتحہ سکون سے بدل جاتا ہے ' جیسے نظروں میں ' متحلوں میں - یہ محلوں اور نظروں ' قبروں ' کے وزن پر بولے جاتے ہیں - یہ استعمال پر موقوف ہے ورنہ ' نظر ' اور ' محل ' قبر کے وزن پر نہیں بلکہ متحرک الاوسط ہیں جب کہ قبر ساکن الاوسط ہے - بعضے اردو داں ' محل ' کو جو اشر کے وزن پر ہے ' مہد ' کے وزن پر ادا کرتے ہیں اور ' خطر ' کو ساکن الاوسط بولتے ہیں - لفظ کے حرف ثانی کو بھی ترخیم کی حالت میں ساکن کردیتے ہیں ' مثل ' حسنو ' میں سین ساکن ' ' حسنو ' کی اصل حسن علی خاں یا حسن بیگ یا حسن علی ہے اور ہر جگہ سین متحرک ہے لیکن اردو [حسنو] میں کوئی سین کو متحرک ادا کرے تو ہنسا جائے - خلاصہ کلام یہ ہے کہ دانا لوگ ترخیم کے بعد منادیٰ کے دوسرے حرف کو ساکن کرنے کے سوا باقی چیزوں کو قاعدۂ کلیہ نہیں خیال کرتے ' اور جو کچھ مذکور ہوا اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں - عام استعمال کا اتباع واجب ہے —

حذف و تقدیر

اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہر زبان میں حذف اور تقدیر کلام میں بہت داخل ہیں - مثلاً ' جھوٹے کی ' ایسے شخص کے کلام کے جواب میں کہنا جسے سچائی سے واسطہ نہ ہو ' اس میں

'کی کے' بعد 'ایسی تیسی' محذوف ہے' اور بعضوں کے نزدیک گالی محذوف ہے- اور 'سر گذشت' جو اصل میں 'از سر گذشتہ' تھا- اور "یا علی" یعنی "یا علی آئیو"- کبھی تکرار تاکید کے معنی دیتی ہے' جیسے ''علی علی' یعنی جلد میری فریاد کو پہنچو - اور' فلانا نوکروں کا دشمن ہے' یعنی اپنے نوکروں کا دشمن ہے- اور 'خبر دار' یعنی خبر دار کہاں جاتا ہے- اور 'بیٹھو' یعنی بیٹھ تو چھکارہ' یہ مثالیں کافی ہیں ورنہ اردو میں محذوفات بہت ہیں' اور دانا کو خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں —

مقدرات

اب مقدرات کا ذکر کیا جاتا ہے' مثلاً "ہاے ہاے دلی" یہاں" ہم سے کیوں چھوٹی" مقدر ہے-'' گنا کی مسی'' اس میں "یاد ہے یا بھول گئے" مقدر ہے-' بس جی بس' یہاں ان میں سے کوئی فقرہ مقدر ہے' تمہاری بھی حقیقت معلوم ہوئی' تم کو بھی دیکھ لیا' بہت بیہودہ نہ بکو' یا' خدا کے واسطے چپکے رہو-' آے جی آے' یہاں' 'ہولی کے بھڑوے' مقدر ہے ' کتنا' یا 'کس قدر' جب کوئی شخص کسی کی تعریف یا مذمت کرے تو اس کے قول کی تصدیق میں مقدر ہوتا ہے' مثلاً کسی نے کہا کہ:- زید مفتری اور جھوٹا ہے'. دوسرا تصدیق میں کہیے گا ' کتنا' یا کس قدر مفتری

ہے کہ نظیر اپنا نہیں رکھتا، یا 'کس قدر' یا کتنا کے بعد اسی معنی کی عبارت اس کے ذہن میں ہوگی —

حذف اور تقدیر میں فرق یہ ہے کہ حذف کا قاعدہ مقررہ لفظ سے خصوصیت رکھتا ہے لیکن تقدیر اقتضاے محل کے موافق ہوتی ہے' جیسے 'سرگذشت' فارسی میں بہ معنی ماجرا مشہور ہے' اہل اردو بھی اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور بمعنی "سر سے گذرا ہوا" (از سرگذشتہ) بھی انہیں صاحبوں کے استعمال میں ہے کیونکہ فارسی میں 'از' محذوف ہوا اور از سرگذشتہ کی جگہ سرگذشتہ رہ گیا' دہلویوں نے آخر کی 'ہ' حذف کردی' پس 'سرگذشتہ' فارسی اور 'سرگذشت' اس معنی میں ہندی ہوا۔ ان لفظوں میں حذف کا قاعدہ پایا جاتا ہے۔ تقدیر کی مثال یہ ہے' کل مارا جاے گا زید اور باندھا جاے گا زید' ان میں 'دیکھہ لیجیو' مقدر ہے۔

— ☼ —

دوسری فصل
چند مفید اور اصولی نکتے

جاننا چاہئے کہ جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی' ترکی ہو یا سریانی' پنجابی ہو یا پوربی' اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح' وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے

تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح - اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے، کیونکہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہو، اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو -

اگرچہ اس نکتہ کی طرف پہلے بھی ضمناً اشارہ ہوا ہے لیکن اس کی تصریح مقصود ہے، اختصار کی نظر سے چند الفاظ یہاں دیے جاتے ہیں جو کافی ہوں گے، تمام الفاظ کی طویل فہرست پیش کرنا فقیر کے علم اور مقدور سے باہر ہے، وہ چند الفاظ یہ ہیں :-

دِلّی، فند، سنبل، منصّر، 'مچکّر' چپاڑ، مجاز، ماعلی، شیرو، پچاوا، صفا صفا، ارزق چشم، امّا، لکّا، تانبا، تنبورا، پیالا، ستارا، گل لالا، برقا، یار غار، المست، التوکلی، پرقیلیچ، شولا، چنبل، مہتابی، سبو، شنگرت، آبخورا، قلفی، قدر، کلک، غدر، صدر، عذر، سہی وغیرہ وغیرہ - ظاہر ہے کہ 'دلی' دھلی' ہے لیکن فارسی کے اشعار اور عبارت کے سوا اگر بے تکلفی کے وقت ہندی میں بولا جائے تو سمع خراش ہے - [مصنف کا منشا یہ ہے کہ 'دلی' بول چال میں اور 'دھلی' سنجیدہ تحریر اور اشعار فارسی میں مستعمل ہونا مناسب ہے، ایک

اور بات بھی رواج سے مستحکم ہو گئی ہے کہ اضافت کے تعلق اور تمام صرفی صیغوں میں 'دھلی' فارسی اعلام میں شمار ہوتا ہے' دلی' نہیں ہوتا' مثلاً 'دھلوی' 'دھلویت' 'دھلویانہ انداز' وغیرہ' یہ امتیاز صرف 'دھلی' کو نصیب ہوا' حالانکہ 'دھلی' بھی ایسا ہی ہندی الاصل ہے جیسا 'دلّی' بلکہ صوتیاتی نقطۂ نظر سے 'دلی' بمقابلہ 'دھلی' کے زیادہ فارسی معلوم ہوتا ہے]-

'فند' اصل میں 'فن' ہے لیکن مکر اور دغا کے معنی میں 'فند' پر اعتراض عاید نہیں ہوسکتا —

'سفیل' اصل میں فصیل تھا عالم فاضل اب بھی وہی لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن جو لفظ کہ قابل اور ناقابل کی زبان پر رواں ہے اور اہل اردو کا سامعہ پسند ہے وہ 'سفیل' ہی ہے' چاہے غلط ہی ہو —

'منصّر' اصل میں 'منحصر' ہے اور بعض عورتوں اور مردوں کی زبان سے گوشزد ہے' لیکن لایق اور استعداد والے 'منحصر' بولتے ہیں' اگرچہ منصر بھی سامعہ خراش نہیں —

'سچکر' مفعل کے وزن پر ایک ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں گردش کرنے والا' یہ تصرف اگرچہ عربی کی تقلید میں غلط ہے لیکن یہ لفظ صحیح ہے کیونکہ اردو

میں مروج ہے - [یہی حال ' مرغن ' اور ' فوق البھڑک ' کا مانند پڑے گا] - اسی طرح :-

' چپاڑ ' مبالغہ کے صیغے میں چوپڑ باز —

'مجاز ' بجاے مزاج جاهلوں کی زبان ہے 'منصر' کی مانند -

' ماعنی ' بمعنی ' معنی ' فصیح لفظ ہے اور اردو کے زبان دانوں میں مستعمل ہے گو اصل میں غلط ہے ' اصل لفظ ' معنی ' ہے لیکن خلاف اردو واقع ہوا ہے اردو میں ' ماعنی ' هی مستعمل ہے —

' شیر ' بجاے 'شعر کے اہل اردو کے استعمال میں ہے اور ' شعر ' (بالفتحہ وزن جعد) دهقانیوں کا لہجہ ہے -

' پچھاوا ' ' پڑاوا ' کے بدلے ' اینٹیں پکانے کا تنور —

' صفا صفا ' صفائی یعنی خالی ہونے کے معنی میں غلط ہے لیکن اردو میں مستعمل ہے —

'اوزق چشم ' اصل میں ' ازرق ' (بہ تقدیم زاء معجمہ) تھا لیکن اردو میں یہی فصیح ہے —

' انا ' اصل میں ' آنکہ' تھا اور ' تکا ' اصل میں اتکہ تھا -

' تانبا ' ' طعمہ باز ' کی جگہ —

پیالا ' ستارا ' یہ ' پیالہ ' اور ' ستارہ ' تھے ' تمام فارسی لفظوں کے آخر کی ' ہ ' اردو میں ' الف ' سے بدل جاتی ہے —

' گُل لالا ' (گُل کا لام ساکن) اصل میں کسرۂ اضافت کے ساتھ ' گُل لالہ ' تھا —

' برقا ' اصل میں ' برقع ' تھا ' لیکن اردو میں وہی غلط لفظ صحیح اور فصیح ہے —

' یار غار ' کسرۂ اضافت کے بغیر اردو میں فصیح ہے —

' پرقینچ ' معنی ' جس کے پر کترے ہوے ہوں ' اس میں قینچ بمعنی قینچی مستعمل ہوا —

' شولا ' کھانے کی ایک قسم ' اصل میں ' شلہ ' ہے —

' چنبل ' ' چنبر ' کی جگھہ ہے —

' مہتابی ' آتش بازی کا مہتاب —

' سیو ' سیب کا قایم مقام —

' شنگرف ' ' مسطر ' کے وزن پر ' تحقیق حروف میں اس کا ذکر آچکا ہے —

' آبخورا ' بجاے آبخورہ ' اردو میں اصل لفظ بھی بہت استعمال ہوتا ہے —

' قلفی ' بجاے ' قفلی ' —

' قدر ' (حرف دوم متحرک) بمعنی مرتبہ ' بجاے قدر (دال ساکن) —

' کلک ' بجاے سکون لام کی حرکت کے ساتھ —

' غدّر ' ' صدّر یہ دونوں لفظ اصل میں دال

ساکن سے ہیں —

'سای' اصل میں 'صحیح' تھا —

نکتہ | ان الفاظ کی کتابت جو اردو میں اصل کے خلاف مستعمل ہوتے ہیں مختلف ہے' کہیں تو اصل کی رعایت رکھی جاتی ہے اور کہیں نہیں - ظاہر ہے کہ 'طرح' حرف دوم کي حرکت اور سکون سے بھی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور بمعنی 'روش' وغیرہ آتا ہے لیکن کتابت میں اصل کی رعایت رکھی جاتی ہے' یعنی 'ط' اور 'ح' سے لکھتے ہیں - لیکن 'سہی' کو ہندی قرار دیکھ کر 'صاد' اور 'حاء حطی' کی جگھہ 'سین' اور 'هاء ہوز' سے لکھتے ہیں اور آخر کی 'ح' کو حذف کر دیتے ہیں —

توالی حرکات | عربی میں ایک کلمہ میں توالی حرکات اربعہ ممنوع ہے' یہی حال ہندی میں توالی حرکات ثلاثہ کا ہے' مثال' شرف النساء دوسرے حرف 'ر' کو سکون کے ساتھہ بولنا اچھا ہے' اُس کے فتحہ کے ساتھہ غلط اور مکروہ ہے اگرچہ اصل کے اعتبار سے صحیح ہے - اسی طرح 'شکرانہ'' 'کاف' کے سکون کے ساتھہ اور 'نظروں' 'ظ' کے سکون کے ساتھہ بولنا اور باندھنا صحیح اور فصیح ہے —

کسرۂ اضافت | دو ہندی لفظوں یا ایک ہندی اور ایک غیرہندی (عربی فارسی وغیرہ) کے ساتھ کسرۂ اضافت کا استعمال غلط ہے' لیکن فارسی عبارت میں اشیا کی حقیقت کے بیان میں دونوں صورتیں جایز ہیں- [ہندی اور ہر زبان کے اعلام مستثنیٰ ہیں]-

نون کا اعلان | ہندی (اُردو) شعر میں صفت اور مضاف البتہ میں اگر مضاف اور موصوف مذکور ہوں تو 'نون' کا اعلان غلط ہے [یعنی کسرۂ اضافت کے بعد جو لفظ ہو اس کے آخر کے 'نون' کا اعلان غلط ہے- وہ نون غنہ ہونا چاہئے] - جیسے 'دیدۂ گریاں' اور 'سرو گلستاں' میں 'نون' کا اعلان غلط ہے - فقط

— * —

باب ہشتم

فن بیاں

[یہ باب مرزا محمد احسن قتیل فریدآبادی کی تالیف ہے' اگرچہ اُردو زبان کی قواعد سے اس کا سیدھا تعلق نہیں لیکن سید انشا دوستدار ہی نہیں دوست نواز بھی تھے' 'رنگیں' کے زنانہ بولی کے محاورات کی

طرح قتیل کی اس تحریر کو بھی انھوں نے اپنی کتاب میں شامل کرلیا - اب مترجم مستہام نے اسے اس لئے متروک نہیں کیا کہ مثالوں میں جو نظم اور خصوصاً نثر کے ٹکڑے مرزا قتیل نے دیے ہیں وہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور اب سے ڈیڑھ سو برس سے پہلے کی زبان اُردو کے نمونے پیش کرتے ہیں - یہ نہ لئے جاتے تو ضایع ہو جاتے] -

— * —

پہلی فصل

تمہید

منقول | معلوم ہو کہ ہر لفظ جو توضیع کے عندیہ کے خلاف مشہور ہو جاے اسے منقول کہتے ہیں مگر شرط یہ ھے کہ اصلی معنی میں اس کا استعمال ترک ہوگیا ہو، جیسے: 'ٹوپی والا' بمعنی مغل - ظاھر ھے کہ جس کے سر پر ٹوپی ہو اُسے ٹوپی والا کہنا صحیح ھے - لیکن ولایت کے آدمیوں کے سوا خواہ وہ سید ھوں یا مغل یا افغان دوسرے کو 'ٹوپی والا' نہیں کہتے —

منقول کی دو قسمیں ہیں، 'عرفی' اور 'شرعی' - پھر عرفی دو قسموں پر منقسم ھے، یا تو یہ کہ عرف عام

میں استعمال ہو جیسے ٹوپی والا' یا عرف خاص میں مستعمل ہو' جیسے : "کافور ہو جاؤ" یعنی چلے جاؤ' یہ بعض اہل اُردو سے مخصوص ہے- اور 'شرعی' یہ ہے' جیسے تعزیہ بہ معنی امام علیہ السلام کا تابوت- اگر کبھی اصلی اور کبھی نئے معنوں میں مستعمل ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یعنی اگر اصلی معنی میں مستعمل ہوگا تو اسے 'حقیقت' کہیں گے اور اگر نئے معنی میں مستعمل ہو تو 'مجاز' کہلائے گا' جیسے قارورہ' جس کے معنی اصل میں شیشہ ہیں نہ کہ وہ چیز جو اس میں بھرکر طبیب کو دکھائی جاتی ہے-

مجاز | مجاز تین قسموں پر ہے (۱) 'ماؤول الیہ'- مثل : طالب علم کو مولوی کہنا اس نظر سے کہ وہ آیندہ فارغ التحصیل ہوکر مولوی کہلائے گا- (۲) 'مُرسل' اور یہ کئی نوع پر منقسم ہے' جیسے پروانہ بمعنی عاشق- اور جو تشبیہ پر متضمن ہو اسے 'استعارہ' کہتے ہیں- اور جس میں نئے معنی اصلی معنی سے لئے گئے ہوں اور اس لفظ کے اول معنی کے استعمال کے وقت دوسرے معنی کے وجود کی قوی دلیل موجود ہو تو اسے 'کنایہ' کہتے ہیں —

اس صورت میں فن بیان میں تین چیزوں کا ذکر ضروری ہوا یعنی 'مجاز' 'کنایہ' اور 'استعارہ'- اور

یہی تین چیزیں اس فن میں اصول کا حکم رکھتی ہیں۔ چونکہ استعارہ مجاز ہے یا تشبیہ اس وجہ سے طالب علم کے لئے پوری طور پر تشبیہ سے واقف ہونا واجب ہے۔ لہذا تشبیہ کو چوتھی چیز قرار دینا اس فن کے مسلمات سے ہے تاکہ لازم اور تضمینی معنی کو معنی موضوع لہ کے سوا استعمال کر سکیں، جیسے یہ کہنا :- شیر آتا ہے۔ یعنی شجاع آدمی آتا ہے۔ چونکہ شجاعت شیر کا لازمی خواص ہے اور شجاع آدمی کے لئے بھی شجاعت لازم ہے اس لئے چونکہ لفظ شیر سے کہ جس کا لازمہ شجاعت ہے متکلم کی مراد شجاع ہے —

چونکہ کنایہ میں معنی لازم کے ذکر کے وقت اصلی معنی ملزوم بھی زیر نظر رہتے ہیں اور مجاز میں ایسا نہیں ہوتا اس لئے کنایہ کو نوع سمجھنا چاہئے اور مجاز کو جنس، یعنی مجاز کنایہ کا جز ہوا —

الغرض قاعدے کی رو سے مجاز کو استعارہ پر اور استعارہ کو کنایہ پر مقدم رکھنا چاہئے — لیکن اہل بلاغت نے استعارہ کے ذکر کو مجاز سے پیشتر بہتر سمجھا ہے، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اجزائے تشبیہ کے سبب سے استعارہ کی بحث مجاز کی بحث سے زیادہ ہے، جس کے مطالعہ اور دریافت کی بدولت مجاز

کی بحث سہل ہوجاتی ہے - اور کتابوں میں استعارہ کا ذکر تشبیہ کے بعد آتا ہے ' وجہ یہ کہ تشبیہ کی بحث استعارہ کی بحث سے زیادہ طویل ہے —

— * —

دوسری فصل

تشبیہ

تشبیہ کیا ہے ؟

فن بیان کے چہارگانہ اصولوں کو جن کا مدار تضمنی اور التزامی دلالت پر ہے ' جنھیں عقلی بھی کہتے ہیں تشبیہ کہا گیا ہے' اس سے مراد ہے دو الگ چیزوں کا ایسے امر میں جو اُن دونوں میں مشترک ہو ملا دینا ' ضروری ہے کہ یہ اشتراک اُن میں سے ایک چیز میں کم ہو اور ایک میں زیادہ تاکہ کم کو زیادہ کے برابر کہہ کر اس کی وقعت بڑھائی جائے - وہ مشترک حقیقت میں ہوگا یا صفت میں ' جو دو چیزیں حقیقت میں مشترک ہوں گی صفت میں جدا ہوں گی اور اگر صفت میں مشترک ہوں گی تو حقیقت میں جدا جدا ہوں گی - اگر حقیقت اور صفت دونوں میں مشترک ہوں یا جدا جدا ہوں تو ان دونوں حالتوں میں تشبیہ باطل ہوگی - اشتراک حقیقت کی مثال :- گدھا ھاتھی کی

مانند ھے - یعنی حقیقت میں دونوں حیوان ھیں اور صفت میں ھاتھی ھاتھی ھے اور گدھا گدھا - اشتراک صفت کی مثال :- زید گھوڑے کی طرح دس کوس جاتا ھے - یعنی چلنے کی صفت میں زید اور گھوڑا برابر ھیں اور حقیقت میں مختلف یعنی زید حیوان ناطق ھے اور گھوڑا حیوان مطلق - پہلی تشبیہ میں متکلم کا مقصود ایک عام حقیقت ھے اور دوسری تشبیہ میں خاص حقیقت، اردو میں بد خلق [اور بد زبان] آدمی کو " کت کھنا کُتا " کہتے ھیں، اگرچہ آدمی اور کُتا حقیقت میں مغایرت رکھتے ھیں لیکن صفت میں انھیں اشتراک ھے - کہتے ھیں ' فلانا گدھا ھے ' یا شیر ھے ' یا پری ھے یا کتا ھے ' یا گینڈا ' یہ سب جدا جدا صفت کے اعتبار سے کہا گیا - ' گدھا ' حماقت کے اعتبار سے ' ' شیر ' شجاعت کے اعتبار سے ' ' پری ' خوبصورتی کے اعتبار سے ' ' کتا ' بد خلقی کے اعتبار سے اور ' گینڈا ' مٹاپے کے اعتبار سے کہا گیا - اشتراک دوگانہ کی مثال :- " زید کا گھوڑا جو کمیت ھے اور سو کوس جاتا ھے وہ ایسا ھے جیسا عمرو کا کمیت گھوڑا کہ سو کوس راہ جاتا ھے " - اس صورت میں دونوں گھوڑے حقیقت اور صفت یعنی رنگ

اور چالنے میں یکساں ھیں ' اس لئے اس میں تشبیہ کا فائدہ حاصل نہیں ھوتا - [یہ مذکور اس طرح ادا ھونا چاھئے تھا :- زید اور عمر کے کمیت گھوڑے سو کوس کا دم رکھتے ھیں]

ارکان تشبیہ | ارکان تشبیہ پانچ ھیں ' مشبہ ' مشبہ بہ ' وجہ شبہ ' حرف تشبیہ ' غرض تشبیہ -

' مشبہ ' وہ ھے جسے ایک چیز سے جو اُس سے صفت میں زیادہ ہو تشبیہ دیں ' اس میں مدح و ذم کی شرط نہیں —

' مشبہ بہ ' وہ ھے جو صفت میں مشبہ سے بڑھکر ھو اور اس کی قدر بڑھادے —

' وجہ شبہ ' وہ ھے جس کا ذکر کیا جائے —

' حرف تشبیہ ' وہ ھے جو تشبیہ پر دلالت کرے —

' غرض تشبیہ ' جس لئے ایک چیز کی دوسری چیز سے تشبیہ دی جاے - مثال :- فلانے کا چہرہ روشنی میں مانند آفتاب کے ھے ' اس میں ' چہرہ مشبہ ' آفتاب مشبہ بہ ' روشنی وجہ شبہ ' مانند حرف تشبیہ ' ترقی معشوق [جو مذکور نہیں] غرض تشبیہ ھے —

حروف تشبیہ

حروف تشبیہ اردو میں بہت ہیں ' ماندد ' بھی اردو میں مستعمل ہے اور فصحا ' نظیر ' ' عدیل ' ' مقابل ' ' مشابہ ' استعمال کرتے ہیں ' اور ' برابر ' ' جیسا ' ' جوں ' وغیرہ ریختہ والوں کے استعمال میں آتے ہیں —

تشبیہ کے اقسام

(۱) تشبیہ مفصل وہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور ہو ' جیسے ' فلانا شجاعت میں شیر جیسا ہے —

(۲) تشبیہ مجمل وہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور نہ ہو ' جیسے ' فلانا شیر جیسا ہے - تشبیہ مجمل تشبیہ مفصل سے بہتر ہے —

(۳) تشبیہ موکد وہ ہے جو حرف تشبیہ رکھتی ہو ' بغیر اس کے مرسل ہے اور مرسل موکد سے زیادہ بلیغ ہے ' مثال ' فلانا شیر ہے —

(۴) مشبہ اور مشبہ بہ ' عقلی 'ہوں گے یا ' حسی ' - حسی کی مثال چہرہ اور آفتاب کی تشبیہ میں آگے آچکی - عقلی کی مثال میں علم کو حیات سے اور جہل کو موت سے تشبیہ دینے میں سمجھو - جہل اور علم دونوں عقلی امر ہیں حسی نہیں - اگر مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں تو وجہ شبہ حسی یا عقلی کوئی ہوسکتی ہے ' مثال وجہ شبہ حسی کی مشبہ اور مشبہ بہ حسی میں آچکی - مشبہ اور مشبہ بہ حسی میں وجہ شبہ

عقلی کی مثال یہ ھے :- مولوی فخرالدین صاحب میرے نزدیک ایسے تھے جیسے مسلمان کے نزدیک قرآن شریف - مولوی فخرالدین صاحب اور قران شریف دونوں محسوس ھیں اور دونوں میں وجہ شبہ آدمیوں کی ھدایت ھے اور یہ عقلی امر ھے —

اور اگر مشبہ اور مشبہ بہ عقلی ھوں تو ضروری ھے کہ وجہ شبہ عقلی ھو نہ کہ حسی، جس طرح علم کی تشبیہ میں زندگانی سے بقائے نام اور 'جہل' کی تشبیہ میں گم نامی کو موت سے تشبیہ ھے -

کبھی مشبہ عقلی ھوتا ھے اور مشبہ بہ حسی، اور کبھی اس کے برعکس، جیسے 'خلق کریم' کی تشبیہ 'عطر' سے، یا 'روح' کی تشبیہ پھول سے - یا اس کے برعکس، یعنی مشبہ بہ حسی ھو اور مشبہ بہ اور وجہ شبہ عقلی ھوں، جیسے 'آگ' کی تشبیہ ذھن و قاد سے —

اور اگر تشبیہ میں دو مشبہ اور مشبہ بہ ھوں تو اس تشبیہ کو 'تشبیہ تسویہ' کہتے ھیں - اور دو مشبہ بہ اور ایک مشبہ ھو تو اسے 'تشبیہ جمع' کہتے ھیں - اور اگر ھئیت اجتماعی مشبہ کی اور دوسرے کی ھئیت اسی صفت سے موصوف ھو تو اسے 'تشبیہ مرکب' یا 'تشبیہ ممثل' کہتے ھیں —

ایک اور قسم تشبیہ کی ہے جسے 'تشبیہ تفضیل' کہتے ہیں یعنی مشبہ کی بزرگی کا مشبہ بہ سے بیان —

تشبیہ تسویہ کی مثال ' تیرے بال اور میرا حال دونوں اندھیری رات ہیں - مثال تشبیہ جمع ' آج کی اندھیری رات ایسی سیاہ ہے جیسے میرا دن اور تیری چوٹی ' - تشبیہ تمثیل کی مثال ' لہو بھری تلوار میں جوھر ایسے نمایاں ہیں جیسے کالی گھٹا میں بجلی کے چمکنے سے تارے نظر آئیں - تشبیہ تفضیل کی مثال ' چاند تو تو ہے لیکن چاند نے یہ کج کلاھی کہاں پائی' یا ' قد تیرا مانند سرو کے مسلم لیکن سرو میں یہ قبا پوشی کہاں-

---

تیسری فصل

استعارہ

لغت میں استعارہ کے معنی ہیں کوئی چیز مانگی لینا اور بلیغوں کی اصطلاح میں مجاز با تشبیہ سے مراد ہے یعنی مشبہ بہ کا مجازاً ذکر ہو اور حقیقت میں مشبہ کا ذکر مرکوز خاطر ہو ' یا یہ کہ جو کچھہ از روے حقیقت مشبہ بہ کے لیے مناسب ہو وہ مجاز کی رو سے مشبہ میں ثابت کریں ' یا یہ کہ جو کچھہ اصل میں مشبہ کے مناسب ہو وہ مشبہ بہ سے منسوب کریں ' اور کبھی مشبہ بہ کی جگہ

اس کی ضد تعریض یا مخالفت سے مجازاً مذکور کریں - اول کی تین قسموں کو ' اتفاقیہ ' اور چوتھی قسم کو ' عنادیہ ' کہتے ہیں ' مثال قسم اول ' کالا ناگ آتا ہے ' یعنی موذی آدمی آتا ہے ' یا میری ہرنی کو لاؤ ' یعنی میری محبوبہ کو لاؤ ' یا چاند رتھہ میں جاتا ہے ' یعنی میری محبوبہ جو چاند جیسی ہے رتھہ میں جاتی ہے - مثال قسم دوم ' موت کے پنجے سے کوئی بھی جیتا بچا ہے ؟ یعنی موت سے جو شیر کی مانند ہے کس طرح جان بچ سکے - مثال قسم سوم ' تیرے سرمہ میں رنگے کنول ' اور تیری انگیا کے بھونرے کسی کے ایمان کو باقی نہیں رکھتے ' ظاہر ہے کہ سرمہ کو کنول سے کچھ علاقہ نہیں لیکن محبوب کی آنکھہ سے ہے ' یہی حال بھونرے اور انگیا کا اور جس حصۂ جسم کی وہ پوشش ہے اس کا ہے - مثال قسم چہارم ' شیر آتا ہے ' جب کہ اس سے بزدل شخص مراد ہو ' یہاں تعریض کا پہلو آگیا - اگر یہ کہیں کہ لومڑی آتی ہے ' تو یہ بغض اور عداوت کے تقاضے سے ہے —

استعارے کی بحث میں مشبہ کو مستعار لہ اور مشبہ بہ کو مستعار منہ ' اور لفظ کو مستعار کہتے ہیں ' جیسے ' نرگس ' کہ اس لفظ کو مستعار اور معشوق کی آنکھہ

کو جو کہ مشبہ ہے مستعار لہ اور نرگس کے پھول کو جو مشبہ بہ ہے مستعار منہ کہیں گے —

مشبہ کو مستعار لہ اس لیے کہا کہ لفظ کا استعارہ اس کے لیے ہے یعنی نرگس کا لفظ گل نرگس سے آنکھہ کے لیے مانگا لیا گیا اور مشبہ بہ مستعار منہ اس سے بنا کہ اس سے یہ لفظ لیا گیا —

چوتھی فصل

مجاز وغیرہ

مجاز | مجاز یا 'ماٴیول الیہ' ہوتا ہے یا 'مرسل'۔ ماٴیول الیہ اسے کہتے ہیں کہ جو کچھہ اس سے نتیجہ نکلے وہ زمانہ کا پابند نہ ہو' جیسے' میں نہیں جانتا یہ مردہ کب مرا ' یا اس مقتول کو کس نے قتل کیا ہے - مردہ کا مرنا اور مقتول کا قتل ہونا زمانۂ گزشتہ پر نظر ڈالتا ہے جو ان دونوں کی زندگی کا عہد تھا ' اور مردہ کو زندہ ہونے کی حالت میں مردہ کہنا بہ نظر زمانۂ مستقبل اس کا مرنا ثابت کرنا ہے - یہی حال 'مقتول' کا ہے - اور اس نوجوان کو جو ابھی علم حاصل کر رہا ہے 'مولوی' کہنا آیندہ زمانے پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے اور طبیب کے بیٹے کو طبیب کہنا زمانۂ ماضی

پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے اس خیال سے کہ اس کا باپ طبیب تھا —

مرسل | مرسل کے معنی ہیں جو گزر چکا ہو، یہ نام اس کو اس لیے دیا گیا کہ اس میں تشبیہ کے علاقہ کو ترک کر دیا ہے - اس مجاز کی کئی قسمیں ہیں، کبھی سبب بجائے مسبب کے مذکور ہوتا ہے اور مسبب بجائے سبب کے، مثال، جس ندی نالے کو جنگل میں دیکھا سب میں مینہ نظر آیا یعنی پانی جو مینہ کا مسبب ہے - اور تمام دن آج باجرا برسا کیا، یعنی ہلکی ہلکی بارش ہوتی رہی جو غلہ کی پیداوار کا سبب ہے - اور ظرف کو مظروف کے بدلے اور مظروف کو ظرف کی جگہ استعمال کرنا، مثال، گلاب کو طاق میں رکھدو، یعنی گلاب کے شیشے کو طاق میں رکھدو، اور ان کا قارورہ بہت سرخ ہے یعنی پیشاب جو قارورہ میں ہے بہت سرخ ہے - اور خاص کو بجاے عام اور عام کو بجاے خاص لانا، جیسے فلانا آدمی بنو پر پروانہ ہے یعنی عاشق ہے، پروانہ خاص ہے اور عاشق عام، اور کپڑا میرا بھیگ گیا یعنی انگرکھہ میرا بھیگ گیا - کپڑا عام ہے اور انگرکھ خاص ہے - اور جز کو بجاے کل اور کل کو بجاے جز استعمال کرنا، جیسے، حقہ لاؤ بجاے قلیاں نیچہ چلم مع

تمبا کو اور آگ کے ' ظاہر ہے کہ حقہ اس اجتماعی ہئیت کا ایک جز ہے - اور ' گھر ہمارا گر پڑا ' اس کی جگہ کہ ہمارے گھر کی دیوار گر پڑی ' دیوار تمام گھر نہیں بلکہ گھر کا صرف ایک جز ہے —

کنایہ کا حسن و قبح | جاننا چاہئے کہ حسن و قبح ہر چیز میں ہوتا ہے ' تشبیہ ' استعارہ اور مجاز جو کچھہ بھی ہو اگر اس میں ندرت ہو اور ابتذال نہ ہو تو بہتر ہے ' اسی طرح جو کنایہ سریع الفہم اور مبتذل ہو وہ نکما ہے' جیسے ' پیٹ کا ہلکا ' یعنی جو رازداری سے عاری ہو ' یا بے مہار اونٹ ' یعنی منہ پھٹ - اگر یوں کہیں تو یقیناً زیادہ بلیغ ہو گا : — فلانا حلال خوروں کا روپے دینے والا ہے' یعنی سخی ہے - [یہ مرزا صاحب کا محض ادعا ہے ' ابتذال ہے تو آخری مثال میں] —

باب نہم

علم بدیع

پہلی فصل ' جناس

تجنیس | جناس کو تجنیس بھی کہتے ہیں' اس کے معنی ہیں دو لفظوں کا باہم مشابہ ہونا اس

کی کئی قسمیں ہیں —

تجنیس تام | ترکیب کے بغیر دو لفظوں کا حروف اور حرکات میں یکساں ہونا تجنیس تام کہلاتا ہے جیسے مونڈھا، جو بیٹھنے کی ایک چیز کا نام بھی ہے اور شانہ یعنی کندھے کا بھی —

تجنیس ناقص | جب حروف ایک ہی ہوں لیکن حرکات میں اختلاف ہو تو اسے تجنیس ناقص کہتے ہیں، جیسے بَیر (موحدہ مفتوح) بہ معنی دشمنی اور بیر (یاء مجہول) ایک پھل —

تجنیس مکرر | یعنی مقابل کے لفظ میں سے ایک ٹکڑا لے کر اس کے ساتھ ہی استعمال کرنا جیسے، بیت —

ہم سے کیوں رکھتا نہیں ہے وہ بت خود کام کام
جس نے اپنا کر دیا ہر ایک پر انعام عام

تجنیس مرکب | ایسے دو کلموں کو ترکیب دے کر ایک کلمہ بنا لیں جو مقابل کے سالم کلمہ کے برابر ہو جائے، اس کی دو قسمیں ہیں 'مقرون' اور 'مفروق' - مقرون وہ ہے کہ تلفظ اور کتابت دونوں میں مشابہ ہو اور مفروق وہ جو صرف تلفظ میں مشابہ ہو، دونوں کی مثال :—

تجھ کو نہ کبھی دیکھہ مجھے ترس آیا
بھر عمر نظارے کے لیے ترسایا

تقصیر سوائے عشق کے کیا مجھہ سے ہوئی
دُر تک تو خدا سے کافرا ترسایا

تجنیس خط | جب بلالحاظ تلفظ و نقاط صرف حروف میں مساوات ہو جیسے، مشکیں اور مسکیں، خط اور خط، پاک اور باک –

تجنیس زاید | جب دو لفظ تلفظ اور حروف میں باہم مشابہ ہوں لیکن ایک لفظ میں ایک حرف زاید ہو، جیسے، چاہ (کنواں) اور چاہا (محبت کی) - بال اور وبال، کار اور کنار —

تجنیس مطرف | جب دو لفظوں میں صرف آخر کے حرف مختلف ہوں، جیسے، آزاد اور آزار، آفاق اور آفات —

ترصیع

جب نثر کے دو جملوں یا شعر کے دو مصرعوں میں یہ التزام رکھا جائے کہ الفاظ علی الترتیب ہموزن ہوں تو اسے ترصیع کہتے ہیں، جیسے، پونڈا پھیکا اتنا برا کہ جس کی برائی بیان سے باہر ہے، پونڈا میٹھا

ایسا بھلا کہ اس کی بھلائی گمان سے بڑھ کر ہے —

مکھڑا ترا ظہور خدائے کریم ہے
گو جا بجا وفور بلائے عظیم ہے

ترصیع باتجنیس | مثال ' مقصود بیگ دو [مقصود بیگ نام ہے] ' مقصود بیگ [جلدی] دو ' [یعنی جو چیز ہم کو مطلوب ہے وہ جلدی عطا کرو] اور [روکو مت ' جانے دو - روکو ' مت جانے دو (معنی ظاہر)]

معرب | یعنی زیر ' زبر ' پیش جو تین اعراب ہیں ان میں سے صرف ایک ہی ساری عبارت میں آے ' باقی دو کہیں نہ آئیں [یہ صنعت بمنزلہ 'کوہ کندن و کاہ بر آوردن' ہے] —

اشتقاق | ایسے چند لفظ استعمال کرنا جو ایک ہی مصدر سے مشتق ہوں ' جیسے ' جس جانے والے کو دلی جانا ہو جاتے جاتے چاہیے کہ ہم سے رخصت ہو کے جاوے اس طرح کے جانے میں اس کا کیا جاتا ہے —

مسجع | مسجع کی تین قسمیں ہیں ' متوازی ' مطرف ' اور موازنہ - ' متوازی ' وہ ہے جس میں دو لفظ حرفوں اور حرکت میں شمار کی رو سے برابر ہوں' بالکل ایک دوسرے کی مثل نہ ہو' مانند ' وقار ' حصار ' کنار ' کبار - ' مطرف ' وہ ہے کہ جس میں دونوں لفظوں

کا ایک ایک جز برابر ہو، جیسے 'اطوار؛ حصار' کہ ان کا ایک ایک جز 'وار' اور 'صار' باہم سجع واقع ہوا ہے - اور بعضی بحروں میں اطوار اور حصار قافیہ بھی آتے ہیں اور بعضے اوزان میں نہیں - 'موازنہ' اسے کہتے ہیں جس کے دو لفظ وزن میں مساوی ہوں، روی کی شرط اس پر عاید نہیں ہوتی، جیسے، گُل، پَر، دل، دُر، سر، خم - موازنہ کی مثال :- تیرا باپ عجب بشر ہے جس کا مان سدا رہا ہے - پہلی دو قسمیں عام ہیں اور نظم و نثر میں آتی ہیں، آخری قسم نثر سے خصوصیت رکھتی ہے —

بعض متقدمین فارسی نے مسجع غزل میں اصلی قافیہ کی پابندی نہیں کی اور صرف سجع ہی کو کافی سمجھا، سعدی -

اے ماہ عالم سوز من از من چرا رنجیدۂ
وے شمع شب افروز من از من چرا رنجیدۂ
اے قبلۂ من روے تو وے کعبۂ من کوے تو
صد ہمچو من ہندوے تو از من چرا رنجیدۂ

تلمیع | متعدد زبانوں کے جمع کر دینے کو تلمیع کہتے ہیں یعنی ایک بیت میں دو زبانیں ہوں اور خمسہ میں پانچ، مثال :-

جھپکی سی ہمیں دور سے دکھلا کے خدا را
اے نور خدا در نظر از روے تو ما را

بدایع معنوی

تضاد | جو لفظ مذکور ہوا اس کی ضد استعمال کرنا، مثال، جو تھوڑا ہنسے گا سو بہت سا رووے گا، ظاہر ہے کہ 'تھوڑا'، 'بہت' کی اور 'ہنسا'، 'رونے' کی ضد ہے -

طباق | اسے مراعات نظیر بھی کہتے ہیں، اس میں الفاظ کی باہم رعایت رکھی جاتی ہے، مثال:---

فلانا ہندو بچہا جو نیا نیا مسلمان ہوا ہے کل
جو کسی نے اس کے سامنے گنگا کا ذکر کیا اور
بزرگی اس کی پوچھی تو مارے شرم کے پانی
پانی ہوگیا نزدیک تھا کہ چہرہ سے اس کے
پسینے کے نالے بہنے لگیں یا اگر ہوسکے تو
چلو بھر پانی میں ڈوب مرے -

'پانی'، 'بھر' وغیرہ کو دریا سے تعلق ہے -

ایہام طباق و تضاد | یعنی ایسا لفظ استعمال کرنا جس کے دو معنی ہوں، ایک قریب اور ایک بعید، ایک جماعت ہندوستان میں جگت باز یا ضلع بولنے والوں کے نام سے مشہور ہے - یہ لوگ صنایع کے ادا کرنے میں شاعروں سے بڑھے ہوے ہیں، ان کی کوئی بات

تجنیس ، مراعات نظیر اور ایہام سے خالی نہیں ہوتی - فارسی میں ایسے لوگوں کا لقب بذلہ سنج اور لطیفہ گو ہے اور عربی میں بلیغ -

جو شخص علم بیان و بدیع کے عالم ہیں ان لوگوں کے سامنے گویا گونگے ہیں ، کیونکہ اس فن کا جاننے والا تو بڑے جد و جہد اور اہتمام سے ایسی عبارت ٹھیک ٹھاک کر سکے گا جب کہ ان لوگوں کو تلاش اور کوشش کے بغیر یہ چیزیں بر زبان ہیں —

حضرت دہلی کی بربادی کے بعد لکھنؤ میں اس جماعت کے چند آدمی نامی ہوئے ہیں - اس مبارک زمانے میں ہوا کے اعتدال کے سبب سے اس شہر (لکھنؤ) کے باشندوں کی روحِ نفسانی خدا کے فضل سے روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور نابالغ لونڈے بھی اگلے زمانے کے پختہ کلاموں کو پرے بٹھاتے ہیں اور ضلع کے سوا دو مختلف اور متضاد چیزوں میں ایک لفظ سے مناسبت پیدا کر دیتے ہیں اور اس کو 'نسبت' کہتے ہیں ، مثلاً ، " اگر کوئی پوچھے کہ کندویئں اور آتشبازی میں کیا نسبت ہے ؟ " تو کہنا چاہئے " چرخی " - یا یہ سوال ہو کہ :- " بندوق اور مہاجن اور فرنگی میں کیا نسبت ہے " ؟ تو جواب ہو گا " کوٹھی " - یا " چوپڑ اور دوپٹہ میں کیا نسبت ہے " ؟ جواب

دیں گے "گوتا" * ـــ

ضلع کی مثال جس میں دریا کے مناسبات جمع کیے گئے ہیں :ـــ

آپ کا 'بھرہ' کچھہ آج کُھل گیا ہے' والدہ تمھاری بات 'پانی' بہت مشکل ہے - ہمیں کل 'سوتا' چھوڑ گئے - ہر چند ضعف 'نالی' کی تو بھی رتھہ میں جگہ 'ندی' ایک 'باولی' رنڈی کے کہنے سے ہماری 'چاہ' دل سے اُٹھادی - بات کا نہ سننا آپ کے جدّو 'آبا کا طریق چلا آتا ہے' دو کبوتر مکھی اور ایک 'گھا گھرا' مرزا جان کے 'بیاہ' کے دن تانبے کا 'چمبل' بیچ کر مول لیے تھے سو کوئی آدمی چرالے گیا ایک 'راوی' یوں کہتا ہے کہ سرکار کا غلام لے گیا ہے پروہ راوی کچھہ رند' مشرب' سا ہے دن رات اسی سعی میں ہے کہ دو آدمیوں کو لڑا دیجیے' مراد خاں تو تلا حیات خاں سے کہتا ہے کہ 'بیٹا' اس کی ایک بات نہ مانیو اس لیے بندہ آپ سے بولتا نہیں اگر تحقیق ہو تو پھر سرکار کے غلام کو یہاں 'جمنا' مشکل ہو جاے گا میں تو بنارس چلا تھا اس واسطے 'اٹک' گیا کہ چور معلوم ہو جاوے اس غلام کو آپ نے اپنا 'نربدا' ہے اور کوئی تو خاکروب

* جیسے مرزا قتیل 'نسبت' کہتے ہیں حضرت امیر خسرو کی ایجاد ہے اور اسے 'دوسخنا' کہتے تھے - اُن میں سے بہت سے دو سخنے مشہور اور کتابوں میں مذکور ہیں مثلاً "گھوڑا اڑا کیوں' پان سڑا کیوں" ؟ جواب ' "پھیرا نہ تھا" - "وزیر کیوں نہ رکھا' انار کیوں نہ چکھا" ؟ جواب - "دانا نہ تھا" -

- (مترجم)

کے برابر بھی نہیں جانتا ہے - سرکار عالی کے تو ایسے
ہی لوگ قوت بازو اور یار وفادار ہیں، دو جوڑہ
شال محمد لیث کشمیری دزدیدہ بود اور اس پر آپ
کو یہ 'گھبھیر' سمجھتا ہے کہ اللہ اللہ جس وقت کمخاب
کی قبا پہن کر 'کرا' گھوڑا کداتا ہے اُس وقت شان
اُس کی دیکھا چاہیے - آپ منھ نہ لگائیں تو پھر 'دھوبی'
کا کتا نہ گھر کا ہے نہ گھاٹ کا لیکن خدا جانے اُس
نے پار سال سے کیا جادو کیا ہے کہ آپ وار وار جاتے
ہیں کیوں نہ پھر 'پچاس بات' کا ٹیکہ پہنے، جب خاوند
کی یہ صورت ہے اور سب باتیں تو 'درکنار' کل کی بات
ہے کہ ایک پیسے پر جھنامل دلال کو پچاس مچھیاں
دیتا تھا اور بات بات میں روتا تھا محلے والوں نے
'مرزا رود' نام رکھا تھا، نہ مانو تو میر 'منگا' کے بیٹے
میر 'جھینگا' سے پوچھ لو - آپ کو کیا مناسب ہے کہ اس
'مگرے' کو اس قدر منھ لگایا ہے - قبلہ بہت گھمنڈ نہ
کیجیے گا گھڑی میں 'گھڑیال' ہے - انگریز کے جاسوس
جابجا ہیں - خدا نہ کرے کہ آپ کی بعضی باتوں کی
خبر ہو جائے تو 'ناکے' سے نکلنا دوبھر ہو جائے گا - یہ
فرمائیے کہ 'جہاز' صاحب کی خدائی نے آپ کی جان
بچائی یا کچھ روپیہ یا کوئی دوست کام آیا - خدا
کے واسطے 'پینس' پر چڑھ کے 'نہ خدا' کو بھول جائیے'
یہ باتیں کچھ اور ہیں اور بات رنڈی کے سامنے کچھ
اور ہے کہ ذرا طبلہ جو برا بجا تو کہنے لگے بج رے
طبلے بجاتا کیوں نہیں - ایک غلام آپ کا ہے اور ایک
غلام میاں فہیم تھے کہ ایک 'پل' بقدر 'چار پل وار'
بنا کر اپنا نام کر گئے آج تک اس کروفر اور شیخی پر
ڈال ڈالی منھ سے صاف نہیں نکلتا اُس دن جو 'دریا خان'
کے دو کبوتر پکڑے تو کہنے لگے کہ کبوتر کے نام ایک

'پرندوں' کا شعور دیکھیے کہ مسلم 'بوٹی' ھرن کی دسترخوان پر دیکھہ کر کہتا ھے کہ کیا ھے ھم بھی ایک بات کہتے ھیں ھم کیا بلا ھیں اسی سوچ میں رھتے ھیں کہ اگر کوئی پوچھہ بیٹھے کہ برادرا تو در مزرع دنیا چہ 'کشتی' تو اس کا جواب کیا دیجیے خدا کی قدرت کا کیا کیا بیان کریں کہ کل 'نواڑی' کا پھول اتنا بڑا دیکھا کہ بلہ بلہ وہ شیخ بھی کھڑا تھا جو سوت ھٹی میں رھتا تھا اور آپ اکثر 'نواڑ آکر' بیچا کرتا تھا اور چھنامل لاھی کے تھان اُس کے ھاتھہ بیچتا تھا اور چند روز 'بیڑی' بھی پانؤں میں غریب کے رھی خدا جو چاھے سو کرے بڑے بڑے 'بلبلوں' کے پانؤں میں زنجیر پڑتی ھے اور امانجی اُن کی رویا کرتی ھیں - بھئی مرزا خیراللہ بیگ تم 'نہ چڑو تم سے بھی ناحق ناحق کو قوال نے 'ڈانٹ لیا' تھا تم میں کوئی عیب نہیں بلکہ بہت سی خوبیاں رکھتے ھو خدا نے تمھیں بھی ایک فہم 'رسا دیا' ھے —

ایہام | یعنی ایسے لفظ کا استعمال کرنا جو دو معنوں پر دلالت کرے مثال :

عرش پر کیونکر نہ ھو تیرا دماغ
دی گورنر نے تجھے کرسی پہ جا

اور

سب سے اونچا بیٹھنا اچھا نہیں
ھاتھہ سے مونڈھا ذرا کیجے جدا

ان مثالوں میں سامع کا ذھن اول قریب کے معنی

پر جاتا ھے اور وہ کرسی کو عرش کے مقابل اور شانہ کو ھاتھہ کے مقابل سمجھتا ھے لیکن تامل کے بعد اس کا ذھن وہ دور کے معنی اخذ کرتا ھے جو کہنے والے کا مقصود ھے یعنی گورنر کی مناسبت میں کرسی اور بیٹھنے کی مناسبت میں سونڈھا —

محتمل الضدین اور وہ یہ ھے کہ شعر یا نثر میں دو معنی کا احتمال پیدا ھو اور وہ دونوں معنی ایک دوسرے کی ضد ھوں —

'ھجو ملیح' بھی محتمل الضدین کی ایک قسم ھے' اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں محتمل الضدین ھو ھجو ملیح کا مفہوم ھے - مدح اور ذم دونوں معنی اس سے پیدا ھوتے ھیں جس کا پتا قرینے سے چلتا ھے - کہیں قرینہ گم بھی ھوتا ھے اور سننے والا کوئی ایک مفہوم لے بیٹھتا ھے - اس کی مثال جو مدح اور ذم دونوں پر منتفسن ھو :-

ایک قطرہ ھے سمندر ترے منہ کے آگے

(۱) یعنی تیرا دھن اس قدر تنگ ھے کہ اس میں ایک قطرہ بمنزلہ سمندر کے ھے پس گنجایش ناپید ھے - (۲) یعنی تیرا دھن اتنا بڑا ھے کہ اُس کے لئے سمندر گویا ایک قطرے کی مثال ھے —

اس کی مثال کہ جو زید کی ہجو ہو غور کے بعد عمرو کی ہجو بن جاے، مثال :-

عمرو کہتا ہے کہ ہجو زید کی کر
میں کہتا ہوں لعنت خدا کی اس پر—

لف و نشر | 'لف' کے معنی ہیں لپیٹنا اور نشر کے معنی ہیں پھیلانا، کھولنا - اصطلاح میں یہ مراد ہے کہ پہلے کئی چیزوں کا ذکر مجمل کیا جاے، یہ ہوا 'لف' اور پھر ان کی تفصیل بتائی جاے، یہ ہوا 'نشر'- یہ کبھی باترتیب ہوتا ہے جسے فارسی میں لف و نشر مرتب کہتے ہیں، اور کبھی بے ترتیب ہوتا ہے، جسے لف و نشر غیر مرتب کہتے ہیں، مرتب کی مثال :-

کف بخشش سے ترے معدن و دریا و بہار
تینوں حاصل کریں اے سرورِ فرخندہ تبار
لعل معدن کو ملے بحر کو در خوش آب
دیکھے ہر لالہ و نسریں سے بہار اپنی کنار

اور

آہو و نافہ و نسریں کو سدا بخشے تو
نافۂ و بوئے خوش و رنگ ہو جتنا درکار

بعضے ان مثالوں کو لف و نشر نہیں کہتے بلکہ مثال اول کو 'تفسیر جلی' اور دوسری مثال کو 'تفسیر خفی' بتاتے ہیں —

اور مثال

سرو و گل شوق میں تیرے قد و عارض کے سدا
نالہ کرتے ھیں بہم قمری و بلبل کی طرح

لف و نشر غیر مرتب کی مثال : —

یاد میں اس طرہ و رخسار کی
ھاتھہ سر پر مارتا ھوں صبح و شام

'شام' زلف اور چہرے کی ترتیب کے لحاظ سے 'صبح' سے پہلے آنا چاھئے تھا لیکن ضرورت شعری سے بعد میں آیا —

جمع | چند چیزوں کا ایک شعر میں جمع کر دینا - جیسے —

دولت و بخشش و علم اور صفائے باطن
کرم اپنے سے تجھے حق نے دیا ھے سب کچھہ

تفریق | بیت —

ترے آگے میں لوں رستم کا کیا نام
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اس بیت میں شاعر کا مقصود ممدوح اور رستم میں فرق کا اظہار ھے —

تقسیم | بیت —

وھی دیوے گا تجھے صبر و سکوں جس نے دیا
رخ زیبا تجھے اور دیدۂ گریاں مجھکو

رخ زیبا اور دیدۂ گریاں مورد قسمت ہیں —

جمع مع تقسیم | بیت —

تیغ و افسر کا ہے تو مالک عنایت سے تری
تیغ رستم لے گیا افسر سکندر لے گیا

جمع مع تفریق | بیت —

دونوں صاحب فیض ہو آپس میں نیساں اور تُو
پر وہ دیتا ہے صدف کو قطرہ تُو سمجھ کو گہر

جمع مع تفریق وتقسیم | قطعہ —

سب سخی ہیں ابر و دریا اور وہ عالیجناب
پاویں فیض ان سے نباتات اور غوّاص و گدا
پر کرے ہے نالہ دریا ابر رووے وقت فیض
بالب خنداں وہ والا فر رہے ہے دائما

رجوع | ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف جانا جو پہلی سے بڑھیا ہو ، بیت —

مرا وہ خرمن نسریں پری سے ہمسر ہے
نہیں نہیں یہ خطا ہے پری سے بہتر ہے

حسن التعلیل | پسندیدہ طرز پر سب کا بیان کرنا ، بیت ، —

میں نے کہا کہ اب یہ مسی تو نے کیوں ملی
بولا مسی نہیں یہ چھری ہے نگاہ کی

المذہب الکلامی | اس سے عبارت ہے کہ کلام کو مدلل بنا دیں جس طرح لکچر دینے والے کہا کرتے ہیں ' یعنی جس طرح لکچرار یا متکلم نقلی مقدمات کو عقلی دلائل سے ثابت کیا کرتے ہیں مثال :-

کس طرح ہنسے اس دھن تنگ سے وہ شوخ
تقسیم یہ جز کی ہیں دلائل سبھی باطل

مبالغہ | مبالغہ تین قسموں پر ہے (۱) جو عقل اور عادت کے موافق ہو - اس کو تبلیغ کہتے ہیں (۲) جو عقل کی رو سے ٹھیک اور عادت کے خلاف ہو اسے ' اغراق ' کہتے ہیں (۳) جو عقل اور عادت دونوں سے لگا نہ کھائے ' غلو ' کہلاتا ہے —

حشو | حشو اس عبارت یا لفظ کا نام ہے جو کلام میں غیر ضروری ہو [یعنی اس کے بغیر مطلب پورا ہوتا ہو ' یہ کلام کے عیبوں میں سے ہے] ' اس کی تین قسمیں ہیں :—

(۱) حشو ملیح ' مثال :-

زیب و زینت حسن کو کیا چاہئے
پنجۂ خور طالب خاتم نہیں

' زیب ' اور ' زینت ' دونوں مترادف هیں ' ان میں سے صرف ایک لفظ ادائے مطلب کو کافی تھا لیکن کثرت استعمال سے دونوں لفظ کھپ گئے —

(۲) حشو متوسط ' مثال :-

تو هے بحر بیکراں میں تشنۂ و تفتیدہ لب
اے جہان جود و همت پیاس کو میری بجھا

' جود ، یا ' همت ، ایک لفظ حشو هے جس سے کلام میں نہ زینت آتی هے نہ قبح —

(۳) حشو قبیح - مثال :-

اگر تو نے ستم مجھہ پر کیا تو کیا هوا پیارے
جفا معشوق اور محبوب کا سہتے هیں سب عاشق

اس شعر میں یا 'معشوق ' زاید اور قبیح هے یا ' محبوب ' - - [بہت سے صنایع بدایع جو فضول اور دور از کار تھے قلمزد کردئے گئے]

— * —

دوسری فصل

اصناف شعر

جاننا چاهئے کہ نظم کی دس قسمیں هیں (۱) غزل (۲) قصیدہ (۳) فرد (۴) رباعی (۵) مسمط (۶) مثنوی (۷) تشبیب (۸) ترجیع (۹) مستزاد

(۱۰) قطعہ —

غزل | غزل اس کلام موزوں سے عبارت ہے کہ اس کی پہلی بیت مقفیٰ ہو جسے 'مطلع' کہتے ہیں باقی شعر اس قبیل سے ہوں کہ بیت کا دوسرا مصرع مطلع کا ہم قافیہ ہو' یہ سب جانتے ہیں' اہل عجم کا قاعدہ ہے غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص ڈالتا ہے' اسے 'مقطع' کہتے ہیں —

غزل کے مضامین | غزل میں معشوق' شراب' فراق کے الم کا شکوہ اور معشوق کی جفاؤں اور بری عادتوں کے سوا اور مضامین کا ذکر زیبا نہیں - جو اس کے خلاف ہو وہ غزل نہیں - لوگوں کے تصرفات غیر معتبر ہیں - اور جن لوگوں نے بیوقوفوں پر رعب جمانے اور صاحب طرز جدید بننے کا لقب حاصل کرنے کے واسطے غزل کو معما بنا دیا ہے ان کا کلام غیر فصیح ہے - وہ نا فہموں میں مقبول اور مشہور ہو لیکن عقلمندوں کے نزدیک معتبر نہیں * - ریختہ کے شاعر کلام میں فارسی شعرا کا تتبع کرتے ہیں [اب فارس میں بھی غزل کا وہ

---

* میرے معاصرین پر ظاہر ہے کہ غزل کے مضامین سے متعلق یہ قیدیں اب مسترد ہو چکی ہیں - اگر وہ پرداز اور رتبہ جو غزل کو ملا ہے نہ ملتا تو غزل کبھی کی مر چکی ہوتی - (مترجم)

رنگ ڈھنگ نہیں رہا]- ان کا معشوق امرد (لونڈا) ہے بخلاف بھاکھا (بھاشا) کے کہ اس میں معشوق عورت ہے - اگر ریختہ میں 'آیا وہ دلربا ' کی جگہہ ' آئی وہ دلربا ' باندھا جائے تو محض غلط ہے - اگر کوئی کسی عورت کا عاشق ہو تو اس طرح کہے اسے اختیار ہے لیکن دیوانوں کے کلام کی تقلید زیبا نہیں اور یہ طرز کہنے والے سے خصوصیت رکھتا ہے - اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کچھہ قایل ارادے سے کہے غلطی سے پاک ہے کیونکہ عبارت اور کلام میں خطا کا عاید ہونا بے علمی یا سہو سے ہوتا ہے —

زمین غزل | ریختہ والے [کبھی کبھی] ایک زمین میں چار چار غزلیں کہتے ہیں اور غزل کے مقطع میں اگلی غزل کا اشارہ کر دیتے ہیں - 'غزل کی زمین' سے ردیف' قافیہ اور بحر مراد ہے - اگر وہی ردیف و قافیہ دوسری بحر میں باندھا جائے تو زمین دوسری ہو جائے گی —

تخلص کا استعمال | تخلص کا استعمال اس انداز سے ہونا چاھئے کہ وہ صریحاً شاعر کی شخصیت پر دلالت کرے ' مثلاً لفظ تمنا کو لیجئے ' یہ ایک عام لفظ ہے جس کے معنی ہیں خواہش ' آرزو - 'تمنا' بعض شاعروں کا تخلص بھی ہوتا ہے - بیت :-

وعدہ ہو روز تیہا کب تلک اے وعدہ خلاف
آشتاب اب کہ 'تمنا' کی تمنا ہے یہی

اس میں لفظ 'تمنا' تخلص کی حیثیت سے بندھا ہے اور سامع سمجھتا ہے کہ یہ کلام 'تمنا' شاعر کا ہے - لیکن اس بیت میں :-

عاشق خستہ کی رخصت دم آخر ہے ضرور
ہے اسے تیرے ہی آنے کی تمنا باقی

یہاں 'تمنا' ایک عام لفظ پایا جاتا ہے اور اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ شعر اس شاعر کا ہے جس کا تخلص 'تمنا' ہے —

غزل کے اشعار کی تعداد | غزل کے اشعار پانچ سے کم نہ ہونے چاہئیں ' ورنہ سات ہوں یا نو یا گیارہ [یعنی غزل کے شعروں کی تعداد طاق ہو] - متاخرین فارسی کے ہاں چالیس تک بھی غزل کے اشعار کی تعداد پائی جاتی ہے - اگر کلام اچھا ہے تو اس کا مضایقہ نہیں —

قصیدہ | یہ چند بیتیں اکثر تو ممدوح کی مدح میں ہوتی ہیں اور کمتر معاصرین (ابناے روزگار) کے حال میں- قصیدے کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو اس کی ابتدا مدح سے ہوتی ہے ' یا مدح سے پہلے چند

بیتیں اور مضمون میں ہوتی ہیں اور ان کے بعد مدح شروع ہوتی ہے اس کو 'گریز' کہتے ہیں اور مذکورہ ابیات کو عموماً تمہید کہتے ہیں لیکن اہل تحقیق تشبیب کا نام دیتے ہیں خواہ ان شعروں میں شراب و شاہد اور ایام جوانی کا ذکر ہو خواہ اور چیزوں کا، اشعار میں ردیف قافیہ اور وزن کے قیود غزل جیسے ہیں۔

رباعی | رباعی میں کُل چار مصرعے ہوتے ہیں، اس کے اوزان عروض کی کتابوں میں دیے ہوے ہیں۔ [اس میں تیسرے مصرع کے سوا باقی تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اوزان رباعی کے متعلق مجمل طور پر یہ کہنا یہاں کافی ہوگا کہ یہ بحث پیچیدہ ہے اور طالب علم کو عروض کی کتابوں میں مطالعہ کرنی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ رباعی کے چوبیس اوزان معین ہیں مگر وہ چوبیس اوزان کونسے ہیں ان میں عروضیوں کا اختلاف ہے]۔

مسمط | 'مسمط' تسمیط کا اسم مفعول ہے اس کے معنی ہیں دھاگے میں موتی پرونا، شاعروں کی اصطلاح میں چند متحدالقوافی مصرعوں سے مراد ہے اس طرح کہ پہلے چند مصرعے موزوں کر کے اس مجموعے کو بند اول کہتے ہیں پھر اور چند مصرعے دوسرے قافیہ میں کہہ کر آخر کے مصرع کو بند اول سے ہم قافیہ کرتے ہیں۔ مسمط

کی سات قسمیں ہیں :- 'مربع' - 'مخمس' - 'مسدس' - 'مسبع' - 'مثمن' - 'متسع' - 'معشر' —

مربع	مربع میں چار مصرعے متحد القوافی ہوتے ہیں - یہ ہوا اول بند - پھر اور تین دوسرے

قافیے میں متحد القوافی کہہ کر چوتھے مصرع کا تقفیہ بند اول سے کرتے ہیں - اسی طرز پر اگلے بند نظم کیے جاتے ہیں —

آج کل ہندوستان کے اکثر شاعروں نے جن کی طبیعت شعر کی طاقت نہیں رکھتی جاہلوں میں مشہور اور ممدوح ہونے اور بد مذاق امیروں سے جلب منفعت کی غرض سے مرثیہ گوئی شروع کردی ہے اور اس کے لئے 'مربع' کی صنف اختیار کی ہے —

مخمس	مخمس اسی التزام کے ساتھ پانچ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے - بعضے اول مصرع کے آخری شعر

کو ہر بند کے آخر میں لاتے ہیں —

مسدس وغیرہ	مسدس چھہ مصرعوں کا - مسبع سات مصرعوں کا - مثمن آٹھہ مصرعوں کا -

متسع نو مصرعوں اور معشر دس مصرعوں کا طریق مذکورہ کے مطابق ہوتا ہے —

ریختہ گویوں نے مسدس کو [قاعدہ مذکورہ سے الگ]

ایک نئی چیز قرار دے دیا ہے، وہ یہ کرتے ہیں کہ چار مصرعے ایک قافیے میں کہہ کر اور دو مصرعے دوسرے قافیے میں کہہ کر پہلے چار مصرعوں سے ملحق کرتے ہیں اور اسے ایک بند کہتے ہیں اسی طرز پر اور بند کہہ کر ایزاد کرتے ہیں۔ 'مسبع' سے معشر تک اصناف قدما میں رایج تھیں اب کوئی نہیں کہتا۔ شعراے ریختہ نے 'مسمط' کو آٹھ قسموں پر منقسم کیا ہے یعنی اس کی قسموں میں 'مثلث' ایزاد کیا ہے اور اسے اپنی زبان میں تِکّڑ کہتے ہیں۔ تِکّڑ کی مثال :-

اگرچہ سیکڑوں اس جا پہ تھے کھڑے زن و مرد
نہ شد قتیل زیاراں کہ یک کس از سر درد
سرے بہ نعش من خستہ جاں بجنباند

مثنوی | مثنوی کا کہنا سات بحروں پر منحصر ہے، ایک بحر متقارب مثمن مقصور (آخری رکن کے لحاظ سے) یا محذوف (اسی رکن کے لحاظ سے) ہے اور یہ بحر بادشاہوں کے باہم محاربات اور جنگ کے بیان کے لئے مخصوص ہے، لیکن 'میر حسن' مرحوم ریختہ گو نے 'بے نظیر و بدر منیر' کا قصہ اسی وزن میں موزوں کیا ہے * حق سے گزرنا نہیں چاہئے خدا بخشے خوب کہہ

* یہ بحر رزمیہ مضامین سے کیوں مخصوص سمجھی جاے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی، یہ کوئی وجہ نہیں کہ فردوسی نے شاہنامہ اس بحر میں کہا۔ کوئی صوتیاتی دلیل اس ادعا کے حق میں نہیں پیش کی گئی؛ ترنم کے لحاظ سے یہ بحر جمالی شان رکھتی ہے نہ کہ جلالی
(مترجم)

گیا ھے - [اصل کتاب میں آگے مثنوی کی اور مخصوص بحور کا ذکر ھے جسے محض طوالت سمجھ کر قلمزد کیا گیا کیونکہ آج کل ان قواعد (یا احکام کہئے) کی پابندی کوئی نہیں کرتا ' جو قاعدہ "کیوں" ؟ اور "کس وجہ سے ؟" کا جواب اپنی زبان سے نہیں دے سکتا وہ تسلیم اور تعمیل کا مستحق نہیں سمجھا جاتا -]

ترجیع | اس سے مراد ھے پلٹ کر لانا [یعنی ایک مصرع یا بیت کو بند والی نظموں میں ٹیپ کی جگہ بار بار ھر بند کے بعد لانا] اور ایسی صنف شعر کو 'ترجیع بند' کہتے ھیں ' اگر یہ ٹیپ کی بیت جداگانہ ھو تو ترکیب بند کہا جائے گا [ترکیب بند کا جو مفہوم آج کل اردو میں ھے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں] -

مستزاد | عموماً رباعی کے وزن سے ایک ٹکڑا لے کر ھر مصرع پر ایزاد کرنے کو مستزاد کہتے ھیں ' متقدمین غزل کے مصرعوں میں بھی یہ ایزادی کرنے لگے —

قطعہ | ان چند بیتوں سے مراد ھے جن کے اول بیت کے اول مصرع کا قافیہ ھو چنانچہ قافیہ کا حصر بیت کے مصرع ثانی پر ھے - بعض مختصر قصیدے کو بھی قطعہ کہتے ھیں - [قطعہ کا مضمون مسلسل ھوتا ھے ' اس میں کم سے کم دو شعر ھوتے ھیں ' پہلا شعر فرد ھوتا

۳۳۱۴۵

Date	No.	Date	No.